مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصلوٰۃ

جلد اوّل

ترتیب

ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال مغربی پاکستان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

مآخذ فتاوے علمائے حدیث

فتاوی نذیریہ قلمی
فتاوی نذیریہ مطبوعہ
فتاوی ثنائیہ
فتاوی غزنویہ
فتاوی شیخ حسین
فتاوی نواب صدیق حسن خاں

فتاوی عمر پوری
فتاوی عزیزی
فتاوی ستاریہ
دلیل الطالب علی ارجح المطالب
فتاوی تنظیم اہل حدیث
فتاوی الاعتصام

فتاوی اہل حدیث سوہدرہ
فتاوی محدث دہلی
ترجمان دہلی
اہل حدیث گزٹ دہلی
قوانین فطرت
اخبار محمدی دہلی

فتاوے متعلقہ مساجد طبع کلکتہ ۔

نام کتاب ________ فتاوی علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ اوّل
نام مرتب ________ علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت ________ محمد نذیر خوشنویس چک ۵۴۳ براستہ بوریوالہ ضلع ملتان
طباعت ________ اردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور
تاریخ اشاعت ________ ماہ صفر ۱۳۹۳ھ مطابق مارچ ۱۹۷۳ء
قیمت ________ دس روپے
تعداد ________ ایک ہزار
ناشر ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال
ملنے کا پتہ ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان
(مغربی پاکستان)

فہرست فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ اول

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	پیش لفظ	۱۲
	علامہ احسان الٰہی ظہیر کا تبصرہ	۱۴
	اخبار الاعتصام لاہور کا تبصرہ	۱۵
	اخبار اہل حدیث لاہور کا تبصرہ	۱۷
	باب تعمیر المساجد	
۱	مشترکہ زمین میں تعمیر مسجد جائز نہیں	۱۸
۲	ایک مسجد کی تعمیر کے لئے جمع شدہ رقم دوسری مسجد کی تعمیر میں صرف ہو سکتی ہے جب کہ مسجد اول کی تعمیر کا ارادہ بدل جائے	۲۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مسجد کا حکم رکھتی ہے الخ	
۹	ایک دو منزلہ مکان ہے اوپر کی منزل کو مسجد بنانا اور نیچے کی منزل کو کرایہ پر دینا جائز ہے الخ	۳۰
۱۰	مسجد کے نیچے دکانیں بنانا جائز ہے یا نہیں	۳۳
۱۱	اوپر مسجد نیچے دکانیں بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے۔	۳۳
۱۲	مسجد کے نیچے مصارف مسجد کے لئے دکانیں بنانا کیسا ہے	۳۵
۱۳	دو چھتی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں	۳۵

ضمیمہ فہرست

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلک اہل حدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد، اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب، سنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں۔ جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاوٰی، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے۔ ورنہ ترک کرے۔ علماء حدیث کے فتاوٰی، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاوٰی اسی حیثیت میں ہیں۔ اور جملہ صلحائے امت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال وفتاوٰی کو کتاب وسنت پر پیش کرو۔ اگر خلاف پاؤ تو اسے چھوڑ کر کتاب وسنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہل حدیث کی تحریرات فتاوٰی میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علمائے کرام کا تبحر علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوٰی ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز تھی جس نے مجھ جیسے نا اہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں فتاوٰی نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوٰی کی جانچ مجھ جیسے نا اہل کا منصب نہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام   در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوٰے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق

میں اس فتاویٰ میں خطأ معلوم ہو تو بجائے طعن و تشنیع کے علماء کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو نسیان پر محمول کریں۔ یہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویّہ ہونا چاہئے۔ افسوس کہ جب سے امّت نے اکابر کے ادب و احترام کو نظرانداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے پیغمبروں کے علاوہ امّت میں ہر کس و ناکس سے غلطیوں کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدّث اور مورّخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو۔ لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ (القرآن پ۵)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر یقین ہے ؎

اصلِ دین آمد کتاب اللہ معظّم داشتن
پس حدیثِ مصطفٰے بر جاں مسلّم داشتن

میں نے اسی لئے علماء کرام کے فتاویٰ کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیّر و تبدّل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

علی محمد سعیدی
جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

"فتاویٰ علمائے حدیث" پر علامہ احسان الٰہی ظہیر کا

تبصرہ

برصغیر پاک و ہند میں علمائے حدیث نے قرآن وسنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن وتاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاویٰ کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے۔ بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتار کے جواب میں براہ راست کتاب وسنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے اُن فتاویٰ کو جمع کر دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاویٰ نذیریہ تھا۔ جو شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاویٰ ثنائیہ تھا جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علماء حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاویٰ ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گہر پارے جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاویٰ علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ کو جمع کر دیا ہے اور اس

سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوی مثلاً فتاوی نذیریہ، فتاوی غزنویہ، فتاوی ثنائیہ، فتاوی ستاریہ، سے لے کر تنظیم اہل حدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی، اہل حدیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔

اور یقینی طور پر زکوٰۃ کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ پیش و افتادہ مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دئے ہیں۔

مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت و کتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور اسے سفید کاغذ پر حسین و جمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

بڑے سائز کے ۲۵۹ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کی قیمت دس روپے بالکل مناسب ہے۔

ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے اس سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

(ترجمان اہل حدیث لاہور جلد ۳ شمارہ ۱)

"فتاوی علمائے حدیث" پر اخبار الاعتصام کا

تبصرہ

ہندو پاک میں علمائے اہلحدیث کی گرانقدر علمی و دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر محقق اور دیدہ ور مؤرخ کی نگاہِ التفات کا منتظر ہے ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاوی نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہل حدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن و حدیث پر مبنی دلائل پر فتوی نویسی کو رواج دیا اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقیہہ حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علمائے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی نتیجۃً اس طرح بہت سی علمی و قیمتی تحریرات و دستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن و قلم سے نکلے مثلاً حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد

مولانا سید عبد الحیّٰ رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا تکاد ان تحصر وظنی انہا لوجمعت لبلغت الی مجلدات ضخام ان کے صرف وہ متفرق فتاوی ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے حیطۂ شمار سے باہر ہیں۔ اگر وہ جمع کئے جاتے تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ صـ ۵۰ طبع حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء)

حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے اہل حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبد اللہ صاحب محدّث روپڑی کو فتویٰ نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علمائے اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی رح کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کئے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رح مولانا شرف الدین محدث دہلوی رح مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسری رح مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری رح مولانا عبید اللہ رحمانی مدظلہ حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہٗ مولینا حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی رح مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور دیگر علمائے مرحومین و موجودین کے فتاوی شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی منظر عام پر جلد آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کار خیر میں ناشر سے پورا تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۲ شمارہ ۸، ۹)

نوٹ:۔ الحمد للہ بتوفیق الٰہی سے "فتاوی علمائے حدیث" کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ حصہ اول منظر عام پر آچکا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دیگر جلدوں کو بھی شائع کرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

"فتاویٰ علمائے حدیث" پر اہل حدیث لاہور کا

تبصرہ

ابو الحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور گوشہ نشین اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشۂ گمنامی میں رہ کر ہی کتاب و سنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا ملی فریضہ ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر ترجمان الحدیث نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاویٰ تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے، اس کے بعد شاہ ولی اللہ رحمہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول کو ہے، دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفسار کے جواب میں براہ راست کتاب و سنت سے دلائل پیش کئے۔"

زیر تبصرہ فتاویٰ کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب و سنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک حیض و نفاس، وضو، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاویٰ عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاویٰ نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاویٰ تنظیم اہل حدیث، فتاویٰ الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک سے یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان کے اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت و کتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گذارش کریں گے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں، نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔　　(ہفت روزہ اہل حدیث لاہور جلد ۳ شمارہ ۳۲ سنہ ۱۹۷۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

باب تعمیر المساجد

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ[۱۲] اشخاص نے ایک قطعہ زمین خریدی، اور ان میں ایک ہندو بھی ہے، بعد خریدنے کے پانچ سو آدمیوں کو نفع اور نقصان کا شریک کر لیا، اور سو سو روپیہ ہر ایک شخص سے لے لئے، اور ان پانچسو میں غریب اور یتیم اور بیوہ عورتیں شریک ہیں، بروقت نیلام کرنے کے اکثر شرکار موجود تھے۔ بعد نیلام کرنے کے ایک قطعہ زمین کل میں سے ان بارہ[۱۲] آدمیوں نے علیحدہ کر دی، اور یہ کہا کہ نیچے بیٹھک اور اوپر مسجد بنائیں گے، مسجد بنانا اس طریق سے درست ہے یا نہیں، اور اکثر شرکار مسجد بنانے میں راضی نہیں ہیں، اور اپنے حصہ کی قیمت چاہتے ہیں۔ اگر ان حصہ داروں میں سے ایک شخص بھی تعمیر مسجد سے ناراض رہا، تو تعمیر مسجد درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ صورت ہذا میں مسجد بنانا جائز نہیں، کس واسطے کہ جب زمین مشترکہ ہے، اور اس

کے ہر ہر جزو میں ہر شخص کا حصہ ہے۔ اور بعض اشخاص بدون رضامندی دیگر شرکاء مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ تو یہ ہرگز جائز نہیں، اور اگر بنا دیں گے، تو ظالم قرار دیئے جاویں گے، کیونکہ حق یتیمان و بیوگان تلف کرتے ہیں، اور اگر وقف بھی کردیں گے تو وہ وقف باطل ہوگا، بحر الرائق میں ہے فلو استحق الوقف بطل اور ظاہر ہے کہ وقف کے واسطے ملک شرط ہے، بحر الرائق میں ہے من شرائطہ الملك وقت الوقف حتی لوغصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه اوصالح على مال دفعه اليه لاتكون وقفا یعنی شرائط وقف سے مالک ہونا ہے شئے موقوفہ کا وقت وقف کے، یہاں تک کہ اگر وقف کیا زمین، مغصوبہ کو اور پھر خرید لیا مالک سے اور قیمت بھی دے دی یا صلح کی مال پر، تو بھی وقف صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وقت وقف کے مالک نہ تھا، اور یہاں تو اس قدر شرکاء ہیں، جب تک ایک بھی ناراض رہے گا، یا ان میں سے کوئی کافر ہوگا، تو وقف جائز نہ ہوگا واسطے مسجد کے، کیونکہ کافر کا مال مسجد میں لگانا جائز نہیں، ہاں بعض شرکاء اگر قطعہ زمین خرید لیں اور کل شرکاء راضی ہوجاویں، یا بعض شرکاء اپنا حصہ علیحدہ کرلیں، اور قیمت ادا کردیں تو درست ہوگا، یا قیمت کل شرکاء کو تقسیم ہو جاوے، ان کی رضا سے۔ فقط۔

حررہ محمد کرامت اللہ

الجواب صحیح

فتح محمد مدرس فتحپوری
مدرس مدرسہ حسین بخش

فقیر محمد حسین

یقال لہ ابراہیم

حبیب احمد

محمد وصیت علی
مدرس فتح پوری

واضح ولائح ہو، کہ اصل شرکت ہی مسئلہ میں صحیح و جائز نہیں، یہ تقریر جواب شئے اور ہے، یہ تقریر بعد شرکت صحیح ہونے کے ہوگی۔ والضرب[2] الثانی شركة العقود وركنها الايجاب والقبول وهو ان يقول احدهما شاركتك فی كذا وكذا ويقول الآخر قبلت ثم هی اربعة اوجه مفاوضة وعنان وشركة الصنائع وشركة الوجوه فاما شركة مفاوضة فهی ان يشترك الرجلان فيتساويان فی مالهما وتصرفهما ودينهما الخ كذا فی الهداية۔ ولا بين مسلم والكافر كذا فی متن الهداية والله اعلم۔ محمد یعقوب

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ ص ۳۰۵ جلد اوّل

[2] دوسری قسم شرکت عقود ہے، اور اس کا رکن ایجاب و قبول ہیں اور وہ اس طرح ہے کہ ایک کہے، میں نے تجھے فلاں چیز میں شریک کیا، اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا، پھر اس کی چار قسمیں ہیں شرکت مفاوضہ، وعنان، و شرکت صنائع اور شرکت وجوہ، اور شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی ہوں، اور مالیت، تصرف اور قرض میں برابر ہوں۔ اور یہ شرکت کافر اور مسلمان میں نہیں ہوسکتی۔ ۱۲

لہ اگر کوئی زمین غصب کرکے وقف کرے تو وقف باطل ہوگا۔ ۱۲

تشریح سوال کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو زمین مشترکہ میں مسجد کا بنانا۔ دوسرے نیچے بیٹھک اور اوپر کی سطح پر مسجد کی تعمیر۔ زمین مشترکہ کے جس حصہ پر کوئی مالک قابض ہے تو وہ اپنے اس حصہ کو وقف بھی کر سکتا ہے۔ اور اس میں مسجد بھی بنا سکتا ہے، کیوں کہ حصہ کے مطابق وہ مالک ہے۔ عرف عام کے مطابق قابض ہونے کی وجہ سے اپنے تمام شرکاء سے مقدم ہے۔ دوسرے شریک باقی ماندہ جگہ سے اپنا اپنا حصہ پورا کریں گے،

سوال کا دوسرا پہلو.... مسجد کے نیچے بیٹھک بنانے کی دو صورتیں ہیں، اوّل مصارف مسجد کے لیے بیٹھک بنانا، تو جائز ہے۔ کیوں کہ مفاد مسجد کے لیے ہے، دوم مسجد کے لیے زمین وقف کنندہ اگر اپنے ذاتی مفاد کے لیے بیٹھک بنائے تو جائز نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ارادہ کیا، اپنے گاؤں میں مسجد بنانے کا، اور اس کی تعمیر کے لیے اس نے ایک ٹکڑا زمین کی آمدنی وقف کی، اس عرصہ تک کے لیے جب تک مسجد تیار نہ ہو جائے، آمدنی تو جمع ہوتی ہے، مگر مسجد کی تعمیر ابھی شروع نہیں کی گئی، اب وہ شخص اپنے ارادے کو اس خیال سے بدلنا چاہتا ہے۔ کہ جس گاؤں میں اس نے مسجد بنوانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس میں آبادی اہل اسلام کی نہیں ہے، صرف ایک یا دو آدمی نماز پڑھنے والے ہیں، باقی گو چند مسلمان بھی آباد ہیں، مگر نام کے مسلمان ہیں، کوئی صورت ان میں دینداری کی نظر نہیں آتی، کیا اگر وہ شخص اس رقم کو کسی دوسری جگہ کی مسجد کی تعمیر میں صرف کر دے، تو کوئی شرعی مواخذہ تو اس پر عائد نہیں ہو جاتا، نیز کیا اس ارادہ کو بدلنے کی حالت میں کوئی دین تو اس پر لازم دعاید نہیں آتا، اگر آتا ہے، تو کس قدر؟

الجواب: صورت مرقومہ میں اگر وہ شخص اس رقم کو کسی دوسری جگہ کی مسجد کی تعمیر میں صرف کر دے تو کوئی شرعی مواخذہ اس پر نہیں ہے۔ اور نہ کوئی فدیہ و کفارہ اس پر لازم آتا ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۲۰۶

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے چند پرنالے جنگی عرصہ دراز

سے بجانب ایک قطعہ اراضی افتادہ آتے تھے، عرصہ تقریباً چالیس سال کا ہوا کہ زمین افتادہ مذکورہ پر زرِ چندہ سے مسلمانان اہل محلہ نے مسجد تعمیر کی، بروقت تعمیر مسجد بانیان نے پرنالہائے جنگی مذکورہ مالک مکان مذکورہ کو قلفی دار کراکر اندرون مسجد قائم رکھے، چنانچہ دو پرنالے حرف (و) ، و (ب) جو دلان مسجد کی حد میں آئے، ان کو مسجد کی چھت پر لے کر پانی ان کا پشت مسجد کے کوچہ میں اُتار دیا، اور دو پرنالے (ج) ، و (دال)، صحن مسجد میں واقع ہوئے، ان کا پانی لینے کے واسطے ایک نالی زیر دیوار مکان زید برنگ سُرخ از حرف (ن) تا (ح)، سراسر حق لپشتہ برنگ زرد چھوڑ کر تعمیر کی گئی، اس نالی میں ایک پرنالہ حرف (واد) خاص مسجد کی چھت کا، اور دو پرنالے مذکورہ جو مکان زید کے صحن مسجد میں واقع ہوئے تھے لے لئے گئے، اور نال مذکور ہمراہ فرش صحن مسجد پتھر کے چوکون سے ڈھانک دی گئی، پانی پرنالہائے مذکور کا بذریعہ نالی مذکور وضو کی نالی کشادہ میں ملا دیا گیا۔ چنانچہ اسی شکل میں اب تک جاری ہے، علاوہ ان کے ایک پرنالہ حرف (ہ) جو مکتب خانہ کی چھت پر سے ہو کر آ رہا ہے، اس کا پانی مکتب خانہ کی چھت کے پرنالہ قلفی دار میں سائل ہو کر وضو کی نالی میں آتا ہے۔

اب زید کی وارث ہندہ نے اپنے مکان پر پختہ دو منزلہ تعمیر کرایا، اور بروقت تعمیر بلحاظ مسجد گندہ پانی مثل پاخانہ و غسلخانہ کا مسجد کیطرف سے ہٹا کر دوسری جانب کو پھیر دیا، جو اس وقت ممکنات سے تھا، باقی پانی یعنی صحن بالاخانہ کا و نیز سقفہائے بالاخانہ مذکورہ کا بدستور جانب مسجد جاری رکھا مکان ہندہ کے جو پانچ پرنالے حرف (الف) ، و (ب) ، و (ج) ، و (دال) ، و (ہ) قدیم سے بجانب مسجد آتے تھے اسی شکل سے اب تک قائم ہیں۔ جیسا کہ نقشہ منسلکہ فتویٰ ہذا سے ظاہر ہے۔

اب اہل محلہ چاہتے ہیں، کہ جو پانی صحن بالاخانہ ہندہ کا بذریعہ پرنالے حروف (ج) و (دال)، صحن مسجد کی نالی قدیمہ میں آتا ہے۔ وہ موقوف کر دیا جاوئے، کیونکہ وہ مستعمل یا گندہ پانی ہونے کی وجہ سے وضو کے پانی میں آ کر بدبو دیتا ہے، جس سے وضو کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، ہندہ یا اس کے رفقاء شکایت بدبو کی مدافعت بلحاظ ادب و پاس مسجد بزر لاگت خود بذریعہ نل آہنی وغیرہ کر دینے کو تیار ہیں۔ لیکن ادھر سے بالکل پرنالے پھیر لینے میں نہایت دقت و ہرج و نقصان اس کو اپنی جائداد کا معلوم ہوتا ہے، بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ کام تعمیر کا بالکل ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ اپنی حقیقت چھوڑ دینے سے معذور ہیں۔

اب سوال یہ ہے نمبر۱۔ کہ از روئے شرع شریف بصورت مندرجہ بالا ہندہ کا عذر قابل تسلیم ہوگا یا نہیں، اور وہ اپنی حقیقت کی بابت ایسے عذر سے عند اللہ گنہ گار ہے یا نہیں، اور جو لوگ ایسے فعل پر ہندہ کو جس کو وہ محال و مضرت بخش خیال کرتی ہے، مجبور کریں، تو عند اللہ وہ مستحق اجر و ثواب کے ہیں یا نہیں؟

نمبر۲ دوسرے ہندہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی بلا معصیت استحقاق رکھتی ہے، یا نہیں؟

نمبر۳۔ تیسرے صحن مسجد میں زیر دیوار مکان ہندہ جو نالی پرنالہائے مذکورہ کی چوکون سے ڈھکی ہوئی ہے۔ جس کی گہرائی تقریباً پاؤ درعہ ہے، کہ تری نالی کی غالباً چوکون تک نہیں پہنچ سکتی، آیا اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

نمبر۴۔ چوتھے جو اہل اسلام اپنے بھائی مسلمان کو کسی ایسے فعل پر مجبور یا مطعون کریں، یا اس کی توہین کے درپے ہوں یا نقصان پہنچاویں، اور حق الامر کو چھپانے کی کوشش کریں، تو عند اللہ ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ المرقوم ۲ر جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ

الجواب:۔ صورت مذکورہ فی السوال میں چونکہ پرنالے ہندہ کے بجانب زمین افتادہ جسمیں مسجد تیار ہوئی تھی، قدیم سے جاری تھے، اور وقت تیاری مسجد کے حق پشتہ اور حق نالی مکان کو مورث ہندہ اور بانیان مسجد نے قائم رکھا تھا۔ پس جو زمین پشتہ اور زمین نالی ہے وہ خالصاً لوجہ اللہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں حق العبد باقی ہے۔ عالمگیری میں ہے[1] حکی الفقیہ ابو اللیث انھم استحسنوا ان المیزاب اذا کان قدیما وکان تصویب السطح الی دارہ وعلم ان التصویب قدیم ولیس بمحدث ان یجعل لہ حق التسییل لہذا جو پشتہ کہ نقشہ میں برنگ زرد دکھایا گیا ہے، اور جو زمین نالی کی ہے، اگرچہ اس کو پتھر سے ڈھانک دیا گیا ہے وہ شرعاً مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اور اس قدر زمین کو مسجد نہیں کہہ سکتے ہیں، اور ہندہ اپنے پرنالہ قائم رکھنے کی شرعاً مستحق ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ ومن[2] جعل مسجدا تحتہ

---

[1] اگر پرنالہ قدیمی ہو، اور مکان کی چھت کی ڈھلوان اس کے گھر کی طرف ہو، اور یہ معلوم ہو، کہ یہ ڈھلوان قدیمی ہے نئی نہیں ہے، تو وہاں پرنالہ رکھنے کا اس کو حق ہے۔ ۱۲۔ [2] اگر کوئی شخص مسجد بنائے، اور اس مسجد کے

سرداب او فوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله عن ملكه ان يبيعه وان مات يورث عنه لانه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به پس صورت مذکورہ میں ہندہ کا عذر قابلِ تسلیم ہے۔ اور ہندہ شرعاً گنہگار نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ ہندہ پر جبر کرنا چاہتے ہیں، وہ شرعاً بے راہی پر ہیں، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ ہندہ یا رفقائے ہندہ رفع شکایت بدبو کے واسطے اپنی لاگت سے نل آہنی وغیرہ بنا دینے کو تیار ہیں۔

دوسرے ہندہ شرعاً اپنے حقوق کی حفاظت کا استحقاق بلا معصیت رکھتی ہے۔

تیسرے جب کہ چوکون تک اثر نالی کے پانی کا نہیں پہنچتا ہے، تو شرعاً اس پر نماز درست ہے۔

چوتھے جو لوگ کہ مسلمان کی توہین کے درپے ہوں، اور حق کو چھپا دیں، اور ناحق پر اڑیں، تو وہ لوگ شرعاً خطا پر ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب کتبہ، محمد مظہر اللہ

الجواب قول وباللہ التوفیق:- اصل یہ ہے کہ کوئی زمین اس وقت تک مسجد نہیں ہو سکتی، کہ اس سے تعلق مالک کا نہ اُٹھ جاوے، اور بندہ کا کوئی حق اس میں باقی نہ رہے، قال الشامی وفی القهستانی ولا بد من افرازه اى تمييزه عن ملكه من جميع الوجوه فلو كان العلو مسجدا والسفل حوانيت او بالعكس لا يزول ملكه لتعلق حق العبد كما فى الكافی صفحہ ۳۰۴ جلد ۳۔ پس جب کہ ہندہ ومورث ہندہ کے پرنالے اسی زمین میں قدیم سے پڑتے تھے اور بوقتِ تعمیر مسجد وہ پرنالے جاری رہے، تو وہ جگہ نالی کی حکم مسجد میں داخل نہیں ہوئی، اور جب کہ وہ جگہ حکم مسجد میں داخل نہیں ہوئی، تو ہندہ اپنے مکان کے پرنالے باقی رکھنے، اور اپنا حق نہ چھوڑنے سے گنہ گار نہ ہوگی، بلکہ مجبور کرنا اس کو جائز نہیں ہے اور مجبور کرنے والے گنہ گار ہیں، البتہ یہ مناسب ہے، کہ رفع بدبو کی مناسب تدابیر کرادی جاوے۔

نیچے اس کا کوئی تہہ خانہ ہو، یا اوپر مکان ہو، اور وہ مسجد کا دروازہ شارع عام کی طرف رکھ دے اور اس کو اپنے مِلک سے خارج کر دے، تو وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ خود فوت ہو جائے، تو وہ ورثہ میں تقسیم ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ اللہ کے لیے خالص نہیں ہوا۔ اس میں بندے کا حق ہے ۱۲۔

لے اور ضروری ہے کہ (مسجد) آدمی کی ملکیت سے پوری طرح الگ ہو، اگر مسجد کے اوپر یا نیچے دکانیں یا مکان ہو تو اس سے بندے کا حق چونکہ متعلق ہے لہذا اس کی ملکیت سے پوری طرح وہ مسجد علیحدہ نہیں ہوگی۔ ۱۲

نقشہ منسلکہ میں جو پشتہ بہ رنگ زرد اور جو نالی پانی کے نکلنے کی دکھلائی گئی ہے، وہ حکم مسجد میں نہیں ہے، ہندہ کے مکان کا تعلق اور حق اس میں ہے۔

ہندہ کو اپنے حقوق کی حفاظت میں جس کا اس کو شرعاً اختیار ہے کچھ گناہ نہیں، نماز ان پتھروں پر درست ہے اگرچہ وہ داخل مسجد نہیں، کما مر عن الشامی

چوتھے جو لوگ بلا وجہ کسی مسلمان کی توہین اور اس کے حقوق زائل کرنے کے درپے ہوں، وہ گنہ گار ہیں۔ عن ابی ہریرۃ[1] قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ التقوی ھھنا ویشیر الی صدرہ ثلث مرار بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ شریف

واللہ اعلم کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی مفتی المدرسہ

بلا شک ہندہ کو شرعاً مجبور نہیں کیا جا سکتا، کہ وہ اپنے پرنالے اکھیڑ کر دوسری طرف بنا لے، کیوں کہ بنائے مسجد سے پیشتر وہ پرنالے جاری تھے، جس کا حق اس کو حاصل تھا۔ مگر ادب اور تعظیم مسجد اسی کی متقاضی ہے، کہ ہندہ بہ نیت ثواب آخرت دنیا کا خرچ قبول کرکے پرنالے دوسری طرف پھیر دے۔ عبد الحق مفسر تفسیر حقانی

سوال سائل صرف اس قدر ہے کہ اجرائے میزاب کا حق ہندہ کو ہے یا نہیں، اس کو جبراً اٹھانے کا کوئی مجاز رکھتا ہے یا نہیں ، ہندہ عاصی اور نافرمان ہو سکتی ہے پرنالہ کے قائم رکھنے میں یا نہیں ؟ سو جملہ علماء جن کی مواہیر ثبت ہیں اس فتوے پر تحریر فرما رہے ہیں کہ حق ہندہ کا ثابت ہے اس کو مجبور کرنا جائز نہیں، اور پرنالہ کے قائم رکھنے میں نہ عاصی ہے نہ گنہ گار، پھر اس کو مطعون کرنا اور اس کی توہین کرنا کیسے درست ہوگا۔ ہاں مسجد کی تعظیم ہر مسلمان پر لازم ہے، اگر بدبو آتی ہو تو اس کا رفع کرنا کسی تدبیر سے ضروری ہے۔ جس میں حق ہندہ بھی تلف نہ ہو اور تطہیر و تنظیف مسجد بھی باقی

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کر سکتا ہے نہ ذلیل کر سکتا ہے نہ حقیر سمجھ سکتا ہے۔ پرہیز گاری یہاں ہے آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا، آدمی کو یہی گناہ کافی ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل سمجھے، ہر مسلمان پر ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔۱۲

رہے، وہ دو صورت سے متصور ہے، یا بطور نل آہنی کے، یا دو میزاب کا ایک کھڑ دیا جائے، کس واسطے کہ احقر ...... اس موقع کو خود جا کر دیکھ آیا ہے، اس میں تولیت مسجد کا تو احتمال ہی نہیں، اگر ہے، تو بدبو کا ہے، اس کو رفع کرنا بحق مسجد جملہ مسلمین کو لازم ہے، اور چونکہ بحکم شرع شریف ہر ذی حق کو اسکا حق دلوانا چاہیئے، تو ہندہ کی حق تلفی کیوں کر جائز ہوگی، کافر کا بھی حق دلوانا شارع علیہ السلام کا کام ہے، پس بفتوے علماء کرام ہندہ پر جبر نہیں پہنچتا، ہاں ہندہ اگر برضامندی خود اپنا حق چھوڑ دے اور مسجد کی عظمت کا خیال کرکے پرنالہ کیا، بلکہ سارا مکان ہی اپنا قربان کردے مسجد پر تو عند اللہ ماجور و مثاب ہوگی، جنت میں درجات عالیہ کی مستحق ہوگی، مگر یہ بات دوسری ہے، اور حکم اور ہے۔ اس میں ہندہ کی کیا خصوصیت ہے، ہر مسلمان کو یہی چاہیئے کہ مسجد کی تنظیف و تطہیر میں کوشش کرے اور اس کی ترقی چاہے۔ مگر اس پر کسی کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا، ایسا ہی ہندہ متساوی الاقدام ہے۔ یہ تشریح ہے عبارات مسطورہ بالا کی جو علماء نے تحریر فرمائی ہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ کرامت اللہ عفا اللہ عنہ الجواب صحیح محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد عبد السلام غفر لہٗ سید محمد ابو الحسن

فتاوی نذیریہ ص ۲۰۰ ج ۱

سوال:۔ جس مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، بلکہ اس کی زمین خراجی ہے اور یہ زمین فی الحال ایک ہندو کے پاس گرو ہے، اور مرتہن نیلام کے لیے مستعد ہے، فقط مسلمانوں کے ڈر سے نیلام نہیں کرتا ہے۔ ایسی زمین میں مسجد درست ہے یا نہیں، اور مسجد کیسی زمین میں ہونی چاہیئے اور وقف کی کیا تعریف ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ زمین مذکورہ میں مسجد بنانا درست نہیں ہے، اس واسطے کہ جس زمین میں مسجد بنائی جاوے اس زمین کا وقف ہونا ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں زمین مذکور وقف نہیں ہے۔ اور وقف کی تعریف یہ ہے:۔ ھو حبس العین علی حکم ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ ولو فی الجملۃ یعنی حبس کرنا عین کو ملک واقف کے حکم پر اور صدقہ کرنا منفعت کا، اگرچہ فی الجملہ ہو، اور صاحبین کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے:۔ ھو حبسھا علی حکم ملک اللہ وصرف منفعتھا علی من احب ولو غنیا فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتوی کذا فی الدر المختار یعنی حبس کرنا عین اللہ کے ملک کے حکم پر، اور صرف کرنا اس منفعت کا جس پر چاہے، اگرچہ وہ غنی ہو، پھر جب

واقف کی ملک سے خارج ہوا، تو وقف لازم ہوگیا، تو واقف کو اس کا باطل کردینا جائز نہیں اور اس کا وارث اس کو وراثت میں نہیں پاوے گا۔ اور صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے، کذافی غایۃ الاوطار والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ ص ۲۱۴ جلد اوّل

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زمین مرہونہ مرتہن سے زبردستی کرکے مسجد میں شامل کرلی اصل مالک زمین مذکور کا موجود نہیں ہے، اب وہ زمین از روئے شرع شریف شامل مسجد ہوسکتی ہے یا نہیں، جواب اس کا قرآن وحدیث سے عطا فرماویں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ وہ زمین شرعاً شامل مسجد نہیں ہوسکتی، اور اگر شامل کی جاوے گی، تو وہ زمین مسجد کے حکم میں ہرگز نہیں ہوگی، حدیث شریف میں آیا ہے ان الله طیب لا یقبل الا طیبا رواہ مسلم شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ چوں حق تعالیٰ پاک است و رزق حلال را بسبب پاک بودن وازچرک حرمت ہچوں بجناب قدس او نسبتی است قابل آن است کہ بوئے تقرب بجناب عزت او توان کرد وحرم کہ ضد اوست قابل آن نہ بود، انتہیٰ حررہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ۔ سید نذیر حسین

ھوالموفق:۔ کسی زمین کا مسجد ہونا یا مسجد میں شامل ہونا موقوف ہے، اس کے وقف ہونے پر اور اس کا وقف ہونا موقوف ہے۔ ملک پر چونکہ صورت مسئولہ میں زید نے جو زمین مرہونہ مرتہن سے زبردستی کرکے مسجد میں شامل کرلی ہے وہ وقف نہیں ہے کیونکہ اس کا مالک زید نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مالک دوسرا شخص ہے جو موجود نہیں، بناءً علیہ وہ زمین منصوبہ شامل مسجد نہیں ہوسکتی والله اعلم محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا الله عنہ

فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص ۲۱۵

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نے اپنے مکان زنانہ کے گوشہ میں ایک مسجد تعمیر کروائی، اس غرض ونیت سے، کہ صرف اس مکان کی عورتیں اس مسجد میں نماز پڑھیں، اور بوجہ پردہ کے اذان واقامت ہو نہیں سکتی ہے پس ایسی صورت میں اس پر مسجد کا حکم ہوگا یا نہیں اور بلا اذن مالک مکان کے غیر عورتوں کو اس مسجد میں جاکر نماز پڑھنے کا حق ہے یا نہیں، اور اگر اس مسجد میں اذان واقامت نہ ہو تو بانی مسجد گنہ گار ہوگا یا نہیں، اور اس بستی میں ایک مسجد عام ہے، کہ جس کی اذان کی آواز بخوبی اس مسجد میں بھی آتی ہے، تو وہی اذان اس مسجد کے واسطے کافی ہوگی یا نہیں، اور زمین اس مسجد زنانہ کی موقوفہ ہوجاوے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ھوالملھم للصواب: صورت مسئولہ میں جو مسجد گوشہ مکان زنانہ میں تعمیر کی گئی ہے اس پر حکم

اطلاق مسجد کا ہو سکتا ہے، گو اس میں اذان نہ ہو، اور نہ بانی مسجد آثم ہوگا اور نہ زمین اس کی موقوفہ ہوگی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے ان عتبان[1] بن مالک وھو من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممن شھد بدرا من الانصار انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی الذی بینی و بینھم لم استطع ان آتی مسجدھم فاصلی بھم وودت یا رسول اللہ انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سافعل ان شاء اللہ تعالی قال عتبان فغدا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکرؓ حین ارتفع النھار فاستاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی فی بیتک قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم۔

وفی العالمگیریۃ من بنی مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرز عن ملکہ بطریقہ ویاذن بالصلوۃ فیہ وایضا فیھا۔ سئل ابوبکر الاسکاف عمن بنی مسجدا علی باب دارہ ووقف ارضا علی عمارتہ فمات ھو وخرب المسجد واستفتی ورثتہ فی بیعھا فافتوا بالبیع۔ وایضا فیھا ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ فان صلین بجماعۃ یصلین بغیر اذان واقامۃ وان صلین جازت بھا صلوتھن بھا مع الاساءۃ ھکذا فی الخلاصۃ نیز یہ کہ غیر عورتیں بلا اذن اس میں جا کر نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیریہ ص۲۱۸ جلد اوّل

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عتبان بن مالک بدری نے آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہ میری نظر کمزور ہے اور میں قوم کا امام ہوں۔ جب بارشیں ہوتی ہیں اور نالے بہنے لگتے ہیں تو میں مسجد میں آ کر ان کو نماز پڑھا نہیں سکتا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، میں اس جگہ کو مسجد بنا لونگا تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ میں آؤنگا، پھر آپ اور ابوبکرؓ دن چڑھے تشریف لائے آپ جا نے کر گھر میں داخل ہوئے تو آپ بیٹھے نہیں اور فرمایا کہ تو کہاں چاہتا ہے کہ میں تیرے گھر میں نماز پڑھوں، میں نے مکان کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کیا، آپ نے کھڑے ہو کر وہاں تکبیر کہی اور ہم نے آپکے پیچھے صف بنائی، آپنے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر سلام پھیرا۔

[2] اگر کوئی مسجد بنائے تو جب تک اس کو اپنی ملکیت سے خارج نہ کرے اور نماز کی عام اجازت نہ دے وہ اسکی ملکیت میں رہیگی۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے دروازے پر مسجد بنائے اور اس زمین کو اپنی عمارت پر وقف کر دے اور مر جائے اور مسجد ویران ہو جائے تو اس کے وارث اس زمین کو بیچ سکتے ہیں۔ عورتوں کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہے اگر وہ جماعت سے نماز پڑھیں تو بغیر اذان اور اقامت کے پڑھیں گی۔ اور اگر وہ نماز پڑھ لیں، تو ان کی نماز کراہت سے ہو جائے گی۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم ملازمان دفتر نے احاطہ دفتر میں ایک چھپر کھپریل پوش ڈال کر مسجد بنا رکھی ہے اور یہ مسجد ساگر پیشہ کے پس پشت ایک گوشہ میں واقع ہے اور نماز ظہر وعصر وہاں ادا کرتے ہیں۔ اجازت لینے میں احتمال ہے کہ مسجد اٹھا دی جاوے، سر دست اسی کو غنیمت جان کر نماز پڑھ لیا کرتے ہیں۔ اور نماز جمعہ دفتر سے کچھ دور کچہری کی مسجد میں ہوتی ہے وہاں ہم لوگ نوکری کی پابندی کی وجہ سے جا نہیں سکتے، اس صورت میں اور ایسی مسجد میں نماز جمعہ بھی درست ہے یا نہیں اور یہ مسجد جو کہ بغیر حکم حکام بالا بنائی گئی ہے مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں، اس کے حکم سے یعنی جواب سے آگہی بخشی جاوے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے گا۔ فقط

الجواب:۔ درصورتے کہ اجازت طلب کرنے میں یہ احتمال ہے کہ مالک زمین مسجد کو اٹھوا دوے، تو معلوم ہوا کہ مالک زمین اس مقام پر مسجد کا ہونا روا نہیں رکھتا، پس ایسی حالت میں وہ مسجد حکم مسجد میں نہیں ہے بلکہ ایک عام عمارت کے حکم میں ہے۔ اس واسطے کہ کوئی زمین وعمارت حکم مسجد میں نہیں ہو سکتی، تا وقتیکہ مالک کی طرف سے بصراحت اقامت اذان وجماعت کا اذن حاصل نہ ہو جاوے، یا آنکہ وہ بصراحت یہ نہ کہہ دے کہ میں نے یہ عمارت یا یہ زمین ہمیشہ مسجد ہونے کو دے دی ھٰذا امر لم یختلف فیہ فکیف اذا اتخذ اقوم ارض غیرھم مسجدا و تصرفوا فیہ ما شاءوا علی غیر علم المالک بناءً علیہ کہا جاتا ہے کہ یہ بقعہ جس کو سائلین نے مسجد تصور کیا ہے، اس میں کوئی نماز بغیر کراہت نہیں ہوتی، تا وقتیکہ مالک سے صریح اجازت حاصل نہ کر لیں، اس لئے کہ یہ زمین ایسے وغدغہ کی حالت میں شبیہ الغصب کے حکم میں ہے۔ واللہ اعلم محمد قمر الدین

چونکہ یہ مسجد بلا حکم صاحب زمین کے بنائی گئی ہے لہٰذا حکم مسجد کا نہیں رکھتی اور اس میں نماز کا وہ ثواب نہیں ہوتا، جو مسجد میں ہوتا ہے اور جمعہ بھی اس میں جائز نہیں ہے فقط الراقم محمد سدید الدین قریشی اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا

الجواب وہو الموفق للصواب:۔ زمین مسئولہ عنہا حکم مسجد کسی نہج سے نہیں ہو سکتی، لیکن اس میں

ا یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، پھر اندازہ کرو اگر کوئی قوم کسی زمین کو مسجد بنا لے یا مالک کے علم کے بغیر اس میں اپنی مرضی سے جس طرح چاہے تصرف کرے، تو اس کا کیا حال ہوگا۔ ۱۲

نماز ادا کرنا باجازت ضمنی حاکم وقت جائز ہے، اس لئے کہ انگریزی قانون واشتہار میں صاف طور پر لکھا ہے، کہ کسی عبادت کو نہ روکا جائے اور جس قدر معابد ہیں، سب سرکاری زمین میں واقع ہیں گو نسبت اضافی زید و محمود کیطرف عاید ہو، اس نسبت اضافی ہی کیوجہ سے معابد غیرہ بطور ظروف وقف کے وقف ہوجاتے ہیں۔ اور چونکہ زمین مسئولہ عنہا میں نسبت اضافی اور ظروف وقف کا تحقق نہیں ہے۔ اسلئے مسجد نہ قرار دیجائے گی، مگر اسمیں نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر اس اجازت ضمنی سے قطع نظر کی جاوے، توبھی یہ زمین فنار مصر اور جنگل میں واقع ہے اور جنگل میں نماز گزارنا بلا اجازت لینے کے کسی سے بالاتفاق فقہا بلا کراہت جائز ہے، کیوں کہ جنگل علی سبیل الخصوصیت کسی کے ملک میں نہیں ہوتا ہے کما قال صاحب الھدایۃ فی باب المعادن والرکازوان وجدہ فی الصحرا[1] فھو لہ لانہ لیس فی ید احد علی الخصوص ۱ نتھی اور جمعہ بھی اس زمین میں جیسا ہندوستان میں ہوتا ہے جائز ہے کیونکہ زمین مبحوثہ فنار مصر میں واقع ہے۔ وکما یجوز اداء الجمعۃ فی المصر یجوز اداءھا فی فناء المصر وھو الموضع المعد لمصالح[2] المصر متصلا بالمصر انتھی ما فی العالمگیری حررہ واجابہ احمد حسن عفی عنہ

الجواب صحیح شہاب الدین۔ اصاب فیما اجاب واللہ الموفق للصواب والیہ المرجع والمآب عبد الغفور عفی عنہ مدرس مدرسہ درگاہ۔ الجواب صحیح غلام یحییٰ سید محمد نذیر حسین

جناب میاں صاحب مدظلہم کو بعد سنانے دو جوابوں کے دوسرے جواب پر ان کی مہر ثبت کی گئی۔

الجواب الثانی صحیح سید ابو الحسن۔ الجواب الثانی صحیح سید محمد عبد السلام ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

فتاویٰ نذیریہ صد ۲۱۲ جلد اوّل

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جمعدار فوج نے خاص اپنے روپے سے مسجد تیار کرائی، آیا وہ مسجد شرعاً حکم مسجد کا رکھتی ہے یا نہ، اور اس مسجد میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس کو ثواب ملے گا یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر اس مسجد میں کوئی مانع شرعی نہ ہو، تو بے شک وہ مسجد شرعاً مسجد کا حکم رکھتی ہے،

---

[1] اگر اس (خزانہ) کو صحرا میں پائے، تو وہ اسی کا ہے، اس لئے کہ وہ جگہ کسی خاص آدمی کی نہیں ہے۔ ۱۲

[2] جس طرح شہر میں جمعہ جائز ہے، شہر کے صحن میں بھی جمعہ جائز ہے اور شہر کا صحن وہ گراؤنڈ وغیرہ ہوتی ہے، جو شہر سے متصل شہری ضرورتوں کے لئے تیار کی گئی ہو۔ ۱۲

اور اس میں مصلیوں کے نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا، موانعات شرعیہ یہ ہیں، کہ مالِ حرام سے یا زمین مغصوبہ میں بنائی گئی ہو، یا زمین مشترکہ میں بلا اجازت شریک ثانی بنائی گئی ہو، یا بقصد فخر و مباہاۃ و ریا کے بنائی گئی ہو، یا ضرر رسانی و ضد اور مخالفت مسجد ثانی کے بنائی گئی ہو، تو ایسی مسجد شرعاً حکم مسجد کا نہیں رکھتی، تفسیر مدارک میں ہے ،۔ کل مسجد بنی مباهاة او ریاء او سمعة او لغرض سوی ابتغاء وجه الله او بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار تفسیر کشاف میں ہے عن عطاء لما فتح الله الامصار علی ید عمر رضی الله عنه امر المسلمین ان یبنوا المساجد ولا یتخذوا فی المدینة مسجدین یضار احدهما صاحبه الخ تفسیر احمدی میں ہے فالعجب[1] من المشائخ المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیة مسجدا طلبا للاسم والرسم واستیلاء لشانهم واقتداء بآبائهم ولم یتأملوا مافی هذه الآیة والقصة من شناعة احوالهم واقعالهم انتهٰی پس اگر مسجد مذکور ان امور سے خالی ہو اور خالص لوجہ اللہ بنائی گئی ہو، تو بے شک وہ مسجد، مسجد کا حکم رکھتی ہے ، اور اس میں مصلیوں کے نماز پڑھنے سے اس کے بانی جمعدار مذکور کو ثواب ملے گا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب، حررہ عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید نذیر حسین — فتاوی نذیریہ صفحہ ۲۱۶ جلد اوّل

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے واسطے خریدی لیکن پہلے سے اس زمین میں دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا، مشتری اوپر کی منزل کو مسجد اور نیچے کی منزل کو کرایہ پر واسطے خرچ مسجد کے دینا چاہتا ہے، اس صورت میں یہ مسجد، مسجد کا حکم رکھے گی، اور کرایہ پر مکان دینا جائز ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ صورتِ مرقومہ بالا میں معلوم کرنا چاہیئے، کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی تعلیم کی رو سے صورت مسئول عنہا جائز و درست معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ مسجد، مسجد کا حکم رکھے گی، اور مکان مسجد کے مصالح کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہوگا، تاکہ مسجد کی درستی رہے اور ہمیشہ آباد رہے، اس کے

---

[1] ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ سے تعجب ہے، کہ وہ اپنے نام اور مشہوری اور برتری کے لئے آبائی رسم کے مطابق ہر گوشہ میں مسجد بنا لیتے ہیں، کیا وہ آیت پر غور نہیں کرتے اور منافقین کے حالات و افعال سے واقف نہیں ہوتے۔۱۲

اخراجات ضروریہ کے لئے آمدنی کی صورت نکالنا درست وجائز ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم مسجد نبوی کے آرام کے لئے مسجد نبوی میں یعنی نہ کنارے میں نہ ادھر نہ ادھر اندرون مسجد کے ایک حجرہ بنایا تھا، اور اس کا رہنا سہنا وہاں ہی ہوتا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری صفحہ ۶۳ میں موجود ہے اور نیز صحیح بخاری صفحہ ۶۶ میں موجود ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں بعض لوگوں کے فائدے کے لئے خیمہ لگوادیا، وہ اس میں مدت تک رہے۔

غرضیکہ اندرون مسجد یا تحت مسجد یا بالائے مسجد میں کوئی مکان بنانا مصالح مسجد کے لئے درست و جائز ہے۔ وہ مکان مسجد کو مسجد کے حکم سے خارج نہ کرے گا۔ جیسا کہ یہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں اور یہ بھی حکم خدا اور رسول ہے کہ جہاں خاص حکم شرعی نہ ہو، وہاں عام حکم شرعی سے استدلال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کتب حدیث میں اور خاص کر بخاری کے صفحہ ۱۰۹۳ میں موجود ہے، سئل[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحمر فقال ما انزل اللہ علی فیھا الا ھذہ الآیۃ الجامعۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ الآیۃ اور اس پر امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یوں باب منعقد کیا ہے باب الاحکام التی تعرف بالدلائل الخ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کو ناجائز فرمانا تھا، ناجائز فرمایا اور جن کو جائز فرمانا تھا ان کو جائز فرمایا، اور جن حکموں سے خاموشی کی ہے تم مت کرید کرو، یعنی وہ معاف ہے جیسا کہ مشکوٰۃ صفحہ ۲۴ میں موجود ہے ابو ثعلبہ خشنی سے اور یہ اظہر من الشمس ہے، کہ اللہ اور رسول نے کہیں منع نہیں فرمایا، کہ اوپر مسجد اور نیچے مکان کرایہ مصالح مسجد کے لئے نہ بنانا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے ما[2] جعل علیکم فی الدین من حرج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے یسروا[3] ولا تعسروا الحدیث یعنی عالموں کو چاہیئے کہ جاں کہیں اللہ تعالیٰ اور رسول نے سختی نہیں فرمائی، تنگی نہ کریں، بلکہ آسانی کا فتویٰ دیں دلائیں، اب ہر

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ان کے لئے کوئی الگ حکم تو مجھ پر نازل نہیں بس یہ آیت جامع موجود ہے۔ جو ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کرے گا۔ اس کو دیکھ لے گا۔ ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ۱۲

[3] آسانی کرو اور تنگی نہ کرو ۱۲

شخص ذی فہم بتا سکتا ہے کہ اس مسجد کے جواز میں مشتری مذکور مکان کے لئے آسانی ہے یا تنگی، اور نیز احادیث صحیحہ میں اضاعت مال سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اب ہر شخص ذی شعور بتا سکتا ہے کہ مسجد مذکور فی السوال کے عدم جواز میں اضاعت مال ہے یا نہ۔

غرض کہ ان احادیث و آیات کے رو سے ثابت ہوتا ہے، کہ مسجد مذکور فی السوال مسجد ہی کے حکم میں ہے، اور نیچے کا مکان کرایہ پر دینا واسطے مصالح مسجد مذکور کے جائز و درست ہے، تفسیر کبیر میں تحت آیت فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ الآیۃ[1] کے لکھا ہے کہ عمومات کتاب اور سنت مقدم ہوتے ہیں عمومات قیاس پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔ حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الملتانی نزیل الدہلے تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اوائل شہر جمادی الاولیٰ من سنہ ۱۳۱۹ھ علی صاحبہا افضل صلوٰۃ وازکی تحیۃ اللہم ارزقنی علما نافعا والعمل بما تحب وترضی سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق:۔ صورت مسئولہ میں اگر مشتری نے نیچے کی منزل کو مصالح مسجد کے واسطے وقف کر دیا ہے اور اپنا کوئی تعلق باقی نہیں رکھا ہے تو بے شک وہ مسجد، مسجد کے حکم میں ہے اسواسطے کہ اس مسجد کے مسجد نہ ہونے کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور نیچے کی منزل کو واسطے خرچ مسجد کے کرایہ پر دینا بھی جائز ہے کیوں کہ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، فقہہ حنفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ایسی صورت میں مسجد، مسجد کے حکم میں رہے گی، درمختار میں ہے:۔ لو بنی بیتا فوقہ للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق[2] اور شامی میں ہے یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجدا فیما اذا لم یکن وقفا علی المصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال اذا کان السرداب اوالعلو المصالح المسجد او کا وقفا علیہ صار مسجدا[3] اونیز شامی میں ہے:۔ بقی لو جعل الوا قف

---

[1] تیرے رب کی قسم جب تک آپ کو حاکم نہیں بنائیں گے ان کو ایمان نصیب نہ ہوگا ۱۲

[2] اگر مسجد کے اوپر امام کی رہائش کے لئے مکان بنایا جائے، تو درست ہے، کیوں کہ یہ مسجد ہی کی آبادی ہے۔ ہاں اگر مسجد پوری ہو جائے، پھر اس پر مکان بنایا جائے، تو منع ہے اور اگر کہے کہ میری پہلے ہی سے یہ نیت تھی، تو اس کو سچا نہ سمجھا جائے گا۔ [3] اس دارومدار تو سبب ہے، اگر مسجد ہی کی مصلحت کے لئے اس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان بنایا جائے تو درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو جائز نہیں۔ ۱۲ [4] اگر وقف کرنے والا

تحتہ بیتا للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم ارہ صریحا نعم سیاتی متنا فی کتاب الوقف انہ لو جعل تحتہ سردابا المصالحہ جاز انتھی اور فقہ حنفی کے رو سے بھی نیچے کی منزل کو واسطے مصارف مسجد کے کرایہ پر دینے کا جواز مستفاد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ — فتاوی نذیریہ جلد اوّل صـ ۲۱۹

مسجد کی چھت کے نیچے دکانیں بنانا جائز ہے یا نہیں؟

مسجد کی چھت کے نیچے دکانیں بنانا نہ چاہیئے، حتی کہ خالص ہو جاوے مسجد تصرف عبد سے اور جو دکانیں بنا لیگا واسطے صرف مسجد کے اور وقف کر دے گا اور اوپر اوسکے مسجد بنا لیگا تو وہ مسجد حکم مسجد میں ہوگی، غایۃ ما فی الباب کچھ ثواب میں نقصان ہوگا۔ نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اور نزدیک صحابین کے، بہر حال وہ مسجد زیر دکانیں حکم مسجد میں ہوگی۔ اذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلۃ لمرمۃ المسجد او فوقہ لیس لہ ذلک کذا فی الخلاصۃ ھکذا فی فتاوی العالمگیریۃ وھکذا فی البرھان ان جعل تحتہ سردابا لمصالحہ ای المسجد جاز کمسجد بیت المقدس ولو جعل فوقہ بیتا وجعل باب المسجد الی طریق وعزلہ عن ملکہ لا یکون مسجدا ولہ بیعہ ویورث عنہ خلافا لھما کذا فی الدر المختار وغیرہ واضح ہو کہ سردابہ نیچی مسجد بیت المقدس کے صرف واسطے دلو ورسی و بوریا اور رکھنے پانیکے فقط بنایا گیا، نہ کرایہ کے واسطے اور احتیاط اور موجب ثواب جانب قول امام صاحب کے ہے۔ کما لا یخفی علی المتامل المنصف۔ سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیر قلمی

سوال: مسجد کی زمین وقف میں نیچے کے درجہ میں دوکانیں برائے کرایہ اور پاخانہ و غسل خانہ بنانا اور ان کے اوپر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور زمانہ خیر القرون میں جو مسجدیں تھیں ان میں غسلخانے و پاخانے

مسجد کے لئے کوئی بیت الخلا بنائے تو جائز ہے یا نہیں، اس کی صاف جزئی تو میں نے کہیں دیکھی نہیں، ہاں یہ تو ہے کہ اگر مسجد کے نیچے کوئی تہہ خانہ بنائے یا اس کے اوپر کوئی مکان مسجد کی مصلحت کے لئے بنائے تو جائز ہے۔ ۱۲

ہوتے تھے یا نہیں ؟ موجودہ زمانہ میں جو مسجد حرام بیت اللہ یا مسجد نبوی ہے ان میں غسلخانہ و پائخانہ خارج مسجد ہیں۔ بعض علماء اس کو منع کرتے ہیں کہ جو زمین مسجد کے لئے خریدی گئی اس میں دکانیں برائے کرایہ و پائخانہ و غسل خانہ نہ بنانا چاہیئے، بلکہ یہ چیزیں خارج مسجد ہونی چاہئیں۔ آیا ان مولوی صاحب کا یہ کہنا ٹھیک ہے یا نہیں اور مسجد کے نیچے کا درجہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں ؟ عبدالمالک کھنڈیلہ، جے پور

الجواب مسجد کے لئے خریدی ہوئی زمین میں اس کے مصالح کے لئے تہہ خانہ بنانا کہ اس میں مسجد کا سامان رکھا جائے یا مسجد کے نیچے دکانیں بنوا کر مسجد پر وقف کر دینا کہ ان کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات پورے ہوتے رہیں اور تہہ خانہ و دکانیں موقوفہ کے اوپر مسجد تعمیر کرانا جائز ہے، دونوں صورتوں میں مسجد کے نیچے کا یہ حصہ (تہہ خانہ و دکانیں) مسجد کے خارج لیکن مسجد پر وقف ہیں۔ اس لئے ایسا کرنے سے مسجد کی مسجدیت میں خلل نہیں واقع ہوگا، جس طرح مسجد کے لئے خریدی ہوئی کشادہ زمین میں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص و متعین بقعہ سے الگ لیکن مسجد کی موقوفہ زمین کے اندر کنواں، جائے وضو، پیشاب خانہ، غسل خانہ، مسجد کا سامان رکھنے کے لئے حجرہ بنا دیا جاتا ہے۔ اور اس سے مسجد کی مسجدیت میں کوئی خلل نہیں ہوتا اور اس کے جواز میں کسی کو شبہ نہیں ہوتا کیوں کہ یہ چیزیں مصالح مسجد سے ہیں اور دستور کے مطابق زمین خریدنے ہی کے وقت بانی مسجد کے ذہن میں یہ تمام ضروریات ہوتی ہیں۔

مسجد کا زیریں حصہ جس میں تہہ خانہ یا دوکانیں وغیرہ ہوں نہ مسجد ہے نہ فنا مسجد بلکہ مسجد سے خارج اور اس پر وقف ہے اور مسجد و فنا مسجد اور چیز ہے اور شئی خارج من المسجد لیکن موقوف علی المسجد دوسری چیز ہے۔ زمانہ خیر القرآن میں مساجد کے ساتھ غسلخانے اور دوکانیں ہوتی تھیں یا نہیں اس بارے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، جواز پر حسب ذیل واقعوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عین مسجد نبوی میں دو حبشی عورتوں کے خیمے نصب تھے ایک ان کا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھیں دوسرا ان کا جن .... پر کفر کی حالت میں کافروں نے ہار کے سرقہ کی جھوٹی تہمت لگائی تھی و نیز ایک غفاری عورت کا خیمہ بھی تھا، جو مریضوں کا علاج اور مجروحین کی مرہم پٹی کرتی تھیں، یہ خیمے اگرچہ ہمیشہ کے لئے نہ تھے ان عورتوں کی وفات کے بعد ہٹا لیے گئے ہوں گے، لیکن مسجد کے اندر ان کے فی الجملہ وجود سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان کے نصب و بقا سے مسجد کی مسجدیت میں خلل نہیں واقع ہوا۔

(مولانا) عبید اللہ رحمانی　شیخ الحدیث و مفتی مدرسہ　محدث جلد ۲ شمارہ ۶

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے نیچے دکانیں اس کے مصارف کے لیے بنوانا کیسا ہے، اور اس میں نماز کا کیا حکم ہے، کیونکہ مسجد کا خرچ بغیر آمد کے بعض جگہ چلنا دشوار ہے، اس مسئلہ کو مدلل کتب معتبرہ فقہ سے ارقام فرمادیں؛ بینوا توجروا۔

الجواب: درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر دکان بلا وقف اپنے منافع کے واسطے بنائی، تو وہ مسجد حکم میں مسجد کے نہیں ہے، کیوں کہ زیر و بالا اس کا خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے نہ ہوا، اور جو وقف کیا دکان زیر و بالا کو مصالح مسجد، اور خرچ مرمت مسجد کے واسطے تو وہ مسجد حکم مسجد شرعی میں ہوگی، کیوں کہ اس میں سے حق تصرف و منافع عباد کا بالکل زائل ہوگیا، اور وہ مسجد خالص واسطے اللہ تعالیٰ کے قرار پائی، ایسا ہی کتب معتبرہ فقہ سے واضح ہوتا ہے۔

قولہ ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب وھو بیت یتخذ تحت الارض لغرض تبرد الماء وغیرہ اوفوقہ بیتا لیس واحد امنھما للمسجد فلیس بمسجد ولہ بیعہ ویورث عنہ اذامات بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانہ یجوز اذ لا ملک فیہ لاحد بل ھو من تتمیم مصالح المسجد کسرداب مسجد بیت المقدس ھذا ھو ظاھر المذھب۔ ھذا خلاصۃ ما فی الھدایۃ وفتح القدیر وغیرھما واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۲

سوال: مسجد کے اوپر مسجد یعنی دو چھتی مسجد بنانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دو درجہ بنانا مسجد کا شرعاً جائز ہے یعنی مسجد کے اوپر دوسری مسجد بنانی شرعاً کوئی قباحت نہیں، بلادِ ہند و عرب میں ایسی مسجدیں بکثرت ہیں۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۱۹

سوال: مسجد کے جنوب میں مسجد کی ایک بڑی دوکان ہے، اس کو ایک چمار نے کرائے پر لے کر اس میں جوتوں کی فیکٹری لگا رکھی ہے، اس کے اوپر ایک تیسری منزل ہے اس میں وضو خانہ غسل خانہ اور مؤذن کا حجرہ ہے، اس کے اوپر ایک تیسری منزل ہے، اس پر ایک مکان بنا ہوا ہے اس میں امام صاحب مع بیوی بچوں کے رہتے ہیں، ایک شخص امام صاحب کے سر ہو رہا ہے کہ آپ بیوی بچوں کو اس میں نہ

رکھیں، اس جگہ گھرداری درست نہیں ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مسجد تھوڑی ہے کہ اس پر گھرداری منع ہو، لہٰذا آپ تحریر فرماویں کہ آپ صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں ؟ سائل صنیف احمد

الجواب: مسجد کی دوکان مسجد کے حکم سے خالی ہے جب چمار دوکان کے اندر جوتے بناتا ہے اور اس کے اوپر غسل خانے میں لوگ نجاست دھوتے ہیں، تو اس کے اوپر امام صاحب گھر بار رکھ سکتے ہیں، ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ محمد یونس مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحبؒ

الجحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۲۰

سوال: موضع کھنہ لیانہ ضلع شیخوپورہ میں گاؤں کے لوگوں نے مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کیا تھا، لیکن بعد میں مسجد کی تعمیر کے لئے جمع شدہ چندہ کی کچھ رقم تبلیغی جلسہ پر خرچ کر دی گئی، اور اس رقم میں سے مولوی صاحب کا خرچہ ادا کیا گیا۔

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ مسجد کی تعمیر کے لئے جمع کیا ہوا روپیہ کسی دوسرے کام پر خرچ نہیں کیا جا سکتا، جس کی وجہ سے گاؤں والوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

مہربانی فرما کر اس امر کی وضاحت کریں کہ کیا مسجد کی تعمیر کے لئے جمع شدہ رقم مولوی صاحبان کو دی جا سکتی ہے۔ اور مذکورہ بالا صورت میں خرچ کی ہوئی رقم جائز ہے یا نہیں؟

محمد اسمٰعیل و تاج دین موضع کھنہ لیانہ (شیخوپورہ)

الجواب بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد کی تعمیر اور تبلیغی اجلاس، یہ دونوں ہی کارِ خیر ہیں، ضرورت کے وقت مسجد کے فالتو روپیہ میں سے تبلیغی جلسہ پر بھی خرچ کرنا جائز ہے، اگر جلسہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہو تو پھر کوئی شبہ نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب (مولانا) محمد صدیق سرگودھا

تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۱ ش ۱۷

تشریح: تبلیغی جلسہ کے لئے چندہ الگ جمع کر لینا چاہیئے تاکہ ارکین مسجد کے درمیان اختلاف پیدا نہ ہو۔ الراقم علی محمد سعیدی

مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

سوال : ہندوؤں وعیسائیوں سے مسجد کے لئے چندہ لینا اور اس سے مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

خادم سنت پوری قلعہ شیخوپورہ

الجواب : کافر اور مشرک کے روپیہ سے مسجد بنانا ناجائز ہے ۔ ان کا روپیہ مسجد میں نہیں لگ سکتا ۔ قال اللہ تعالیٰ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ ۔ الآیۃ

اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۱

تعاقب اہلحدیث گزٹ ۱۰ رجب المرجب سنہ رواں کے پرچہ میں بجواب سوال ۱۷۱ ہندوؤں اور عیسائیوں سے مسجدہ کے لئے چندہ وغیرہ نے کران کا روپیہ مسجد پر لگانے کو ناجائز قرار دیا ہے ، اس کے متعلق گذارش ہے کہ مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا مولوی عبد الجبار صاحب مرحوم غزنوی کے صـ۱۶۱ میں ہے ۔ "جو مسجد کہ بنا کردہ کافروں کی ہیں ، جو راجاؤں نے اپنی رعایا کے لئے بنوائی ہیں اور علماء عوام الناس سب ان مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں ۔ بیت اللہ شریف اگرچہ بنا کردہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا ، مگر کئی بار گر گیا تھا ، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کافروں نے بنوایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز پڑھتے تھے "، انہیں دلائل کے ساتھ اخبار اہلحدیث امرتسر میں یہ مضمون کئی بار چھپ چکا ہے ۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار وغیرہ کا روپیہ مساجد پر لگانا جائز ہے ، اگر ناجائز ہوتا تو حضور علیہ السلام وصحابہ کرام وائمہ عظام بیت اللہ شریف میں نمازیں نہ پڑھتے ، اور وہ مسجد ، مسجد کا حکم نہ رکھتی ، اگر ان کی تعمیر ناجائز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم از سر نو تعمیر بیت اللہ شریف ارشاد فرماتے جیسا کہ حدیث مائی عائشہ رضؓ میں فرمایا ہے کہ اگر تیری قوم نئے عہد والی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ شریف کے دو دروازے اور حطیم کو بیت اللہ میں شامل کر دیتا ، لہٰذا فریق ثانی کے دلائل مذکورہ بالا کے جوابات سے مستفیض فرمادیں ۔ سائل علی محمد سعیدی مکھو ڈاک خانہ خاص ضلع فیروز پور

مفتی : قرآن مجید میں ارشاد ہے ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر (سورہ توبہ) یعنی مشرکوں کو حق نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کریں ، جب تک کہ وہ اپنے شرک پر جمے ہوئے ہیں ۔ اس آیت سے ہمارا مدعا ثابت ہے کہ کسی کافر کا روپیہ مسجد میں نہیں لگایا جا سکتا ، کتب تفاسیر میں اس مسئلہ کو اچھی طرح محقق کیا گیا ہے ۔ باقی رہا یہ عذر کہ خانہ کعبہ کو کفار مکہ نے زمانہ جاہلیت میں اپنے مال سے بنایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز و طواف ادا فرماتے رہے ، اس

کا جواب یہ ہے کہ تعمیر مذکور قبل زمانہ نبوت تھی، اس وقت کوئی بھی احکام الہٰی موجود نہ تھے۔ آیت مذکورہ کے نزول سے قبل کا واقعہ ہے، اس وقت تک یہ ممانعت وارد نہ ہوئی تھی، اس لئے آپ نے ان کی بنا کو قائم رکھا، ایسے بہت سے واقعات آپکو ملیں گے کہ اسلام میں منع ہے مگر چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہو چکے تھے اس لئے اسلام میں ان کو برقرار رکھا گیا، جیسے کفر کے زمانہ کے نکاح بیع وسرا علماء محققین کل متفق ہیں۔ کہ کافر کا مال مسجد میں نہیں لگ سکتا۔ حضرت مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اپنے فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں۔ جس مسجد کو کافر بنا دئے وہ مسجد نہیں ہو سکتی الخ فتاوی نذیریہ جلد اول

واللہ اعلم محمد یونس مدرس مدرسہ میاں صاحب دہلی اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۵

سوال: کیا مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا روپیہ لگانا جائز ہے؟ سائل محمد صلاح الدین کلکتہ

الجواب: اگر غیر مسلم حلال اور پاکیزہ کمائی سے مسجد کی تعمیر میں امداد کرے تو اس کے حلال پیسے کا مسجد میں لگانا درست ہے چونکہ یہ تعاون علی البر والتقویٰ ہے اور مشرکین مکہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر اپنے حلال پیسے سے کی تھی، جس کا نمونہ اب تک موجود ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اس کو منہدم نہیں کرایا، بلکہ اس کو باقی رکھا، گو تعمیر کا حق مسلمان ہی کو ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ما کان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد اللہ شٰھدین علی انفسھم بالکفر اولٰئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خٰلدون۔ تعمیر اور تعاون کرنے پر مشرک کو ثواب نہیں ملے گا، کیوں کہ ایمان نہیں ہے اور بغیر ایمان کے کوئی خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہے، حافظ عینی، عمدۃ القاری شرح بخاری جلد سوم ص ۳ سے ۷ میں اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: ان التعاون فی بناء المسجد المعتبر الذی فیہ الاجر انما کان للمومنین ولم یکن ذالک للکافرین (الی آخرہ) یعنی مسجدوں کی تعمیر میں تعاون کرنے پر اجر صرف مومنوں کو ملتا ہے، کافروں کو نہیں ملتا اگرچہ وہ ایسی مسجد بنائیں جس میں عبادت باطلہ کی جائے، چنانچہ حضرت عباس کو جنگ بدر کے موقعہ پر گرفتار کیا گیا اور انہیں کفر پر عار دلائی گئی اور حضرت علیؓ نے ان پر سختی بھی کی، تو حضرت عباس نے سرخروئی کے طور پر کہا کہ ہم لوگوں نے بیت اللہ کو بنایا ہے دیکھو کیوں ہم پر سختی کرتے ہو) اس پر اللہ تعالےٰ نے مذکورہ بالا آیت اتاری کہ یہ مشرکین کو مسجد تعمیر کا حق نہیں پہنچتا اور جن لوگوں نے کفر کی حالت میں مسجد کی تعمیر کی حصہ لیا ہے ان کا یہ عمل رائیگاں گیا، پھر مسلمانوں کے حق میں یہ آیت اتاری انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ الآیۃ یعنی قابل اعتبار وہ مسجد ہے جس کو ایمان والوں نے بنایا ہے۔ اور جو غیر مسلم بنائیں وہ کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہے۔ (انتہیٰ کلام عمدۃ القاری)

(مولانا عبد السلام بستوی) ترجمان دہلی جلد ۶ ش ۱۲

سوال: کیا ہم اہل اسلام اہل ہنود کے کسی ایک مذہبی امور میں ان کی امداد کے لئے کچھ چندہ وغیرہ دے سکتے ہیں، یہاں ایک قریہ میں اہل ہنود بہ تعداد کثرت آباد ہیں اور وہ مندر کی تعمیر کے تحت میں مسلمانوں سے بھی چندہ طلب کرتے ہیں تو کیا ازروئے شریعت چندہ دینا جائز ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اہل ہنود کی کثرت کی وجہ سے آئندہ ناجائز سلوک کا خطرہ ہو۔ عبدالحمید از بنگلور شہر

الجواب: ہندوؤں کے مذہبی امور عموماً شرکیہ و کفریہ ہوتے ہیں پس ان کے کسی مذہبی امور میں چندہ وغیرہ سے امداد کرنا جائز نہیں ہے، مندر کی تعمیر میں چندہ سے امداد کرنا تو شرک و کفر اور بت پرستی کی صراحۃً اعانت و حمایت ہے جو قطعاً حرام ہے، ارشاد ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (قرآن کریم) اکثریت کی طرف سے آئندہ موہومی ناجائز سلوک کے اندیشہ اور خطرہ کی بنا پر شریعت نے شرک و بت پرستی معصیت اور اثم و عدوان کی اعانت و حمایت کی اجازت نہیں دی ہے، ایمان عزیز ہے اور آپ مومن کامل ہیں تو ان موہومی خطرات کو خاطر میں نہ لائیے۔ الا ان حزب اللہ ہم الغالبون۔

عبیداللہ رحمانی محدث دہلوی جلد ۸ ش ۲

مالِ حرام سے مسجد کی تعمیر کرنا

تعمیر مسجد مع خرید زمین اس کے مالِ حرام سے خواہ مال کسبی سے ہو یا مال مغنی و مغنیہ و رشوت وغیرہ سے ہو جائز نہیں ہے کیوں کہ مال حرام اشخاص مذکورین کا حکم مالِ مغصوب میں ہے اور زمین تعمیر مسجد کی موجب ثواب کا نہ ہوگا، بلکہ نماز ایسی مسجد میں مکروہ ہے نزد ائمہ ثلثہ کے اور نزدیک امام احمدؒ کے نماز زمین مغصوب میں جائز ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت و شرح مولانا عبدالعلی بحر العلوم وغیرہ میں مذکور ہے اور جو مسجد مالِ حلال سے پہلے تیار ہوئی ہو اور بعدہٗ مال حرام سے حاجت مرمت کی پڑی اور مالِ حرام سے مرمت ہوئی تو مال حرام کا مسجد میں لگانا ممنوع ہے اور نماز اس میں مکروہ نہیں کیوں کہ اراضی مسجد مال حرام سے نہیں خرید ہوئی۔ وکسب المغنیۃ وغیرہ فی حکم المال المغصوب کذا فی النہایۃ وغیرہ من کتب الفقہ۔

سید نذیر حسین فتاوی نذیریہ قلمی

سوال : صدقہ فطر اور قربانی کے چمڑے یا زکوٰۃ کا مال مسجد پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں، مثلاً لیپنا تھوپنا، اس میں روشنی کرنا یا اطراف مسجد کی دیواروں کی مرمت کرنا وغیرہ۔

الجواب : چرم قربانی کی قیمت اور صدقہ فطر مسجد کی تعمیر یا اس کی اصلاح و مرمت میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، چرم قربانی کا مصرف فقراء و مساکین ہیں (بخاری وغیرہ) البتہ قربانی کرنے والا چمڑے سے بغیر فروخت کیے ہوئے فائدہ اٹھا سکتا ہے، صدقہ فطر اور زکوٰۃ کے مصارف ایک ہیں، جو قرآن کریم کی آیت ۶۱ سورہ ۹ میں بالتفصیل مذکور ہیں، اور مسجد زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے نہیں ہے۔

عبید اللہ رحمانی دہلوی — محدث دہلی جلد ۸ ش ۱۲

سوال : سود پر قرضہ لے کر مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہیں اور اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں اور وہ مسجد، مسجد تصور کی جاوے یا نہ ایسا مال لگانے والے کو ثواب ہے یا نہیں ایسا قرضہ اتارنے کو چندہ دینا ثواب ہے یا نہ، مسجد کے واسطے چندہ کرنا جائز ہے یا نہ، ایسی مسجد گرا دینی کیسی ہے؟

الجواب : نماز ایسی مسجد میں بعض علماء کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے مگر یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ مسجد مذکور مسجد کا حکم نہیں رکھتی اور نہ ایسی مسجد میں مال لگانے والے یا چندہ دینے والے کو ثواب ہے، مسجد کے واسطے عند الضرورت سوال کرنا جائز ہے مگر مسجد مذکور کے لئے درست نہیں کیوں کہ وہ مسجد ہی نہیں ایسی مسجد کو اس نیت سے کہ مال حلال سے بنائی جاوے مسمار کرنا جائز ہے۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی عنہما۔ — فتاویٰ غزنویہ ص ۱۹

سوال : اگر کوئی شخص شرعی طور پر قرض لیوے اور اس سے مسجد بناوے پھر رشوت وغیرہ ناجائز ذریعہ سے مال حاصل کرے، اور اس مال سے اس قرض کو ادا کرے تو ایسی مسجد بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب ایسی مسجد بنانا درست ہے شرعاً اس کے بارہ میں مسجد کا حکم ہوگا، ایسی مسجد بنانے میں ثواب کی امید ہے، اس واسطے کہ قرض کے مال سے وہ شخص اس مسجد کو بناوے گا اگرچہ اس قرض کو خبیث مال سے ادا کرے، لیکن جب وہ شخص قرض ادا کرے گا، اس وقت اس مال کے خبث کا اثر پہلے مال میں نہ ہوگا، جو قرض لیا گیا تھا واللہ اعلم

فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۲۱

مسجد کا کچھ حصہ یا ساری مسجد حرام مال سے بنائی جائے تو وہ مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں

سوال:۔ چہ میفرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسجدی از قدیم الایام منہدم گردد۔ فقط زمین آں ماندہ بود پس بر زمین موصوفہ زنے فاحشہ زانیہ از مال مہر البغی خود مسجدی بایں حیلہ تیار کناند کہ روپیہ از مسلمان یا از ہندو بلغیر سود قرض گیرد من بعد قرض مذکور را از روپیہ حرام خود ادا کند۔ آیا جائز است یا نہ و در چنیں مسجد تیار شدہ نماز گذاردن بلا کراہت تحریمی جائز خواہد شد و ثواب ادائے پنجگانہ نفل و مساوی ثواب دیگر مساجد کہ از اموال طیبہ تیار شدہ اند خواہد شد و بناء کنندہ را ثواب اخروی مرتب شد نیست یا نہ و چنیں مسجد بناء نمودہ زن مذکورہ منہدم ساختہ عوض آں بناء از مال طیب و حلال نمودہ شود یا نہ؟

جواب:۔ اگر جزو لباس نجس باشد یا کل لباس باشد نماز در آں غیر صحیح است ہمچنیں مسجد اگر جزو آں یا جزو حرام باشد یا کل آں از حرام حکم مسجد ندارد۔ اخرج احمد عن ابن عمر من اشتری ثوبا بعشرۃ دراہم وفیہ درہم حرام لم یقبل اللہ لہ صلوۃ مادام علیہ ثم ادخل اصبعیہ فی اذنیہ۔ وقال صمتا ان لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقولہ۔ و بانی آں مسجد را ثواب نیست در حدیث متفق علیہ وارد است ان اللہ طیب لایقبل الا طیبا و چونکہ آں مسجد حکم مسجد ندارد پس نماز در آں مساوی نماز در مساجد طیبہ چگونہ خواہد شد و انہدام مسجد ثم تعمیرہ بالمال الحلال مصداق جاء الحق وزھق الباطل خواہد شد و حیلہ برائے تحلیل حرام موجب غضب الہیٰ ست کما غضب علی اصحاب السبت فجعلہم قردۃ فتوی شاہ عبد العزیز دہلوی و مولوی عبد الحی لکھنوی کہ دریں باب است محمول براں است کہ آں قرض حیلہ برائے فائدہ گرفتن از مال حرام نباشد بلکہ بسبب عدم موجودگی مبالغ از کسے قرض گرفتہ اتفاقاً ادا آں از مال حرام افتاد نہ آنکہ بہ نیت استنفاد از مال حرام حیلہ نماید۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبد الجبار غزنوی عفی عنہ۔ فتاویٰ غزنویہ ص ۲۲۸

ترجمہ: سوال :۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک مسجد بہت مدت سے گری ہوئی ہے صرف سفید زمین باقی تھی تو اس جگہ ایک فاحشہ زانیہ عورت زنا کے مال سے اس حیلہ کے ساتھ مسجد تیار کراتی ہے کہ روپیہ کسی مسلمان یا ہندو سے بغیر سود کے قرض لیوے بعد ازاں قرض مذکور کو اپنے حرام کے روپیہ سے ادا کرے کیا یہ جائز ہے یا نہ اور ایسی مسجد تیار شدہ میں نماز گزارنی بلا کراہت تحریمی جائز ہوگی یا نہ اور اس مسجد میں پانچوں نمازوں کے ادا کرنیکا ثواب دوسری مسجدوں میں جو پاک اور حلال مال سے بنائی گئی ہیں ادا کرنے کے برابر ہوگا یا نہ اور بنانے والیکو ثواب آخرت مرتب ہوگا یا نہ اور ایسی مسجد کو جو عورت مذکورہ نے بنائی ہے گرا کر اس کے بدلہ میں پاک و حلال مال سے اس جگہ میں مسجد بنائی جاوے یا نہ ۱۲ جواب:۔ اگر لباس کا کچھ حصہ یا سارا لباس ناپاک ہو تو اس میں نماز جائز نہیں اسی طرح اگر مسجد کا کچھ حصہ یا ساری مسجد حرام مال سے بنائی ہو تو وہ حکم مسجد کا نہیں رکھتی امام احمدؒ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جس نے دس درہم کو کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم حرام کا ہے اور جب تک وہ کپڑا اس پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کریگا پھر عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنے کانوں میں انگلیوں کو داخل کر کے کہا کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تو خدا کرے یہ دونوں کان بہرے ہو جاویں اور اس مسجد کے بنانے والے کو کچھ ثواب نہیں بخاری مسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ اللہ پاک ہی قبول نہیں کرتا مگر پاک کو اور چونکہ وہ مسجد حکم مسجد کا نہیں رکھتی تو اس میں نماز پڑھنا دوسری پاک مسجدوں میں نماز پڑھنے کے برابر کیونکر ہوگا اور اس مسجد کو گرا کر حلال مال سے اسکی تعمیر کرانا مصداق جاء الحق وزھق الباطل (ترجمہ حق آیا اور باطل گیا) کا ہوگا اور حیلہ سازی سے حرام کو حلال کرنا موجب غضب الہیٰ کا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا اصحاب السبت پر غضب نازل ہوا تو انکو بندر بنا دیا اور جو شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اور مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی کا اس بارہ میں فتویٰ ہے وہ اس پر محمول ہے کہ وہ قرض مال حرام سے فائدہ اٹھانے کیواسطے حیلہ نہ ہو بلکہ بوجہ نہ موجود ہونے مبلغات کے کسی سے قرض لیا ہو اتفاقاً وہ قرض مال حرام سے ادا کرنا۔ [illegible] فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد پُرانی اور بہت ہی تنگ ہے۔ اور اس کے اندر ایک قبر ہے۔ اب بانی مسجد اس مسجد کو گرا کر اسی جگہ نئی مسجد بنانی چاہتا ہے تو اب اگر اس قبر کو گرا کر اس کی زمین مسجد میں داخل کر دے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بحکم روایات ذیل اگر عند الضرورت کسی قبر عتیق کو منہدم و بے نشان کر کے مسجد میں داخل کرے ممانعت شرعیہ معلوم نہیں ہوتی، تفسیر خازن میں ہے۔ قال عبد الرحمٰن بن شبابۃ بین الرکن والمقام و زمزم قبر تسعۃ و تسعین نبیا و ان قبر ھود و صالح و شعیب و اسماعیل علیھم الصلوٰۃ والسلام فی تلک البقعۃ[1] ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں و ذکر غیرہ ان قبر اسماعیل علیہ السلام فی الحجر تحت المیزاب و ان فی الحطیم بین الحجر الاسود و زمزم قبر سبعین نبیا[2]۔ اس سے ثابت ہوا کہ بے نشان و نامعلوم قبر کا مسجد میں ہونا شرعاً ممنوع نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی عنہما فتاویٰ غزنویہ صد ۱۶

سوال: زن فاحشہ مسجدے را تیار نمود و بعد از ان احدے از مسلمانان آن مسجد را از ان زنِ فاحشہ بمال حلال خرید و وقف نمود نماز دران مسجد جائز یا نہ و حکم مسجد دارد یا نہ۔ بینوا توجروا۔[3]

الجواب: بحکم حدیث شریف ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا و حدیث و مطعمہ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام غذی بالحرام فانی یستجاب لہ اخرجہما مسلم و حدیث ابن عمر من اشتری ثوبا بعشرۃ درا ھم

---

[1] عبد الرحمٰن بن شبابہ نے کہا کہ چاہِ زمزم اور مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں اور ہود اور صالح اور شعیب اور اسماعیل علیہ السلام کی بھی اسی میدان میں قبریں ہیں۔

[2] اور بعض علماء نے کہا کہ اسماعیلؑ کی قبر حجر میں پرنالے کے نیچے ہے اور حطیم کے اندر حجرِ اسود اور زمزم کے درمیان ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔

[3] ایک فاحشہ عورت نے مسجد بنائی بعد ازاں کسی مسلمان نے اس مسجد کو حلال مسجد سے خرید کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا تو اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہ، اور وہ مسجد حکم مسجد کا رکھتی ہے۔ یا نہ؟ ۱۲ لے بموجب حکم حدیث شریف کہ تحقیق اللہ پاک ہے نہیں قبول کرتا مگر پاک کو اور دوسری حدیث کہ کھانا اس کا حرام ہے اور پینا اس کا حرام ہے اور لباس اس کا حرام ہے اور پالا گیا ہے حرام سے پس کیوں کر قبول کی جاوے دعا اس کی یہ دونوں حدیثیں مسلم میں ہیں۔ اور بموجب حدیث عبد اللہ بن عمر کے جس نے خریدا

وفیہ درھم حرام لم یقبل اللہ تعالیٰ لہ صلوٰۃ ما دام علیہ ثم ادخل اصبعیہ فی اذنیہ وقال صمتا ان لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقولہ اخرجہ احمد وحدیث ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ رجل مسبل ازارہ اخرجہ ابوداود نماز در مسجد بغیہ جائز نیست کہ مال خبیث و حرام است ولباس حرام موجب عدم قبول نماز است ودر اختیارات ابن تیمیہؒ نوشتہ ولا تصح الصلوٰۃ فی الثوب المغصوب والحریر والمکان المغصوب ھذا اذا کانت الصلوٰۃ فرضا وھو اصح الروایتین عن احمد وان کان نفلا فقال الآمدی لا تصح روایۃ واحدۃ واگر کسی آن مسجد را بمال حلال خرید نماید بحکم آیۃ کریمہ ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب حرمتش رفع نخواہد شد واز حدیث قاتل اللہ الیھود ان اللہ لما حرم علیھم شحوم المیتۃ اجملوہ ثم باعوہ فاکلوا ثمنہ ثابت شد کہ حرمت اشیاء محرمہ بہ بیع وفروخت مرتفع نمیگردد پس حکم مسجد مذکور ہمان ست کہ من قبل بود اما امام ابو حنیفہؒ پس نزد ایشان مہر بغیہ حلال است قال الحسن الچلپی فی ذخیرۃ العقبیٰ ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ فحلال عند الامام الاعظم لان اجر المثل طیب وان کان السبب حراما وحرام عندھما وان کان بغیر عقد فحرام اتفاقا کذا فی المحیط نزد احناف مال حرام اگر مشتری بعقد صحیح خرید نماید طیب میگردد ودر قنیہ نوشتہ غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اھل السوق لا تخلو عن الفساد فان کان الغالب ھو الحرام فینزہ عن شراء شیء ولکن مع ھذا لو اشتراہ یطیب لہ المشتری شراء فاسدا اذا کان عقد المشتری الاخیر صحیحا انتہی ولا اریٰ لھم دلیلا من الکتاب والسنۃ فاللہ اعلم من این اخذوا ھذا الرخص وھو یاخذ بیدی وایدیھم ویتولی ھدای وھداہ وھو الحمد لربی ولای ومولای کتبہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما فتاویٰ غزنویہ ص۱۱

کوئی کپڑا دس درہم کو اور ان میں ایک درہم حرام کا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اسکی نماز قبول نہیں کریگا پھر عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے کانوں میں انگلیوں کو داخل کر کے کہا کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تو خدا کرے یہ دونوں کان بہرے ہی ہو جاویں۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے بیان کیا ہے ۱۲ اور بموجب حدیث کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں قبول کرتا ہے نماز اس شخص کی جو نیچے لٹکانے والا ہے تہبند اپنے کو ٹخنوں سے، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ بموجب ان احادیث مذکورہ بالا کے، فاحشہ کی مسجد میں نماز جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ مال ناپاک اور حرام ہے۔ اور لباس حرام سبب نہ قبول ہونے نماز کا ہے ابن تیمیہؒ کے اختیارات میں لکھا ہے کہ چھینے ہوئے اور ریشم کے کپڑے اور چھینے ہوئے مکان میں نماز نہیں ہوتی یہ جب ہے کہ فرض نماز ہو اور یہی امام احمدؒ کی دو روایتوں میں صحیح زیادہ تر ہے۔ اور اگر نفل نماز ہو تو آمدی نے کہا ہے کہ احمد کی ایک روایت صحیح نہیں ہے اور اگر کسی نے اس مسجد کو حلال مال کے ساتھ خریدا تو بموجب آیۃ کریمہ نہ بدلو ناپاک کو ساتھ پاک کے، حرمت اس کی نہیں جائے گی۔ اور اس حدیث سے کہ ہلاک کرے اللہ تعالیٰ یہود کو کہ تحقیق جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی مین حرام کیں تو انہوں نے ان کو پگھلا کر اور بیچ کر ان کی قیمت کھائی ..... ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کی حرمت بیع و فروخت کے ساتھ رفع نہیں ہوتی پس حکم مسجد مذکور کا وہی ہے جو پہلے گذرا۔

سوال۔ ہمارے یہاں دو محلے کے لوگ جو سب کے سب اہل حدیث ہیں، جمعہ اور نماز پنجگانہ ایک مسجد میں ادا کرتے تھے، مگر جس محلہ میں مسجد نہیں تھی، وہاں والے مسجد مذکور کے دُور ہونے کے باعث نماز باجماعت میں بہت سُست تھے تو سب کے مشورہ سے یہ طے ہُوا کہ اس محلہ میں پنجگانہ نماز کے لیے ایک مسجد بنا دی جائے تاکہ تاکہ اس محلہ کے سب لوگ جماعت سے نماز ادا کریں۔ چنانچہ مسجد تیار کر لی گئی، جس کو بنے ہوئے دس برس ہو گئے، بعد میں چند دینی و دنیاوی امور میں اختلاف کی وجہ سے اس نئی مسجد میں جمعہ بھی ایک سال سے شروع ہو گیا ہے اس سال رمضان شریف میں جدید مسجد والوں کی طرف سے ایک شخص نے دونوں محلوں کے لوگوں کی دعوت کی تو ایک مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ اس دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں اور اس جدید مسجد میں نماز پڑھنی بھی جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں نے جمعہ علیحدہ شروع کر لیا ہے۔ پس کیا ان مولوی صاحب کا یہ فتویٰ درست ہے۔

الجواب: اس نئی مسجد میں بلاشبہ نماز پڑھنی جائز ہے کیوں کہ یہ مسجد، مسجد ضرار کے حکم میں نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقام قبا میں جو مسجد منافقین نے بنائی تھی اس میں مسجد بنانے کی نیت تھی ہی نہیں، اس لیے کہ ان کے اعتقاد میں مسجد بنانا تقرب الٰہی کا موجب نہیں تھا، بخلاف صورت مسئولہ کے، کہ یہاں کے بنانیوالوں نے مسجد کی تعمیر کو موجب تقرب سمجھ کر بنایا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ پس اس مسجد کو مسجد ضرار پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے۔ اور اس مسجد میں نماز ناجائز ہونے کا فتویٰ درست نہیں۔ البتہ محض دنیاوی امور میں یا ایسے دینی امور میں اختلاف کی وجہ سے جس میں شرعاً اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، جمعہ نہیں الگ کرنا چاہیئے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ تفریق بین المومنین کے مرتکب

بقیہ ص لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کنجری کا مہر حلال ہے، حسن چلپی نے ذخیرہ عقبیٰ میں لکھا ہے کہ زانیہ جو مال پہلے مقرر کر لیوے وہ امام اعظمؒ کے نزدیک اس کے لیے حلال ہے اس لیے کہ بدلہ مثل کا حلال ہوتا ہے اگرچہ سبب حرام ہی ہو، اور صاحبین کے نزدیک یہ مال حرام ہے۔ اور اگر پہلے مقرر نہ کرے تو اتفاقاً حرام ہے۔ محیط میں بھی اسیطرح لکھا ہے اور حنفیوں کے نزدیک مال حرام بھی اگر خریدنے والا جائز طور سے خریدے پاک ہو جاتا ہے۔ قنیہ میں لکھا ہے اگر غالب گمان یہ ہے کہ بازار والوں کے اکثر سودے فساد سے خالی نہیں ہوتے تو اگر اکثر سودے صورت حرام میں ہوں ان کو خریدنا نہ چاہیئے، لیکن باوجود صورت حرام کے اگر انکو خرید بھی لے، تو وہ مال اس کے لیے حلال ہوگا۔ جبکہ پچھلے خریدار کی بیع جائز طور پر ہوا نتہیٰ۔ لیکن میرے نزدیک ان کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ خدا جانے یہ رخصت انہوں نے کہاں سے حاصل کی۔

ہیں، بنا بریں ان کی دعوت نہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ رد کر دینا متعین ہے۔

(مولانا) عبیداللہ رحمانی شیخ الحدیث و مفتی مدرسہ محدث جلد نمبر۱ ش ۱

سوال: زید سودی کاروبار کرتا ہے وہ اپنے پاس کسی دوسرے گاؤں میں مسجد یا کنواں برائے رفاہِ عام بنوانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ اس کی سود خوری کی وجہ سے انکار کرتے ہیں، زید کہتا ہے کہ سودی کاروبار میں لگے ہوئے اور سودی روپوں کے علاوہ میرے پاس غیر سودی اور حلال کی کمائی کے روپے بھی ہیں۔ جس سے مسجد یا کنواں بنواؤنگا کیا زید کے قول کی تصدیق کی جائے اور اس کو مسجد وغیرہ بنوانے کی اجازت دے دی جائے؟

الجواب: سودخوار زید اپنی حلال کمائی سے اور ان روپوں سے جن کو ان سودی کاروبار میں نہیں لگا رکھا ہے مسجد وغیرہ بنوا سکتا ہے۔ اس میں بلاشبہ نماز جائز اور موجب ثواب ہوگی۔ اور کنویں سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔ زید کی تصدیق یعنی اس کو اس قول میں سچا سمجھنے سے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ کفار مکہ نے اپنی کمائی سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اور اب بھی کوئی غیر مسلم تعمیر مسجد کو ثواب اور پُن کا کام سمجھ کر حلال کمائی سے امداد کرنا چاہے تو اس کا قبول کرنا جائز ہوگا۔ (مولانا) عبیداللہ رحمانی۔ شیخ الحدیث مدرسہ محدث دہلی جلد نمبر۱ ش نمبر۵

سوال: ایک مسجد جہاں کہ بوجہ مصلیوں کی کثرت کے جائے نماز تنگ ہونے کی بنا پر ایک ایسی مملوک زمین جو مسجد سے ملحق تھی اور جس میں چند پرانی قبریں تھیں اور مالکان زمین نے مسجد کے لئے وقف کر دی ہو، نیز بحالت مجبوری جب کہ مسجد کے کسی جہت جائے نماز بڑھانے کو زمین ہی نہ ہو اگر ایسی صورت میں مذکورہ بالا زمین پر مسجد بڑھا دی گئی ہو، تو کیا ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسجد میں جو کہ قبروں پر تعمیر کر دی گئی ہو، بلا کراہت نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اہل اسلام کی قبروں پر مسجد بنانا کسی صورت میں جائز نہیں، اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو قبروں کو برابر کر کے ان پر مسجد بنائی جائے یا ہڈیاں نکال کر پھینک دی جائیں، اور یہ ہر دو صورتیں ممنوع ہیں اور قبروں پر مسجد بنانے والوں پر حدیث میں لعنت وارد ہے۔ اور مسلم کی قبر پہ بیٹھنا، اس کی طرف یا اس پر نماز پڑھنا بھی منع ہے۔ اور مسجد کی صورت میں یہ امور لازمی ہیں، بلکہ مسلم کی قبر پہ ٹیک لگانا بھی منع ہے۔ اور اس کی ہڈیوں کو توڑ کر نکال پھینکنا بھی منع ہے، الغرض ہر طرح سے مسلم کی قبر کا احترام واجب ہے

ادلہ حسب ذیل ہیں ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسَاجِدَ (صحیح بخاری) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُصَلُّوْا اِلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَیْھَا (صحیح مسلم) وَفِیْ رِوَایَۃِ الطَّبْرَانِیْ فِی الْکَبِیْرِ لَا تُصَلُّوْا اِلٰی قَبْرٍ وَلَا عَلٰی قَبْرٍ انتھی وَفِیْ رِوَایَۃِ السُّنَنِ اِلَّا ابْنَ مَاجَۃَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ انتھی وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ انتھی رَوَاہُ اَحْمَدُ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَسْرُ عَظْمِ الْمَیِّتِ کَکَسْرِہٖ حَیًّا رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ بِاِسْنَادٍ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ وَزَادَ ابْنُ مَاجَۃَ مِنْ حَدِیْثِ اُمِّ سَلَمَۃَ فِی الْاِثْمِ انتھی

اور پرانی قبریں اگر قبرستان عام کی ہیں، تو وہ کسی کی ملک نہیں اور اگر خاص کسی قوم کی قبریں ہیں تو بھی وہ بحکم ادلہ مذکورہ بالا قابل بناء مسجد نہیں ہوسکتیں ، ہاں غیر مسلم کی قبر کی ہڈیاں نکال کر مسجد بنائی جاسکتی ہے مسلم کی نہیں ، اگر اور زمین کسی جہت نہیں مل سکتی تو اور جگہ بڑی مسجد کی تجویز کریں ، نہ ہوسکے تو جو کچھ ہو رہا ہے اس پر اکتفا کریں ، مگر خلافِ شرع نہ کریں ۔ اگر بالفرض اس زمین کے ملانے کے بعد بھی نمازی اور بڑھ جائیں تو جو تجویز جب کریں گے ، وہی اب کریں ۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

راقم ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی   اہلحدیث گزٹ جلد ۵ ش ۱

سوال : مسجد کے اوپر کنجر (یعنی رنڈی) ، اور کافر شخص کا مال لگانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے ؟ جائز ہے یا ناجائز ؟ اس سوال کا جواب کراچی کے ایک رسالہ نے یہ دیا ہے ۔

"جائز ہے ۔ شرعاً کوئی قباحت نہیں ، اگر کوئی کافر یا رنڈی فاحشہ عورت اپنے پیسے سے کنواں کھدوائے تو برابر اس کا پانی پینا جائز ہے یا مسجد بنوا دے تو برابر اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں ، ہاں یہ ضرور ہے کہ کنواں کھدوانے یا مسجد بنوانے سے اسے کچھ فائدہ اخروی نہ ہوگا ، اس کے عوض بوجہ کفر و شرک دنیا میں ہی دے دیا جائیگا"

یہ فتویٰ سراسر غلط اور خلافِ شریعت ہے ۔ صحیح حدیث میں ہے : مَھْرُ الْبَغِیِّ خَبِیْثٌ رنڈی فاحشہ کی کمائی حرام ہے ، مسجد اللہ تعالیٰ کا پاک گھر ہے ۔ جہاں جنبی داخل نہیں ہوسکتا اور نہ حائضہ عورت جاسکتی ہے ۔ پھر اس پر ناپاک مال لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے ۔ ترغیب میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : من اکتسب مالا من ماثم فوصل بہ رحمۃ اوتصدق بہ او انفقہ فی سبیل اللہ جمع ذالک

کلہ جمیعا فقذف فی جہنم. جس شخص نے گناہ کے ذریعے سے مال کمایا، پھر اس کے ساتھ صلہ رحمی کی، یا اس کو صدقہ کیا، یا اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس سب کو جمع کر کے مع اس شخص کے جہنم میں پھینکا جائے گا۔

اگر کنجر کے مال حرام سے مسجد بن کر مسجد کا حکم رکھتی تو اس کے لئے موجب جنت ہوتی، مگر اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ موجب عذاب ہوا، جس سے ظاہر ہے کہ وہ مسجد، مسجد کا حکم نہیں رکھتی، بلکہ ناپاک ہے۔ جس کو گرانے کا حکم ہے، تفسیر مدارک میں ہے:۔

کل مسجد بنی مباھاۃً اوریاءً وسمعۃً او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار: جو مسجد فخر یا ریا اور شہرت کے لئے یا اللہ کی رضا کے سوا کسی اور غرض کے لئے یا مالِ حرام سے تعمیر کرائی گئی ہو، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔

یعنی جیسے مسجد ضرار مسجد کا حکم نہیں رکھتی۔ ترغیب و ترہیب میں یہ حدیث ہے کہ: انہ من اصاب مالاً من حرام فلبس منہ جلباباً یعنی قمیصا لم تقبل صلوٰۃ حتی ینحی ذالک الجلباب عنہ۔ جس شخص نے مالِ حرام سے قمیص بنوا کر پہنی تو جب تک وہ قمیص بدن سے اُتاری نہ جائے گی، تب تک اس شخص کی نماز قبول نہ ہو گی، حرام حکمی نجاست ہے۔

یعنی اس سے جو چیز تیار ہو گی، وہ نجس ہو گی، تو پھر نجس جگہ میں نماز کیسے ہو سکتی ہے۔ زانیہ کا کسب حرام ہے۔ تو اس مال کا مکسوبہ بھی حرام ہے، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:۔

مہر البغی خبیثٌ ای حرامٌ اجماعاً لانھا تاخذہ عوضا من الزنا المحرم و وسیلۃ الحرام وسماہ مھرا مجازا لانہ فی مقابلۃ البضع۔

مہر زانیہ کا خبیث ہے۔ یعنی حرام ہے۔ اجماعاً کیوں کہ زانیہ نے زنا کے عوض لیا ہے جو حرام ہے، وسیلہ حرام کا حرام ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:۔

انہ حرام قطعاً زانیہ کی اُجرت قطعاً حرام ہے۔

جب کوئی شخص فی سبیل اللہ مسجد بناتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہو جاتی ہے، جب تک اللہ کی ملک نہ ہو گی، وہ مسجد کا حکم نہیں رکھے گی، پس مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد اللہ کا ملک نہیں ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے، ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔

بلکہ موطا میں، پاک مال سے صدقہ کرنے کے بارے میں... یہ الفاظ آئے ہیں انما یضعھا فی کف الرحمٰن۔

جس نے پاک مال سے صدقہ دیا اس نے اللہ تعالے کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

کنجری کا خبیث اور حرام مال اللہ تعالے اپنے ہاتھ میں نہیں لے گا، تو وہ مسجد اللہ کی نہ ہوگی،

میں اپنی تائید میں ایک شہرۂ آفاق اور مقبول انام بزرگ ہستی کا فتوی پیش کرتا ہوں، یہ وہ ہیں جن کے والد بزرگوار جناب زبدۃ العارفین حضرت مولانا عبداللہ الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کے ہاتھ پر مولانا عبدالوہاب دہلوی مرحوم نے خود بھی بیعت کی تھی اور بیعت کی ہدایت بھی کی تھی، فتوی فارسی میں ہے جس کا ترجمہ ذیل ہے۔

سوال، علماء اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک مسجد بہت مدت سے گری ہوئی ہے۔ صرف سفید زمین باقی تھی اس جگہ ایک فاحشہ زانیہ عورت نے اپنے زنا کے مال سے اس حیلہ کے ساتھ مسجد تیار کی، کہ روپیہ کسی مسلمان یا ہندو سے بغیر سود کے قرض لیوے، بعد ازاں قرض مذکور کو اپنے حرام کے روپیہ سے ادا کرے، کیا جائز ہے یا نہیں اور ایسی مسجد تیار شدہ میں نماز گزارنی بلا کراہت شرعی جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اس مسجد میں پانچوں نمازوں کے ادا کرنے کا ثواب دوسری مسجدوں میں جو پاک اور حلال مال سے بنائی گئی ہیں، ادا کرنے کے برابر ہوگا یا نہیں؟ اور بنانے والے کو ثواب آخرت مرتب ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی مسجدوں کو جو عورت مذکورہ نے بنائی ہے، گو اس کے بدلہ میں پاک وحلال مال سے اس جگہ مسجد بنائی جائے یا نہ؟

جواب:۔ اگر لباس کا کچھ حصہ یا سارا لباس ناپاک ہو اس میں نماز جائز نہیں، اسی طرح اگر مسجد کا کچھ حصہ یا ساری مسجد حرام مال سے بنائی گئی ہو تو وہ حکم مسجد کا نہیں رکھتی، امام احمدؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جس نے دس درہم کو کوئی کپڑا خریدا، اور ان میں ایک درہم حرام کا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس پر رہے گا، اللہ تعالے اس کی نماز قبول نہیں کریگا، پھر عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے کانوں میں انگلیوں کو ڈال کر کے کہا اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تو خدا کرے، میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں، اور اس مسجد کے بنانے والے کو کچھ ثواب نہیں۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ پاک قبول نہیں کرتا مگر پاک کو، اور چونکہ وہ مسجد، حکم مسجد نہیں رکھتی تو اس میں نماز پڑھنا دوسری پاک مسجدوں میں نماز پڑھنے کے برابر کیونکر ہوگا، اور اس مسجد کو گرا کر اس کی تعمیر کرانا مصداق "جاء الحق وزھق الباطل" (حق آیا اور باطل گیا) کا ہوگا۔

اور حیلہ سازی سے حرام کو حلال کرنا موجب غضب الہیٰ کا ہے، جیسا کہ اصحاب السبت پر نازل ہوا۔ تو ان کو بندر بنا دیا، اور جو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور مولوی عبدالحیؒ لکھنوی کا اس بارہ میں فتوی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ وہ قرض مال حرام سے فائدہ اٹھانے کے واسطے حیلہ نہ ہو، بلکہ بوجہ نہ موجود ہونے کے مبلغات کے کسی سے قرض

لیا ہو، اتفاقاً وہ قرض مال حرام سے ادا کرنا پڑے نہ یہ کہ مال حرام سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے اس قرض کو حیلہ بنا دے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (حررہ عبد الجبار غزنوی)

نیز واضح ہو کہ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۱۰ میں بھی ایک سوال درج ہے کہ فاحشہ عورت کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی احادیث لکھ کر یہ دیا ہے کہ:۔

"نماز در مسجد بغیۃ جائز نیست کہ مال خبیث و حرام است ولباس حرام موجب عدم قبول نماز است"

پھر امام ابن تیمیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ کپڑے مغصوب اور مکان مغصوب میں نماز صحیح نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس مسجد کو حلال مال سے خریدے تب بھی حرمت رفع نہ ہوگی، اور آیت کے خلاف ہے: لا تتبدلوا الخبیث بالطیب، نہ بدلو طیب کو بدلے پاک کے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عارف باللہ نے زانیہ کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد میں نماز ناجائز قرار دی ہے۔ اور اس کو مسجد کے حکم سے خارج کر دیا ہے، یہ فتویٰ عین تقویٰ پر مبنی ہے۔

(مولانا) عبد القادر حصاروی الاعتصام لاہور جلد ۱۵ ش ۷

سوال: ہم لوگوں کی مسجد توڑ کر سخت آفت میں جان پھنسی ہے، سخت پس و پیش میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ گورستان پر مسجد بنانا اور نماز پڑھنا جائز نہیں۔ مگر جو ہڈیاں نکلی ہیں، وہ ڈیڑھ برس پہلے کی گورشدہ ہیں، اب اس پر بھی گورستان کا حکم عائد کر کے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس زمانہ میں یہ مسجد بنی تھی، اس وقت ان اطراف میں کوئی مسجد نہیں تھی، اور پہلے لوگ بھی غالباً مشرک تھے۔ لہٰذا ایسی حالت میں بھی وہاں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد نبوی کی جگہ پہلے مشرکین عرب کا قبرستان تھا، اس لئے صورت مرقومہ میں مسجد بنانا جائز ہے۔ منع نہیں۔

شرفیہ: یہ قیاس یا استنباط صحیح نہیں اس لئے کہ مشرکین کے مردوں کا احترام نہیں، جیسا کہ مشرکین کی لاشوں کو کوئیں میں ڈال دیا تھا، کنواں بھی گندے پانی کا تھا۔ متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۳۴۵

اور اہل اسلام کی لاشوں اور مردوں کا احترام ہے ان کے مُردے کی ہڈی توڑنے کا اتنا ہی گناہ ہے جیسے زندہ کی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ ابو داؤد باسنادہ علی شرط مسلم وزاد ابن ماجۃ من حدیث ام سلمۃ فی الاثم انتہی کذا فی بلوغ المرام ص ۱۰ وعن عمرو بن حزم قال رانی النبی

صلی اللہ علیہ وسلم متکیا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر الحدیث رواہ احمد مشکوٰۃ صـ ۱۴۹

قال الحافظ فی الفتح اسنادہ صحیح کذا فی تنقیح الرواۃ صفحہ ۳۳۳ پس اہل اسلام کی قبروں کو کھود کر ہڈیاں نکال کر مسجد

بنانا قطعاً ممنوع ہے ۱۲ ابو سعید شرف الدین دہلوی فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صـ ۲۶۱

سوال: قبرستان میں برائے ضرورت مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قبرستان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اس لئے وہاں مسجد کی کوئی ضرورت

نہیں، بلکہ قبرستان میں مسجد بنانے والے کو لعنت کی، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذ

قبور انبیاءھم مساجد (الحدیث) فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صـ ۳۲۱

سوال: کیا ہے حکم شرع کا اس مسئلہ میں کہ مدت سے ایک مسجد میں نماز پڑھی جاتی ہے، اب اس کی چھت وغیرہ

بوسیدہ ہوگئی ہے، دوبارہ اس کو تعمیر کرنا ہے تو کیا اس جگہ کو جہاں نماز پڑھی جاتی ہے مدرسہ کی صورت میں بنوا کر

مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث جاری کرادیا جائے اور اس کے اوپر مسجد بنادی جائے ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا

نادرست ہے؟

الجواب: ایسا کرنا شرعاً درست ہے، قرآن وسنت کے ماہر پر مخفی نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

واقعہ سے جب مسجد قدیم بازار ہوگئی، کیا مدرسہ آسمانی تعلیم کے لئے نہیں بنا سکتے، برابر بنا سکتے ہیں، وَمَا جَعَلَ

عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَ

فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○

سوال: کسی بستی میں مدتوں سے دو جامع مسجدیں آباد تھیں، فی الحال کسی خاص وجہ سے دونوں مسجدوں کو اکٹھی کر

کی ضرورت ہوئی اور ایک مسجد کو چھوڑ کر سب مصلیان دوسری مسجد میں جمعہ وجماعت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اب سوال

ہے کہ متروکہ مسجد کی زمین کو کیا کیا جائے؟ آیا وہ مسجد ہی کے حکم میں رکھی جائے؟ یا وہ سرے زمین کے حکم میں شا

کی جائے؟

الجواب: مسجد مسجد ہی رہے گی، ایک کو جامع مسجد بنادیں، دوسری مسجد میں نماز پنجگانہ صرف پڑھی

جائے، مسجد کو دیگر ضروریات کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا، اگر متروکہ مسجد بستی سے دُور ہے تو وہ بھی عبادت کے لئے کھلی رہنی چاہیئے۔ فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۲۸

سوال: وہ جگہ جو نماز پڑھنے کے لئے وقف کر دی گئی ہو اور جس پر زمانہ دراز سے نماز پڑھی جاتی ہے۔ (یعنی وہ مسجد ہے) اس کو توڑ کر اس پر دکانیں بنوانا اور پھر ان دوکانوں پر مسجد تعمیر کرنا مذہب اسلام میں جائز ہے یا نہیں، یہ دکانیں کرایہ پر دی جاتی ہیں، جس میں غیر مذہب کے لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں۔

الجواب: جو مکان شرعی مسجد بن جائے اس پر دکانیں یا (سوائے سجدہ گاہ کے) اور کچھ بنانا جائز نہیں اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ۔ فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۸۰

سوال: کیا عہد نبوی میں مسجد پختہ بنی تھی یا نہیں، اگر نہیں تو اب اگر کوئی مسلمان خانہ کعبہ و مسجد اقصیٰ وغیرہ پر (جو آپ سے پہلے کی تعمیر شدہ ہے) قیاس کر کے مسجد پختہ بنا سکتا ہے؟ عبد الغفار رضوی

الجواب: پختہ مسجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بمشورہ اصحابِ کرام بنی تھی، اس وقت بھی چہ میگوئیاں ہوئیں تھیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب میں فرمایا تھا کہ میں نے پختہ مسجد اس لئے بنوائی ہے کہ حدیث میں آیا ہے: من بنیٰ مسجدا للّٰہ بنی اللّٰہ لہٗ بیتًا فی الجنۃ (یعنی جو کوئی اللہ کے لئے مسجد بنائے خدا اس کے لئے بہشت میں گھر بنائے گا،) اس حدیث کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لئے پیش کیا کہ اس کے معنی میں عموم جانا، یعنی یہ سمجھا کہ کوئی مسجد بناوے ویسا ہی اس کا گھر بنے گا، خام بنائے تو خام پختہ بنائے تو پختہ۔ اس دلیل کو سب حاضرین نے سُنا اور خاموش رہے، ثابت ہوا کہ پختہ مسجد اسی حدیث سے ثابت ہے۔

فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۸۷

سوال: مساجد کی مرمت یا از سر نو تعمیر یا ضروری سامان پہنچانا، مسافروں کو زاد راہ دینی، نو مسلموں کی پرورش، طالبعلموں کی ضرورتیں پوری کرنیوالوں کی کفالت، مفلوک مریضوں کی دوا، ننگوں کو کپڑا، بھوکوں کو کھانا دینا، مظلوموں اور ناقابل کسب معاش عورتوں مردوں بچوں کی ضروری

کفالت، اشاعتِ اسلام وغیرہ یہ حضرات والا صفات (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) کرتے تھے، یا نہیں، اگر کرتے تھے تو زکوٰۃ و دیگر صدقات کی رقوم سے یا خراج ممالک سے اگر جدا جدا رقوم صرف فرماتے تھے تو بضرورت دوسری مد کے رقم صرف فرماتے تھے، یا مد خاص میں گنجائش نہ ہونے پر کام سے انکار فرما دیتے تھے۔؟

الجواب: ان سب ضرورتوں کا انتظام مصارف زکوٰۃ میں آجاتا ہے اور مالِ غنیمت سے بھی پانچواں حصّہ لیا جاتا تھا، امیر جماعت کو بھی اختیار تھا کہ حسب ضرورت تقسیم کر دے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۱

سوال: عمارت مسجد میں مشرکین سے امداد لینی جائز ہے کہ نہیں، نیز قربانی کی کھال فروخت کر کے اس کی قیمت عمارت مساجد میں لگانی جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: مشرک اگر محض للّٰہ امداد دیں تو جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کعبہ شریف کی عمارت مشرکوں نے اپنی لاگت سے بنائی تھی، قربانی کی کھال کا مصرف فقرا و مساکین ہیں، حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۳۷۷

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک ہندو شخص مسجد کے کنویں میں یا مسجد میں صرف کرنے کو بخوشی کچھ رقم دیدے تو اسے ازروئے شریعت کنویں یا مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: مال کے متعلق دریافت کر لینا چاہیئے، اگر بالکل حلال ہو تو اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اور مسجد وغیرہ پر بھی وہ لگ سکتا ہے۔ بیت اللہ شریف کفار ہی کا بنا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، صرف اتنا ہی کہا کہ انہوں نے بیت اللہ کو چھوٹا کر دیا اور دروازے کو اونچا کر دیا، اگر یہ قوم نو مسلم نہ ہوتی تو میں بیت اللہ شریف کو اصلی نیوں پر بنا دیتا، اور دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا، اور دو دروازے بنا دیتا، ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کا روپیہ مسجد پر لگ سکتا ہے۔ بشرطیکہ حلال کمائی کا ہو، چنانچہ اس حدیث میں تصریح ہے۔ کہ کفار نے حلال کا روپیہ جمع کر کے بیت اللہ شریف پر لگایا تھا۔ مگر حلال روپیہ چونکہ کم ہو گیا، اس لئے انہوں نے بیت اللہ شریف کو چھوٹا کر دیا۔

کفار کا روپیہ مسجد پر لگانے میں اور تو کوئی خرابی نہیں، صرف بدنامی کا باعث اور اعتراض کا ذریعہ ہے کہ مسلمان ایسے بے حمیت ہو گئے ہیں کہ اپنے عبادت خانے بھی آباد نہیں کر سکتے جب تک کہ غیروں کی امداد نہ لیں، اس بدنامی اور اعتراض سے بچنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ روپیہ کفار سے لیکر کسی غریب مسکین کو دیا جائے، بیت اللہ شریف بیشک کفار نے اپنی حلال کمائی سے بنایا تھا، مگر اس وقت بیت اللہ شریف پر انہی کا قبضہ تھا، بلکہ اس امت کے اہل اسلام کا اس وقت وجود ہی نہ تھا، کیونکہ یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت قریباً بارہ ۱۲ یا تیرہ ۱۳ سال کی تھی۔ موجودہ مساجد پر اس وقت مسلمانوں کا قبضہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ مسلمانوں اپنے پیسوں سے آباد کریں۔ (عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم)

(تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۷ نمبر ۴۵)

سوال: چرم قربانی یا زکوٰۃ سے مرمت مسجد یا مسجد کا کنواں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: چرم قربانی یہ خالص غرباء و مساکین کا حق ہے، اس میں کسی کو دخل نہیں، ہاں زکوٰۃ کے متعلق ایک قول ملتا ہے، کہ مسجد میں لگانا جائز ہے۔ لیکن متعلقین مسجد کو ایسا بہانہ بنا کر زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لگانا چاہیے، اپنی گرہ سے خرچ کریں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ ۴۷۲)

سوال: مسجد کا کنواں کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے بنوا سکتا ہے؟

الجواب: مصارف زکوٰۃ میں ایک لفظ فی سبیل اللہ ہے اس کی تفسیر جمہور مفسرین خاص ضروریات جہاد کرتے ہیں، مگر بعض کے نزدیک اس لفظ کے معنی میں کل نیک کام داخل ہیں، اس بنا پر بعض علماء مال زکوٰۃ کو مسجد وغیرہ مقامات میں بھی صرف کرنا جائز جانتے ہیں، خاکسار بھی اس قول کو صحیح جانتا ہے۔ پس صورت مرقومہ میں مال زکوٰۃ کے مال سے کنواں بنوانا جائز ہے۔ العلم عند اللہ

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ ۴۷۸

سوال: گھر میں مسجد بنانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گھر میں مسجد بمعنی جائے سجود کسی خاص جگہ کو بنا لینا نوافل و سنن کے لئے جائز و درست

ہے ، (سنن ، فرائض کے لئے کوئی ثبوت شرعاً نہیں ، (فتاوی ستاریہ جلد اوّل صہ۴)

سوال : مسجد کے جاجم ، فرش ، دری ، چٹائی ، لوٹا اور اس کی مرمت وصفائی میں اور مسجد کے موذن یا میاں جی کی تنخواہ میں عشر یا زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : مسجد کے لوٹے ، رسی ، بالٹی ، چٹائی ، دری ، جاجم فرش اور اس کی مرمت وصفائی یا تعمیر میں عشر اور زکوٰۃ (اوساخ الناس) کا خرچ کرنا درست نہیں ، کیوں کہ مسجد اور اس کی ضروریات زکوٰۃ کے مصارف منصوصہ میں داخل نہیں ،

ولا یجوز صرف الزکوٰۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالیٰ من بناء المساجد والقناطر والسقایات واصلاح الطرقات وسد البثوق وتکفین الموتی والتوسعۃ علی الاضیاف وغیر ذلک من القرب التی لم یذکرھا اللہ تعالیٰ وقال انس والحسن ما اعطیت فی الجسور والطرق فھی صدقۃ ماضیۃ والاول اصح لقولہ سبحانہ وتعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین وانما للحصر والاثبات تثبت المذکور وتنفی ما عداہ (المغنی ج۲ ص۵۲۷)

موذن ، مسجد اور میاں جی کی گذر اوقات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور وہ محتاج وضرورتمند ہیں تو زکوٰۃ کا مصرف ہونے کی حیثیت سے عشر وزکوٰۃ سے معین یا غیر معین مقدار کے ذریعے ماہ بماہ امداد کی جا سکتی ہے ، (محدث دہلی جلد ۱۰ نمبر ۹)

سوال : حکم تشیید مساجد چیست ؟

الجواب : در حدیث ابن عباس آمدہ کہ گفت قال رسول اللہ صلعم ما امرت بتشیید المساجد قال ابن عباس لتزخرفنھا کما زخرفت الیہود والنصاریٰ اخرجہ ابوداؤد وصححہ ابن حبان ورجالہ رجال الصحیح وقد اخرج البخاری قول ابن عباس المذکور تعلیقا وانما لم یذکر المرفوع للاختلاف علی یزید بن الاصم فی وصلہ وارسالہ قال الحافظ واخرج عنہ مسلم وھو العامری التابعی در شرح السنۃ گفتہ التشیید رفع البناء وتطویلہ ومنہ قولہ تعالیٰ فی بروج مشیدۃ وھی التی طول بناءہا یقال شدت الشیٔ اشیدہ اذا بنیتہ بالشد وھو الجص وشیدتہ تشییداً طولتہ ورفعتہ وقیل المراد بالبروج المشیدۃ المجصصۃ ابن رسلان گفتہ مشہور در حدیث آنست کہ مراد بتشیید مساجد اینجا رفع بنا وتطویل اوست چونکہ بغوی گفتہ و در وی دست بر کیکہ قولہ تعالیٰ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع را حمل بر رفع بنا ، او کردہ وہو الحقیقت بلکہ مراد آنست کہ تعظیم کردہ شوند وذکور نشر دران خنا از اقوال و پاک کردہ شوند از ادناس وانجاس

وبلند کردہ نشود وران آوازہا و ابن حبان قول ابن عباس را موقوفاً آوردہ و ماقبل او را مرفوعاً و طیبی در شرح مشکوٰۃ
گمان کردہ کہ این ہر دو یک حدیث اند و لہذا گفتہ لام در لتزخرفنہا مکسور ست و این لام برائے تعلیل منفی ست و
معنی آنست کہ امر کردہ نشدم بتشیید تا ذریعۂ زخرفت گردانیدہ شود و نون دران برای مجرد تاکید است و دران
نوعی از تانیب و توبیخ ست و جائز ست فتح لام بر جواب قسم حافظ در فتح گفتہ و ہذا یعنی فتح اللام ہو المعتمد
والاول لم تثبت بہ الروایۃ اصلاً فلا یغتر بہ وکلام ابن عباس رضی اللہ عنہ فیہ مفصول من کلام النبی صلعم فی الکتب المشہورۃ وغیرہا
انتہیٰ ، وزخرفت بمعنی زینت ست محی السنۃ گفتہ اہل کتاب مساجد را بیارا ستند وقتیکہ دین خود را مبدل ساختند و
کتب را تحریف کردند و شما ہم بسوی مثل حال ایشان گردید و نزدیک ست کہ مصیر امر شما بسوی مرایات
بمساجد و مباہات بتشیید و تزیین آنہا شود ابو الدرداء گفتہ اذا حلیتم مصاحفکم وزوقتم مساجدکم فالدمار علیکم ابن
رسلان گفتہ درین حدیث معجزۂ ظاہرہ ست زیرا کہ اخبار کرد آنحضرت صلعم از آنچہ بعد وی واقع شود زیرا کہ تزویق مساجد
و مباہات بزخرفت آنہا از ملوک و امراء درین زمان در قاہرہ و شام و بیت المقدس بسیار شدہ باخذ اموال
مردم بظلم و عمارت کردن بآن اموال مدارس را بر شکل بدیع نسأل اللہ السلامۃ والعافیۃ انتہیٰ و بالجملہ حدیث
دلیل ست بر آنکہ تشیید مساجد بدعت است و از امام ابو حنیفہ رح ترخیص دران مرویست و از علی بن ابیطالب
رضی اللہ عنہ آمدہ کہ نیست کراہت در تزیین محراب و در بدر منیر گفتہ چون مردم خانہای خود را گچ کردند و
آراستند مناسب شد کہ این کار با مساجد ہم بکنند برای صون آنہا از استہانت انتہیٰ و این را تعقب کردہ اند
بآنکہ منع اگر برائے حث بر اتباع سلف و در ترک رفاہیت ست فہو کما قال و اگر بجہت خشیت تشغل بال
مصلی بزخرفت ست فلا بجہت لبقاء علت و منجملہ چیزی کہ مجوزین تزیین بران تعویل کردہ اند آنست کہ از سلف
انکار بر فاعل آن حاصل نشدہ و این بدعت مستحسنہ ست ترغیب میدہد بسوی مسجد شوکانی گفتہ ہذہ حجج لا
یعول علیہا من لہ حظ من التوفیق لاسیما مع مقابلتہا للاحادیث الدالۃ علی ان التزیین لیس من امر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وانہ نوع من المباہات المحرمۃ وانہ من علامات الساعۃ کما روی عن علی علیہ السلام وانہ من
صنیع الیہود والنصاریٰ وقد کان صلعم یحب مخالفتہم و یرشد الیہا عموماً و خصوصاً و دعویٰ ترک انکار السلف
ممنوعۃ لان التزیین بدعۃ احدثہا اہل الدول الجائرۃ من غیر مواذنۃ لاہل العلم والفضل واحدثوا من البدع
مالا یاتی علیہ الحصر ولا ینکرہ احد و سکت العلماء عنہم تقیۃ لا رضیً بل قام فی وجہ باطلہم جماعۃ من علماء الآخرۃ وصرحوا
بین اظہرہم بنہی ذلک علیہم و دعویٰ انہا بدعۃ مستحسنۃ باطلۃ وقد عرفناک وجہ بطلانہا فی شرح حدیث من عمل عملاً

لیس علیہ مزنا فہو مردود عویٰ انہ مرغب الی المسجد فاسدۃ لان کونہ داعیا الی المسجد و مرغباً الیہ لایکون الالمن کان غرضہ و غایتہ قصدہ النظر الی تملک النقوش والزخرفۃ فاما من کان غرضہ قصد المساجد لعبادۃ اللہ التی لاتکون عبادۃ علی الحقیقۃ الامع خشوع والاکانت کجسم بلا روح فلیست الا شاغلۃ عن ذلک کما فعلہ صلعم فی الانبجانیۃ التی بعث بہا الی ابی جہم وہتکہ للستور التی فیہا النقوش وما ورد فی تنزیہ قبلۃ المصلی عما یلہی وتقویم البدع المعوجۃ عن ذلک التی یحدثہا الملوک یوقع اہل العلم فی المسالک الضیقۃ فیتکلفون لذلک من الحجج الواہیۃ مالاینفق الاعلی بہیمۃ انتہیٰ گویم و مویدایں قول ست حدیث انس ان النبی صلعم قال لاتقوم الساعۃ حتی یتباہی الناس فی المساجد رواہ الخمسۃ الا الترمذی وصححہ ابن خزیمۃ واوردہ البخاری عن انس تعلیقا بلفظ یتباہون بہا ثم لایعمرونہا الا قلیلاً ووصلہ ابو یعلی الموصلی فی مسندہ وروی الحدیث ابو نعیم فی کتاب المساجد من الوجہ الذی عند ابن خزیمۃ بلفظ یتباہون بکثرۃ المساجد والمعنی یتفاخرون فی بناء المساجد والمباہاۃ بہا کما فی روایۃ البخاری ان یتفاخروا بہا بالنقش والکثرۃ وروی فی شرح السنۃ بسندہ عن ابی قلابہ قال غدونا مع انس بن مالک الی الزاویۃ فحضرت صلوٰۃ الصبح فمررنا بمسجد فقال انس ای مسجد ہذا قالوا مسجد احدث الآن فقال انس ان رسول اللہ صلعم قال سیاتی علی الناس زمان یتباہون فی المساجد ثم لایعمرونہا الا قلیلاً وابو سعید گفتہ کان سقف المسجد من جرید النخل وامر عمر ببناء المسجد وقال اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس ابن بطال گفتہ کان عمر فہم ذلک من رد الشارع الخمیصۃ الی ابی جہم من اجل الاعلام التی فیہا وقال انہا الہتنی عن صلاتی قال الحافظ ویحتمل ان یکون عند عمر من ذلک علم خاص بہذہ المسئلۃ فقد روی ابن ماجۃ من طریق عمرو بن میمون عن عمر مرفوعاً ما ساء عمل قوم قط الازخرفوا مساجدہم ورجالہ ثقات الا شیخہ جبارۃ بن المغلس ففیہ مقال انتہیٰ گویم درینحدیث اخبار ست بآنکہ عمل مزینان مساجد عمل سو ست وازینجا دانستہ باشی کہ این ہمہ کثرت بناء مساجد و اہتمام در تعمیر و تزئین و تجصیص و تنقیش و رفع بناء و تطویل آن با تقصیر در عمل صالح و عبادت خدای واحد لاشریک و ترک عمل بر کتاب و سنت بدع منکرہ و فتن کبریٰ و علامت قرب قیام ساعت ست وازما سبق دریافت شد کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و سقف او از جرید نخل بود و این ہمہ تشیید و تزویق کہ امروز خاص در مسجد آنحضرت صلعم کہ ناہی از تشیید ست یافتہ میشود خلاف امر نبوی ست و موجب اشتداد غضب خدا و رسول ست صلی اللہ علیہ وسلم و اہل علم آخرت بر آن ساکت اند تقیۃ و اہل علم دنیا بدان راضی اند و مباہات و حکایات میکنند ولیس ہذا بذاک فت سید علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر در سبل السلام گفتہ الحدیث ظاہر فی الکراہۃ او التحریم لقول ابن عباس کما زخرفت الیہود والنصاریٰ فان التشبہ بہم محرم وذلک انہ لیس المقصود من بناء المساجد الا ان تکن الناس من الحر والبرد

وتزینیۃ یشغل القلوب عن الاقبال علی الطاعۃ ویذہب الخشوع الذی ہو روح جسم العبادۃ والقول بانہ یجوز تزیین المحراب باطل قال الامام المہدی فی البحران تزئین الحرمین لم یکن برای ذی حل وعقد ولا سکوت رضا ای من العلماء وانما فعلہ اہل الدول الجبابرۃ من غیر مواذنۃ لاحد من اہل الفضل وسکت المسلمون من العلماء من غیر رضا وہو کلام حسن واخرج البخاری من حدیث ابن عمران مسجدہ صلعم کان علی عہدہ صلعم مبنیا باللبن وسقفہ الجرید وعمدہ خشب النخل فلم یزد فیہ ابوبکر شیئا و زاد فیہ عمر وبناہ علی بنائہ فی عہد رسول اللہ صلعم باللبن والجرید واعاد عمدہ خشبا ثم غیرہ عثمان فزاد فیہ زیادۃ کبیرۃ وبنا جدرانہ بالاحجار المنقوشۃ والقصۃ وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ وسقفہ بالساج قال ابن بطال وہذا یدل علی ان السنۃ فی بنیان المساجد القصد وترک الغلو فی تحسینہ فقد کان عمر مع کثرۃ الفتوحات فی ایامہ وکثرۃ المال عندہ لم یغیر المسجد عما کان علیہ وانما احتاج الی تجدیدہ لان جرید النخل کان قد نخر فی ایامہ ثم قال عند عمارتہ اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر وتصفر فتفتن الناس ثم کان عثمان والمال فی زمنہ اکثر فحسنہ بما لا یقتضی الزخرفۃ ومع ذلک انکر بعض الصحابۃ علیہ واول من زخرف المساجد الولید بن عبد الملک وذلک فی آخر عصر الصحابۃ وسکت کثیر من اہل العلم عن انکار ذلک خوفا من الفتنۃ انتہی

ہدایۃ السائل صفحہ ۲۰۰

سوال: غیر مسلم کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں، جب کہ اس نے بنا کر مسلمانوں کو ہبہ کر دیا ہو؟

الجواب: غیر مسلم کی بنائی ہوئی مسجد میں جبکہ اس نے مسلمانوں کو ہبہ کر دیا ہو نماز جائز ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سوائے مخصوص جگہوں کے تمام روئے زمین میں نماز درست ہے (بخاری)، جعلت لی الارض مسجداً۔ یہ حدیث بخاری شریف کی ہے، اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے روئے زمین کو میرے لئے سجدہ گاہ بنایا گیا ہے۔

الحدیث دہلی جلد ۸ ش ۲۳

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع رنگھاٹ میں تقریباً پچاس برس سے ایک جامع مسجد قائم ہے۔ اب مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے کچھ جگہ بڑھائی گئی اور مسجد بھی بن گئی ہے اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی بڑھائی ہوئی جگہ جو ہے اس کے اندر بہت دنوں قریب تیس ۳۰ برس سے یوسف ملا کی قبر ہے اور عدد کثیر لوگ کہتے ہیں، کہ یوسف ملا مذکور کی قبر مسجد سے باہر ہے حتیٰ کہ یوسف ملا کا بھائی عیسیٰ میانی ملا بھی کہتا ہے،

کہ میرے بھائی کی قبر مسجد سے باہر ہے۔

اب علمائے کرام کی خدمت میں دریافت کرنا یہ ہے کہ اقوال مذکورہ مختلف فیہا کی بنا پر جامع مسجد مذکور کو پختہ تعمیر شدہ میں از روئے شرع نماز پڑھنی درست ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ قبر کی کوئی نشانی باقی نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔ سائل محمد حضرت علی ساکن رنگھاٹ ڈاک خانہ کریائی ضلع مالدہ۔

الجواب: صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زیادہ تعداد منکرین قبر کی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ وہاں قبر تھی، کثرت کے مقابلے میں قلت کا خیال نہ کیا جائے گا، علاوہ ازیں مان بھی لیا جائے کہ کسی زمانے میں وہاں قبر تھی، درازگی زمانہ کے باعث اس کے نشانات باقی نہ رہے اور نہ تعمیر مسجد کے زمانے میں کسی کو خیال رہا، ایسی صورت میں اگر میت کی تعظیم اور تکریم مقصود نہ ہو اور عدم معلومات کی بنا پر مسجد بنائی گئی ہو تو حرج نہیں ہے، اور اس میں نماز درست ہے، کیوں کہ بخاری شریف میں ہے: باب بناء المسجد علی القبر (تحت باب حسب ذیل حدیث مذکور ہے) اولئك اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلك الصور الحديث یہاں مراد قصداً اور تعظیماً کی ممانعت ہے۔ کیوں کہ ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام بیت اللہ کے گرد اور ستر یا پچاس انبیاء علیہم السلام کی قبور پائی جاتی ہیں، اور سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام کے حطیم میں واقع ہے، پھر بھی نماز پڑھی جاتی ہے تحفۃ الاحوذی کے صـ۲۷۵ جـ۱ میں حسب ذیل عبارت ہے:

واما من اتخذ مسجدا في جوار صالح او صلى في مقبرة قاصدا به الاستظهار بروحه او وصول اثر من آثار عبادته اليه لا التوجه نحوه والتعظيم له فلا حرج فيه الا يرى ان مرقد اسمعيل عليه السلام في الحجر في المسجد الحرام والصلوة فيه افضل۔

عبارت مذکورہ سے صاف عیاں ہے کہ اگر قبر کی تکریم اور تعظیم مقصود نہ ہو تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر قبر کی تعظیم اور تکریم یا تحقیر مقصود نہ ہو تو پاخانہ پیشاب کے علاوہ نشست و برخاست بھی قبر پر جائز ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

قال خارجة بن زيد رأيتني ونحن شبان في زمان عثمان رضي الله عنه وان اشدنا وثبة الذي يثب قبر عثمان بن مظعون حتى يجاوزه وقال عثمان بن حكيم اخذ بيدي خارجة فاجلسني على قبر واخبرني عن عمه يزيد بن ثابت قال انما كره ذلك لمن احدث عليه وقال نافع كان ابن عمر يجلس على القبور۔

ترجمہ: خارج بن زید کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا مجھے کہ ہم لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جوان تھے اور ہم سب عثمان بن مظعون کی قبر پر کود اکرد کتے تھے، حتیٰ کہ اوس سے بھی تجاوز کر جاتے تھے اور عثمان بن حکیم نے کہا کہ خارجہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے قبر پر بٹھایا اور اپنے چچا یزید بن ثابت سے خبر دی کہ یہ قبر پر بیٹھنے کو جو ناپسند کرتے تھے، اس شخص کے لئے جو اس پر حدث کرے، اور نافع کا بیان ہے، کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ قبر پر بیٹھا کرتے تھے، اسی طرح موطا امام مالک میں ہے کان علی یتوسد القبور ویضطجع علیھا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ قبروں پر ٹیک لگایا کرتے تھے، اور لیٹتے بھی تھے، خلاصہ یہ کہ بستی مذکور کے نمازی لوگوں کے پیش نظر نہ تعظیم میت اور نہ تحقیر میت ہے، لہٰذا اس مسجد میں نماز جائز ہوگی، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم

المجیب ابو نعیم محمد عبد الحکیم المدرس والناظم مدرسہ جامعہ عربیہ منظہر العلوم پٹنہ

ھوالموفق:

صورت مسؤلہ میں نفس سوال کا جواب جو فاضل مجیب نے تحریر فرمایا ہے صحیح ہے، یعنی جامع مسجد مذکور فی السوال میں نماز پڑھنی از روئے شرع جائز اور درست ہے، لیکن قبر سے متعلق دو دیگر باتیں جن کے متعلق فاضل مجیب نے اپنے خیال کا اظہار فرمایا ہے، ان کے جواز کے متعلق مجھے کلام ہے،

بلاشبہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کے لئے قبر پر بیٹھنا حرام اور ممنوع ہے اور اگر یہ نہ ہو تو قبر پر بیٹھنا، ٹیک لگانا وغیرہ مختلف فیہ ہے، حنابلہ اور ظاہریہ اس کو بھی ناجائز اور ممنوع کہتے ہیں اور یہی مذہب حق اور راجح ہے، اس لئے کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو احادیث مروی ہیں، ان سے بلاقید و شرط قبر پر بیٹھنا وغیرہ ناجائز اور ممنوع ثابت ہوتا ہے۔

عن جابر قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیہ وان یبنی علیہ (رواہ مسلم ص ۳۱۲ جلد ۱) یعنی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے اور مکان مکان بنانے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یقعد احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر (رواہ مسلم ص ۳۱۲ ج ۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا آگ کے انگارہ پر بیٹھنا کہ اس جگہ کا کپڑا جلا کر چمڑہ بھی جلادے بہتر ہے، قبر پر بیٹھنے سے۔

عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا۔

(رواہ مسلم صہ ۳۱۲ جلد ۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھو،
اسی طرح مسند احمد میں عمرو بن حزم انصاری کی حدیث میں بھی قبر پر بیٹھنے کی ممانعت صراحتہً موجود ہے، اور عمارہ بن حزم کی حدیث رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا متکی علی قبر فقال لا تؤذ صاحب القبر سے بھی قبر پر ٹیک لگانا، بیٹھنا، روندنا ممنوع ثابت ہوتا ہے۔ قال الحافظ اسنادہ صحیح وھو دال علی ان المراد بالجلوس القعود علی حقیقتہ یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث ابوہریرہ کی اسناد صحیح ہے اور حدیث میں لفظ جلوس سے حقیقی معنی میں بیٹھنا مراد ہے۔ علی ہذا القیاس مسند ابو یعلیٰ میں ابو سعید کی حدیث سے جو رجال ثقات سے مروی ہے بہ نھی ان یبنی علی القبور او یقعد علیھا او یصلی علیھا اور طبرانی کبیر میں واثلہ کی حدیث جس کی سند متکلم فیہ ہے قال نھانا ان نصلی علی القبور او نجلس علیھا ہے قبروں پر مکان بنانا، بیٹھنا، نماز پڑھنا وغیرہ ممنوع ثابت ہوتا ہے، اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ کے آثار سے بھی قبروں پر اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، گھر بنانا ناجائز پڑھنا ناجائز اور منہی عنہ ثابت ہے۔

قال النووی فی ھذا الحدیث تحریم القعود والمراد بالقعود الجلوس علیہ ھذا مذھب الشافعیؒ وجمھور العلماء وقال مالک فی الموطا المراد بالقعود الحدث وھذا تاویل ضعیف او باطل والصواب ان المراد بالقعود الجلوس کما فی الروایۃ الاخری مسلم صہ ۳۱۲ جلد ۱ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس جابرؓ کی حدیث میں قبروں پر بیٹھنے کی حرمت موجود ہے۔ یہی مذہب امام شافعیؒ اور تقریباً سارے علماء کا ہے، امام مالکؒ کا موطا میں قعود سے حدث (پاخانہ پیشاب کرنا) مراد لینا ایک باطل اور لغو تاویل ہے، صحیح وہی ہے جو بیٹھنے سے عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری اور حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں: لفظ الخبر مانع من ذلک قطعًا لقولہ علیہ السلام لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر وبالضرورۃ یدری کل ذی حس سلیم ان القعود للغائط لا یکون ھکذا البتۃ وما عھدنا قط احدًا یقعد علی ثیابہ للغائط الا من لا صحۃ لدماغہ اور لکھتے ہیں،

ان الروایۃ ھذہ الخبر لم یتعدوا بہ وجہہ من الجلوس المعھود وما علمنا قط فی اللغۃ جلس فلان بمعنی تغوط انتھی محلی صہ ۱۳۶ جلد ۵

یعنی یہ بالکل واضح ہے جسے ہر سمجھ دار جانتا ہے کہ احادیث عامہ میں جس ممنوع جلوس (بیٹھنا) کا ذکر ہے

وہ جلوس متعارف ہے، جس پر فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ شاہد عدل ہے، بخلاف اس جلوس کے جو بوقت قضاء حاجت ہوتا ہے کیوں کہ اس وقت کپڑا مقعد سے ہٹایا اور ہٹالیا جاتا ہے، رواۃ حدیث میں سے کسی نے بھی جلوس مذکور فی الحدیث سے جلوس متعارف کے علاوہ کوئی دوسرا معنی نہیں بتایا ہے اور نہ ہی کسی لغت میں ہے کہ جب کہا جائے کہ فلاں شخص بیٹھا تو سننے والا سمجھے کہ پاخانہ کیا۔

حنفیہ کے نزدیک قبر پر بیٹھنا وغیرہ مکروہ تنزیہی ہے، اور مالکیہ کے نزدیک اگر قبر مسنّم ہو اور راستہ قبر سے الگ ہو اور یہ بھی گمان ہو کہ شاید میت کا کچھ حصہ قبر میں موجود ہو تو ایسی صورت میں قبر پر بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر ان میں سے کوئی قید منتفی ہو جائے تو قبر پر بیٹھنا بلا کراہت جائز ہے، اور بعض مالکیہ قبر پر بیٹھنے کو بلا کراہت جائز کہتے ہیں بعض شافعیہ بھی مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں، لیکن اکثر شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کی طرح مکروہ تحریمی کے قائل ہیں۔

مکروہ تنزیہی کہنے والے اولاً تو مذکورہ احادیث ہی کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ جلوس سے مراد صرف پاخانہ پیشاب کے لئے بیٹھنا مراد ہے و بس حالانکہ ان کی یہ تاویل قطعاً غلط اور لغو اور بعید از عقل وعرف بھی ہے، جیسا کہ ابھی ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔

اور ثانیہ مندرجہ ذیل حدیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) عن زید بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الجلوس علی القبور لحدث غائط او بول رواہ الطحاوی برجال ثقات یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کی غرض سے قبروں پر بیٹھنے کو منع فرمایا ہے۔

(۲) اثر عبداللہ بن عمرؓ (۳) اثر علیؓ (۴) اثر خارجہ بن زید تابعیؒ (۵) اثر یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ جنہیں فاضل مجیب نے بخاری اور موطا سے نقل کیا ہے۔

اس استدلال کا مختصر جواب یہ ہے کہ زید بن ثابت کی حدیث ہمارے مدعا کے خلاف نہیں ہے، کیوں کہ مطلقاً جلوس علی القبر جبکہ ممنوع اور منہی عنہ ہے تو یہ صورت بدرجہ اولی حرام اور ناجائز ہو گی، اس لئے کہ جلوس کے تمام اقسام سے یہ قسم اقبح ہے۔

رہے آثار جنہیں فاضل مجیب نے تحریر فرمایا ہے تو شاید اس وجہ سے ہیں کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہ کو احادیث نہی مذکورہ نہیں پہنچی تھیں اور انہوں نے اپنے فہم سے کام لیا ہے، پس احادیث مرفوعہ صحیحہ کے ہوتے ہوئے ان آثار سے استدلال کرنا اصول حدیث کے قطعاً خلاف اور باطل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عمر کا یہ اثر ان کے اس اثر کے خلاف ہے جو ابن شیبہ میں باسناد صحیح مروی ہے۔ قال ابن عمر لان اطاء علی رضف احب الی من ان اطا علی قبر

اس پر تو سخت تعجب تھا ہی کہ فاضل مجیب اہلحدیث مولانا و بالفضل اولانا ہیں، اس کے باوجود احادیث صحیحہ مرفوعہ کے ہوتے ہوئے آثار صحابہ سے استدلال کرتے ہیں، جو محدثین یا اہلحدیثوں رحمہم اللہ کے نزدیک قطعاً جائز نہیں، لیکن ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی جب کہ ہماری نظر مجیب موصوف کی اس عبارت پر پڑی، آپ فرماتے ہیں کہ ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام بیت اللہ کے ارد گرد ستر یا پچاس انبیاء علیہم السلام کی قبور پائی جاتی ہیں، اور سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام کے حطیم میں واقع ہے پھر بھی نماز پڑھی جاتی ہے، اور آپ نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں تحفہ سے وہ عبارت نقل کی ہے جو لمعات کی ہے جسے صاحب تحفۃ الحوذی تردیداً ان کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اور ازاں بعد شیخ مبارکپوری مرحوم نے الدین الخالص کی عبارت نقل فرما کر اس کی تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

قلت ذکر صاحب الدین الخالص عبارۃ اللمعات ھذہ کلھا ثم قال رداعلیھا ما لفظہ ما أبرد ھذا التحریر والاستدلال علیہ بذلک التقریر لان کون قبر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ من الانبیاء سواء کانوا سبعین او اقل او اکثر لیس من فعل ھذہ الامۃ المحمدیۃ ولا ھو وھم دفنوا لھذا الغرض ھناک ولا نبہ علی ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا علامات بقبورھم منذ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تحری نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام قبرا من تلک القبور علی قصد المجاورۃ بھذہ الارواح المبارکۃ ولا امر بہ احدا ولا تلبس بذلک احد من ھذہ الامۃ متوا ئمۃ بل الذی ارشدنا الیہ وحثنا علیہ ان لا نتخذ قبور الانبیاء مساجد کما اتخذت الیھود والنصاریٰ وقد لعنھم علی ھذا الاتخاذ فالحدیث برھان قاطع لمواد النزاع وحجۃ نیرۃ علی کون ھذہ الافعال جالبۃ اللعن واللعن امارۃ الکبیرۃ المحرمۃ اشد التحریم انتھی

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص ۲۶۶ ج ۱ ومن ارادہ البسط والتفصیل فعلیہ النظر فی الدین الخالص ص ۳۰۹ جلد ۲

ذرا انصاف کیجیے! صاحب تحفہ تو صاف طور پر لکھ رہے ہیں کہ یہ عبارت جس کو میں ذکر کر رہا ہوں "لمعات" کی ہے، جسے "الدین الخالص" کے مصنف نے نقل فرما کر سخت تردید کی ہے۔

اسی طرح فاضل مجیب آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں، کہ "تحفۃ الاحوذی" کے صفحہ ۲۶۵ میں حسب ذیل عبارت ہے۔ واما من اتخذ مسجداً فی جوار صالح او صلی فی مقبرۃ (الی) عبارت مذکور سے صاف ظاہر ہے، کہ توجہ الی المیت اور تعظیم پیش نظر نہ ہو تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے"

بے شک تحفۃ الاحوذی کے صفحہ مذکورہ میں یہ عبارت ہے۔ لیکن صاحب تحفۃ الاحوذی کی نہیں ہے، بلکہ

مجمع البحار کی عبارت ہے جسے صاحب تحفۃ الاحوذی مجمع البحار سے نقل کر کے تردید کرنا چاہتے ہیں، صاحب تحفہ موٹے خط میں لفظ "تنبیہ" لکھ کر قال فی مجمع البحار لکھتے ہیں پھر عبارت مذکورہ نقل کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں مجمع البحار کی عبارت سے فاضل مجیب کا استدلال بھی لغو اور غیر صحیح ہے اس لئے کہ مجمع البحار کی عبارت کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ماخوذ ہے کیوں کہ کسی صحیح حدیث سے حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قبر کا ہونا یا بیت اللہ شریف کے ارد گرد انبیاء علیہم السلام کی قبروں کا ہونا ہرگز ثابت نہیں ہونا، البتہ مسند الفردوس دیلمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو سخت ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے، پس تا وقتیکہ کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت نہ ہو جائے، اس سے استدلال کی بنیاد محض ہوا پر ہو گی،

حقیقت یہ ہے کہ مجمع البحار کی اس عبارت سے شرک کی بو آرہی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب تحفہ رحمہ اللہ نے اسے نقل کر کے الدین الخالص کی عبارت کے ذریعے تردید کی ہے، چنانچہ ارشاد ہے فمن اتخذ مسجدا فی جوار صالح رجاء برکتہ فی العبادۃ مجارۃ روح ذلک المیت فقد شملہ الحدیث شمولا واضحا کشمس النہار ومن توجہ الیہ واستمد منہ فلا شک ان اشرک باللہ وخالف امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الحدیث وما ورد فی سفاہ ولم یشرع الزیارۃ فی ملۃ الاسلام الا للعبرۃ والزھد فی الدنیا والدعاء بالمغفرۃ للموتی واما ھذہ الاغراض التی ذکرھا بعض من یعزی الی الفقہ والرای والقیاس فانھا لیست علیھا اثارۃ من علم ولم یقل بھا فیما علمت احد من السلف بل السلف اکثر الناس انکارا عن مثل ھذہ البدع الشرکیۃ۔ انتہی

تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۹۶ جلد ۱

ومن شاء البسط والتفصیل فلیرجع الی الدین الخالص من ص ۳۰ ج ۱ الی ص ۳۱ ج ۱

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۲ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں: والحق عندی ان القبر ومحل عبادۃ ولی من اولیاء اللہ والطور کل ذلک سواء فی النھی واللہ اعلم

صاحب سبل السلام ارقام فرماتے ہیں،

قال البیضاوی واما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرک بالقرب منہ لا لتعظیم لہ ولا التوجہ نحوہ فلا یدخل فی ذلک الوعید قلت لا لتعظیم لہ یقال اتخاذ المساجد بقربہ وقصد التبرک بہ تعظیم لہ ثم احادیث النھی مطلقۃ ولا دلیل علی التعلیل بما ذکر والظاھر ان العلۃ سد الذریعۃ والبعد عن التشبہ بعبدۃ الاوثان الذین یعظمون الجمادات التی لا تسمع ولا تنفع ولا تضر ولما فی انفاق المال فی

ذلک من العبث والتبذیر الخالی عن النفع بالکلیۃ۔ انتہی سبل السلام ص۳۵ ج۱

شیخ الاسلام علامہ عبدالرحمٰن بن حسن النجدی فتح المجید میں اس عقیدہ باطلہ کی تردید ان لفظوں میں کرتے ہیں، اقا اذا فصل الرجل وان الصلوٰۃ عند القبور متبرکا بالصلوٰۃ فی تلک البقعۃ فھذا عین المحادۃ للہ ورسولہ والمخالفۃ لدینہ وابتداع دین لم یاذن بہ اللہ وان الصلوٰۃ عند القبور منھی عنہ وانہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اتخاذھا مسجدا۔ انتہی فتح المجید ص۱۸۷ ج۱

ان عبارات کا ماحصل یہ ہے کہ کسی صالح کی قبر کے پاس بقصد تبرک و استفاضہ مسجد بنانی اس صالح کی تعظیم و تکریم کو مستلزم ہے اور یہ بت پرستی سے بالکل مشابہ ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا احادیث نہی کے عموم میں داخل ہے لہذا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی لینی ہے، جو ہر شخص کے لئے قطعاً حرام ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

پس معلوم ہوا کہ فاضل مجیب نے قبر سے متعلق جن خیالات واہیہ کا اظہار فرمایا ہے وہ احادیث مرفوعہ صحیحہ کے سراسر خلاف ہے، نیز اہلحدیث اور اہل الرائے کے عقائد میں فرق ہے۔ اہلحدیث کے نزدیک قبر سے استفاضہ یا حصولِ برکت و مدد کا خیال اور قبر کے پاس مراقبہ وغیرہ قطعاً درست نہیں ہے، اور اہل الرائے کے یہاں یہ سب کچھ درست ہے۔ ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۸ جلد ۱ اور فتح المجید صفحہ ۱۸۸ جلد ۱ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

ازاحقر محمد مسلم غفرلہٗ رحمانی الیف، ایم ——— اخبار اہلحدیث دہلی
مدرس مدرسہ انجمن اصلاح المسلمین سمیل تلاڈ اکخانہ بھادڑ مالدہ ——— جلد ۲ نمبر ۲۳

مسئلہ ایک مسجد کی چیز جب کہ اس مسجد میں ضرورت نہ ہو تو دوسری مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں، اس کو حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے، دوسرے جب اس فالتو چیز کو کام میں نہیں لایا جائے گا تو وہ چیز ضائع ہو جائے گی اور حدیث شریف بخاری میں آیا ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اضاعۃ المال الحدیث یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضائع کرنے سے، جہاں تک ہو سکے اپنی ضرورت میں نہ لے، کسی دوسری مسجد میں دے دی جائے، یا اس کا معاوضہ واجبی دے کر کام میں لے لے، اور اس کی قیمت اس مسجد میں اور کسی ضروریات تعمیر وغیرہ میں صرف کر دے، وقف مال کو بلا وجہ اپنے استعمال میں لینا

درست نہیں، اس میں بہت سے لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، اور مسجد کی وقف شدہ چیز کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں وہ ظالم ہیں، ہذا ماعندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب۔ الاعتصام جلد ۲ ش ۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر دو مسجدیں ایک محلہ میں برائے غرض دین بنا کی جاویں ایک اس میں جامع مسجد ہے۔ اس میں بجز جمعہ اور نماز ظہر و عصر کے دیگر کوئی نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ اسکے گرد و نواح ہنود رہنے والے ہیں۔ اور امام بھی بعد نماز عصر کے اپنے خانہ کو چلا جاتا ہے۔ اور دوسری مسجد مسلمانوں کے بیوت کے کنارے پر ہے۔ اس میں سوائے جمعہ کے نماز بہ جماعت ہوتی رہتی ہے۔ اور نماز جمعہ فریقین اتفاق سے مدت کثیر تک یک جگہ مسجد جامع میں پڑھتے تھے آخر الامر عرصہ ایک ماہ سے بباعث فساد مذہبی کے کہ ہم لوگ دوسری مسجد والے اہل حدیث اور موحدین، انہوں نے ہمارے ساتھ فساد و شر کیا، ہم لوگوں نے واسطے دفع شر کے اپنی مسجد میں علیحدہ جمعہ شروع کیا، دوسرے بھائی ہمارے مسجد والے حنفی مذہب تھے، انہوں نے ہماری مسجد کو مسجد ضرار مقرر کیا۔ اور عدم جواز صلوٰۃ کا فتویٰ دیا، بلکہ ہدم اور احراق کا حکم دیا، مگر بباعث آئین سرکاری کے مجبور رہے اور چند دلیلیں مسجد ضرار ہونے کی ٹھہرائی ہیں۔ اول تو اپنے زعم فاسد کے موجب اس آیت کے مصداق میں داخل کیا:۔

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ الخ

دوسری قال عطار لما فتح اللہ علی عمر بن الخطاب الامصار امر المسلمین ان یبنوا المساجد وامرہم ان لا یبنوا فی موضع واحد مسجدین یضار احدہما الاخر کذا فی الخازن۔ تیسری وقیل کل مسجد بنی مباہاۃ اوریار اور سمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فہو لاحق بمسجد الضرار۔ ہکذا فی المدارک۔

واللہ باللہ ثم تاللہ ہم لوگوں نے صرف تقرب باللہ کی غرض سے عرصہ چار سال سے مسجد کو بنا کیا ہے۔ نہ واسطے خرابات مذکورات کے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات موجود ہے۔ یہی ہمارے حنفی بھائی ہمارے ساتھ اس مسجد میں چند دفعہ نماز پڑھ چکے ہیں۔ مگر اب بباعث مخالفت کے مدت ایک ماہ سے مسجد ضرار ٹھیرا دیا ہے۔ اور ہم نے فتنہ و فساد اور دفع شر کے لیے نماز جمعہ علیحدہ شروع کی، نہ برائے غرض تفریق مومنین کے دیگر کیا اظہار کروں واللہ علیم بذات الصدور شاہد ہے، لہٰذا التماس ہے۔ کہ ضرور فی سبیل اللہ عنایت فرما کر ان تینوں دلیلوں مذکورہ بالا اور قولہ فی موضع واحد

مسجدین یضارا حمد ہما الآخر کا مقصد اور معنی بیان فرمادیں اور جواز اور عدم جواز صلوٰۃ اور ضرار اور عدم
ضرار کا فتوٰی زود تر تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جبکہ اہلحدیث مذکورین نے اپنی مسجد کو عرصہ چار سال سے بنایا ہے اور قسم
کھاتے ہیں کہ اس کو تقرب باللہ بنایا ہے۔ اور اب عرصہ ایک ماہ سے واسطے دفع شر و فساد احناف کے اس مسجد
میں جمعہ شروع کیا ہے۔ تو وہ مسجد اس وجہ سے ہرگز ہرگز مسجد ضرار نہیں ہو سکتی اور اس میں بلا شبہ نماز
جائز و درست ہے۔ اور جو احناف اس مسجد کو مسجدِ ضرار مقرر کرتے ہیں اور اس کے ہدم و احراق کا
حکم دیتے ہیں، اور اس میں عدم جواز کا فتوٰی دیتے ہیں۔ (حالانکہ یہ احناف بھی اس میں چند دفعہ
نماز پڑھ چکے ہیں۔) وہ بہت ہی بڑے ظالم ہیں اور ساعی فی خراب المسجد ہیں۔ اور یہ احناف اس
مسجد کے مسجد ضرار ٹھیرانے میں جو دلیلیں پیش کرتے ہیں، ان میں کسی دلیل سے یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھیر
سکتی، پہلی دلیل آیۃ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا الخ سے یہ مسجد اس وجہ سے مسجدِ ضرار نہیں ٹھیر سکتی
کہ اس آیۃ میں جس کا مسجد کا بیان ہے۔ اس کو منافقوں نے بنایا تھا۔ اور اس کی بنیاد ضرار اور کفر
اور تفریق بین المومنین اور ارصاد لمن حارب اللہ و رسولہ پر تھی، اور صورت مسئولہ میں جس مسجد کو اہلحد[یث]
نے بنایا ہے۔ اس کی بنیاد تقرب الی اللہ پر ہے۔ پس اس آیت سے یہ مسجد مسجد ضرار کیوں کر ٹھیر سکتی
ہے اور قول عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مسجد اس وجہ سے مسجد ضرار نہیں ٹھیر سکتی کہ اس قول کا مطلب یہ ہے
کہ ایک مقام میں ایسی دو مسجدیں نہیں بنانی چاہئیں کہ ایک کی وجہ سے دوسری کو ضرر پہنچے۔ اور سوال
سے ظاہر ہے۔ کہ صورت مسئولہ میں ایک مسجد سے دوسری کو بجز نفع کے کچھ بھی ضرر نہیں ہے۔ پس اس
قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھیر سکتی، اور سوال سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مسجد
دین اور تقرب للہ کی غرض سے بنائی گئی ہے۔ پس تیسری دلیل یعنی قیل کل مسجد بنی مباہاۃ اور ریا
او سمعۃ الخ سے بھی یہ مسجد مسجد ضرار نہیں ٹھیر سکتی۔ اور رفع فتنہ و فساد اور دفع شر کے لیے جو اہلحدیث
نے اس مسجد میں نمازِ جمعہ علیحدہ شروع کی ہے۔ تو اس وجہ سے یہ مسجد ضرار نہیں ہو سکتی، اس واسطے
کہ جب کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے لوگ روکتے ہوں اور فتنہ و شر و فساد کرتے ہوں تو دفع شر
فساد کی غرض سے علیحدہ مسجد بنانا اور اس میں علیحدہ نماز قائم کرنا جائز و درست ہے۔ دیکھو جب
مشرکین مکہ صحابہ رضی کو بیت اللہ شریف میں نماز سے روکتے تھے اور نماز ادا کرنے سے دیتے تھے

تو ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنائی تھی۔ اور اس میں نماز ادا کرتے تھے، جیساکہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم حررہ احمد عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

فتاوٰی نذیریہ جلد اوّل صـ۲۱۴ تا صـ۲۱۶

سوال:۔ مسجد تعمیر کرتے وقت مسجد کا رُخ سمت کعبہ ہونا چاہیئے یا کعبہ عین فرض ہے۔ کیونکہ یہاں پر مسجد تعمیر ہونی ہے کعبہ رُخ میں الجھن ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں سمت کعبہ ہونا چاہیئے کچھ کہتے ہیں کعبہ عین فرض ہے آپ اس پر روشنی ڈالیئے۔ جواب سے جلد از جلد سرفراز فرمائیں اور حضرت امام صاحب سے دریافت فرماکر تحریر کریں تاکہ مسجد کی تعمیر شروع کی جاوے۔

جواب:۔ حدیث شریف میں اہل مدینہ کو آپ نے فرمایا کہ مَابَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَۃٌ۔ یعنی تمہارے لیئے مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ یعنی مشرق اور مغرب کے درمیان جہت قبلہ کو متوجہ ہو جاؤ۔

جب دونوں کے درمیان قبلہ بتایا تو وسط کو لے لینا چاہیئے۔ یہ حکم اہل مدینہ کو تھا۔ اہل عراق وخراسان کا قبلہ جنوب وشمال کے درمیان تھا اسی طرح ہماری سمت ہے۔ کہ ہم مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں تو ہمارا قبلہ جنوب شمال کے درمیان مغرب کی طرف ہے۔ ہم کو وسط کا خیال کرنا چاہیئے۔ باقی بیت اللہ تو ایک چھوٹا سا مکان ہے جو شخص اس کے پاس ہوگا اس کو تو عین بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ اور جو دور ہوکر اس سے غائب ہوگا اس کو صرف سمت اور جہت کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ عین قبلہ تو کسی کے سامنے نہیں آسکتا یہ محال ہے۔ یہ کون اندازہ کرسکتا ہے کہ جہاں نماز کھڑی ہے وہاں سے قبلہ عین اس کی پیشانی کے سامنے واقع ہے۔ ہاں سب جہت کا اندازہ رکھتے ہیں۔ پس آپ صاحبان وسط کا اندازہ کرکے جنوب شمال کے درمیان مسجد تعمیر کردیں کہ مغرب کی طرف قبلہ رخ ہو۔ ہذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری

الجواب صحیح ابو محمد عبدالستار غفرلہ جواب صحیح ہے عبدالقہار غفرلہ نائب مفتی کراچی

فتاوٰی ستاریہ جلد چہارم صـ۱۴۷

باب تولیت مسجد

سوال : زید ایک مسجد کا امام بھی ہے اور متولی بھی ، مسجد کی کچھ جائداد ہے ۔ یعنی دکانیں وغیرہ ، عمرو ایک غریب شخص نے ان سے اپنی غربت اور مجبوری ظاہر کر کے کرایہ میں رعایت کی درخواست کی ، جو زید نے مان لی حالانکہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ کرایہ دینے کے لئے تیار ہیں ۔ کیا زید کسی کو رعایت دینے کا حق رکھتا ہے ۔

(شہاب الدین ثاقب مہدانواں)

الجواب : جہاں تک میری تحقیق ہے ، زید کو اپنی ذاتی ملک اور جائداد میں تو رعایت دینے کا حق حاصل ہے مگر وقف میں جس کا وہ امین ہے یہ حق حاصل نہیں ہے ۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۴ ش ۲

سوال : اگر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے کارکن زیادہ تر بے نماز ہوں تو کیا ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نمازیوں کو یہ کہہ دیں کہ تم مسجد کے انتظامی امور میں بات کرنے کا حق نہیں رکھتے اور امام کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ آپ کے مقرر کردہ وقت پر نماز پڑھائے ؟ محمد عبداللہ راولپنڈی

الجواب : مسجد کے عمومی انتظام میں تو بیشک عوام کو دخل دینا چاہیئے ، مگر اوقات نماز کا تقرر تو انتظامیہ کمیٹی سے تعلق نہیں رکھتا ، اس کا تعلق تو امام اور مقتدیوں سے ہے ، لہٰذا دونوں کو باہم تصفیہ کر لینا چاہیئے اور ایک وقت مقرر کر کے اس کی پابندی کرنی چاہیئے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلاف پیدا نہیں کرنا چاہیئے ۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ ش ۱۲

سوال : اگر کسی ایک امام کا مقلد بادشاہ ہو یا کوئی اور مسجد بنا دے تو وہ مسجد بنانے والے کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا نہیں ؟ اور ہر مسجد میں ہر مسلمان اپنے طور مشروع پر مستحق نماز پڑھنے کا بیک وقت و بیک جماعت ہے یا نہیں ؟

الجواب : مسجد بنانے والے کی ملکیت میں نہیں رہتی اور اس میں سب مسلمان بطور شروع نماز ادا کر سکتے ہیں، اور ایک وقت اور ایک جماعت سے بھی پڑھ سکتے ہیں، مگر ایک ساعت میں ایک ہی مسجد میں دو جماعت نہیں پڑھ سکتے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ ش ۳۸

سوال : جمال نامی شخص نے مسجد بنائی اور اس کو اپنے نام سے منسوب کرتا ہے، مثلاً مسجد جمالیہ اب زید کہتا ہے کہ ایسی مسجد میں نماز نہیں ہوتی، مسجد خالص ثوابی نیت سے بنائی جائے نہ کہ لوگوں کے دکھانے کے لیے کیا زید کا کہنا ٹھیک ہے۔؟ سید عزیز اللہ بن حاجی سید نعمت اللہ مدراس

الجواب : بخاری شریف میں ایک باب ہے۔ باب مایقال مسجد بنی فلاں. یعنی فلاں کی مسجد کہنا جائز ہے۔ باقی رہا سوال ریاء کا تو وہ الگ چیز ہے، ریاء تو ہر حال میں بُرا ہے۔ نام رکھے یا بے نام بنائے، ہر حال میں ریاء ہو سکتا ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صہ ۲۶۶

سوال : متولی مسجد کو شرعاً مسجد میں کس امر کا اختیار ہے جس کو وہ بلاشبہ دیگر مصلیان مسجد باختیار خود کر سکتا ہے۔ جھاڑو کش و مؤذن مسجد جو سب کی رائے سے رکھا گیا ہو اور لوگ اُس سے خوش ہو بظاہر قصور اُس کا نہ ہو۔ متولی اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے یا مسجد میں دخل و تصرف و حکومت حاصل کرنے کی غرض سے اس کو موقوف کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس طرح امام مسجد جو تمام مصلیوں کی رائے اور رضامندی سے رکھا گیا ہو اور عرصہ دراز تک نماز پڑھاتا رہا ہو اور سب لوگ اُس سے خوش ہوں۔ اُس کو متولی محض اپنے اختیار سے بلامشورہ دیگر مصلیان کے موقوف کر سکتا ہے یا نہیں۔ اسیطرح بلامشورہ دیگر مصلیان مسجد صرف اپنی رائے سے کسی امام اور مؤذن کو مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : متولی مسجد کے متعلق یہ کام ہوتے ہیں۔ مسجد کا انتظام حسب شرع اور اس کی آمدنی کا وصول و تحصیل اور اس کو مصارف ضروریہ میں صرف کرنا اور امام و مؤذن کو مقرر کرنا۔ سو یہ تمام امور بغیر مشورہ مصلیان مسجد نہ ہونے چاہئیں، بلامشورہ کارروائی کرنے میں اندیشہ ہے۔ کہ اہل مسجد کو متولی کی نسبت کسی کارروائی کی وجہ سے بدگمانی و ناراضگی پیدا ہو جائے اور نزاع کی صورت قائم ہووے۔ جبکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی تاکید فرمائی چنانچہ فرمایا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ باوجودیکہ آپکی نسبت یہ فرمایا اَلنَّبِيُّ

اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (مطلب اسکا یہ ہے کہ نبی کو مومنوں کے جان و مال میں اس قدر تصرف ہے کہ اتنا خود اُن کو نہیں ۔) تو پھر نبی کے سوا اور لوگوں کو مشورہ کی کس قدر ضرورت ہے ۔ آپ کے مشورہ کی کیفیت جا بجا احادیث میں مذکور ہیں ۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی یہ صفت فرمائی ہے وَاَمْرُہُمْ شُوْرٰی بَیْنَہُمْ امام و مؤذن مسجد کو متولی بغیر مشورہ مصلیان کے بلا وجہ شرعی ہرگز نہیں موقوف کر سکتا ، خصوصاً جب کہ دیگر مصلیان خوش ہوں ۔ اور جب اہل مسجد کسی امام سے ناخوش ہوں تو ایسے امام کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ایسے امام کو مقرر کرنا درست ہے ، عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلاثۃ لا یقبل اللہ منہم صلوٰۃ من تقدم وہم لہ کارہون الحدیث رواہ ابوداؤد وابن ماجہ کذا فی المنتقی ، یعنی اللہ تعالیٰ اُس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو امامت کے لیے آگے بڑھے اور لوگ اس کی امامت سے ناخوش ہوں۔ اس کے ہم معنی اور بھی چند روایتیں آئی ہیں ۔ حدیث مذکور کے تحت میں نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے واحادیث الباب یقوی بعضہا بعضاً فینتہض للاستدلال بہا علی التحریم ان یکون الرجل اماما لقوم یکرہونہ ویدل علی التحریم نفی قبول الصلوٰۃ آگے چل کر لکھا ہے وقد قید ذالک جماعۃ من اہل العلم بالکراہۃ الدینیۃ بسبب شرعی فاما الکراہیۃ لغیر الدین فلا عبرۃ بہا وقیدوہ ایضاً بان یکون الکارہون اکثر المامومین ولا اعتبار لکراہیۃ الواحد والاثنین والثلاثۃ یعنی اہل علم کی ایک جماعت نے یہ قید لگائی ہے کہ مقتدیوں کا امام سے کراہت کرنا شرعی وجہ سے ہونا چاہیئے ' اگر کراہت کسی دینی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور غرض سے ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ۔ اور اہل علم مذکورین نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ کراہت اکثر مقتدیوں کی ہونی چاہئی ' ایک دو کی کراہت کا اعتبار نہیں جب کہ مقتدیوں کی جماعت کثیرہ ہو ۔

ھذا ما عندی خلیل الرحمٰن مدرس مدرسہ الحدیث والفرقان

جواب ہذا صحیح کتاب و سنت کے مطابق متولی صاحب کو مشورہ کرنا چاہیئے مشورہ سے کام کرنا بہتر ہے اور مشورہ کا مسئلہ صحیح بخاری میں بسط کے ساتھ لکھا ہے ۔ فقط ابو محمد عبدالوہاب الملتانی نزیل الدہلی ۔

الجواب صحیح ابوالحسن سید محمد ہذا الجواب حق عبدالرحمٰن ولایتی مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی

الجواب صحیح کتبہ محمد عبداللہ ۱۹ شعبان ۱۳۲۸ھ الجواب صحیح سید محمد عبدالسلام غفرلہ

الجواب حق الحق احق ان یتبع فماذا بعد الحق الا الضلال مولانا حکیم ابوتراب عبدالوہاب صاحب بقلم ابوالخیر غفرہ اللہ تعالیٰ

الجواب صحیح عبدالستار حسن عمرپوری الجواب صحیح عبدالجبار عمرپوری

الجواب حق صحیح واللہ اعلم کتبہ عبدالسلام المبارکفوری عفی عنہ جواب المجیب حق

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ عنہ عبدالحکیم الصادقفوری العظیم آبادی عفی عنہ

سارے جوابات صحیح ہیں واللہ اعلم بالصواب ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

حررہ العبد الفقیر ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

ہذا الجواب صحیح محمد مجیب اللہ عفی عنہ

محمد عین الدین عفی عنہ مٹیا برجی العائذ بالرحمن عبدالمنان عفی عنہ وزیر آبادی

حامداً و مصلیاً

واضح ہو کہ خلیلی ۔ مدرس الحدیث والفرقان نے جو کچھ ان مسائل کے نسبت تحریر فرمایا ہے وہ بہت صحیح اور نہایت درست ہے ، غافلوں کو بیدار ، عاقلوں کو ہوشیار کرنے کے لئے کافی وافی ہے اور اس پر علمائے کرام و فضلائے عظام کی تصحیح مرض غفلت کے لئے دوائے شافی ہے ۔ مگر میں جہاں تک خیال کرتا ہوں ان سوالوں کی ضرورت متولی صاحب کی ذاتی مخالفت پر پاتا ہوں جو بصورت عجز شرعی پہلو سے ہو کر نکلی ہے ، اگر یہ خیال میرا صحیح ہے تو اس جیسے ہزاروں فتوے بھی متولی صاحب کو روبراہ نہیں کر سکتے ، کیوں کہ ہر مسببات کا ازالہ اسباب کے ازالہ سے ہوا کرتا ہے ، پس میرے نزدیک مناسب تدبیر یہی ہے کہ اسی مسجد کے ممتاز مصلیان مل کر سعی کریں اور مابہ المخالفۃ کو اٹھاویں ۔ اگر وہ لوگ نہ کر سکتے ہوں تو مسلم الطرفین ، و معتقد الجانبین علماء کو تکلیف دیں کہ آپس میں صلح کرادیں ، اور اگر واقعی وہ خیال میرا صحیح نہیں ہے بلکہ متولی صاحب کو ان مسائل کے نسبت بھی معلوم ہے کہ مسجد میں سونا یا تعلیم صبیان وغیرہ جائز ہی نہیں ہے یا متولی من حیث متولی ہونے کے مالک اور مختار ہے ہو جاتا ہے ۔ مصلیان مسجد سے کسی امر میں مشورہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی تو متولی صاحب اس فتویٰ مصحح کو صدق دل اور اخلاص سے ملاحظہ کریں اور شریعت سے جو بات ثابت ہو ۔ اس پر عمل درآمد کریں ، حق بات کے قبول کرنے میں ذرا بھی عار نہ کریں ۔

اولاً اس امر میں خوب غور کریں کہ شریعت محمدیہ کی بنا فیما بین اتفاق اور باہمی مشورہ پر ہے ، خود سرور کائنات خلاصہ موجودات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے صحابہ سے مشورہ لینے کو فرمایا ہے ۔ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ باوجودیکہ ہر کام کے لئے وحی آتی رہتی تھی ، اور مسلمانوں کی ایک خاص اور ممتاز صفت فرمائی گئی وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ

سَمحَائکُمْ وَ اُمُورُکُمْ شُورٰی بَیْنَکُمْ فَظَهرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَ اِذَا کَانَ اُمَرَاءُ کُمْ شِرَارُکُمْ وَ اَغْنِیَاءُ کُمْ بُخَلَائَکُمْ وَ اُمُورُکُمْ اِلٰی نِسَائِکُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَهْرِهَا یعنی اے مسلمانوں ۔ جب تمہارے سردار اچھے کام کریں اور مالدار لوگ سخاوت کریں اور تمہارے کام آپس کے مشورے سے ہوں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے اُس کے اندر رہنے سے اچھا ہے ۔ اور اگر اس کے اُلٹے سب کام ہوں تو زمین کے اندر دفن ہونا تمہارے لئے اُس کے اوپر رہنے سے بہتر ہے ۔ یہ حدیث قابلِ غور و لائق عبرت ہے متولی صاحب اس پر غور کریں ۔ اور ہرگز اپنے آپکو مختار محض نہ سمجھیں بلکہ ہر کام کے لئے مصلیان مسجد سے مشورہ کرلیں ۔ مشورہ سے جو بات طے ہو اُس کو نافذ کریں ۔ اور مسجد کی آبادی اور اس کی آمدنی کا بھی خیال رکھیں ۔ میرے نزدیک ایسا متولی قابل تولیت نہیں ، جو آپس میں مشورہ نہ کرے ۔ اور جو جی میں آئے خود رائی سے سیاہ و سفید کرے ، بلکہ متولی ایسے کی تولیت بالکل ناجائز ہے ۔ کیوں کہ جب شریعت سے امامت کے متعلق صاف طور پر حکم ہے کہ ایسا ہرگز امام نہ بنایا جائے جس کی امامت سے لوگ ناراض ہوں ۔ تو بھلا وہ متولی کیسے قابل تولیت کے ہو سکتا ہے ۔ جس کی خود رائی سے لوگ تنگ ہوں ، صورت سوال سے صاف ظاہر ہے کہ متولی صاحب محض جابرانہ تولیت چلانا چاہتے ہیں ، جو ان کو کسی طرح جائز نہیں ، پس بحکم قانون آسمانی تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ مصلیان مسجد کو چاہیئے کہ متولی صاحب کو روکیں ورنہ معزول کردیں ۔

وهذا هو الحق والحق ان يتبع والسلام على من اتبع الهدى ۔

حررہ الراجی رحمۃ ربہ القوی ابوالنعمان الاعظمی الصری صانہ اللہ عن کل غبی وغوی الجواب صحیح العبد محمد سلیمان عفی عنہ

(فتاویٰ متعلق مساجد طبع کلکتہ)

باب اوقاف المساجد

سوال: زید فوت ہوگیا، وارثوں میں بیوی اور ایک لڑکا چھوڑا، پھر کچھ دن کے بعد زید کا لڑکا فوت ہوگیا، اس نے تین وارث چھوڑے، بیوی، لڑکی، ماں۔ ابھی تک کوئی بٹوارا نہیں ہوا، زید کی بیوی تنہا رہ گئی، جس مکان میں رہتے تھے، وہ مکان زید کا خریدا ہوا تھا، اس مکان کو مسجد میں وقف للہ کر دیا اور وقف نامہ میں یہ بھی تحریر کیا ہے آج کی تاریخ سے وقف للہ کر دیا اور لکھ دیا کہ آج کی تاریخ سے متولی رہوں گی اور مکان کا کرایہ آٹھ روپیہ ماہوار ہے۔ جو کچھ میرے خرچ سے بچتا رہیگا اس کو مسجد میں ہر ماہ دیتی رہوں گی، اور یہ وقف نامہ زید کے رشتہ داروں سے پوشیدگی میں کیا گیا تھا، کیوں کہ زید کے بھتیجے ترکہ مانگ رہے تھے، اس لئے اس نے خفیہ طور پر کر دیا تھا، جب زید کے بھتیجوں (جو زید کے لڑکے کے چچا زاد بھائی ہوئے تھے) اور زید کے لڑکے کی بیوی نے سنا کہ مکان وقف کر دیا تو فوراً جا کر قبضہ کر لیا، استفتاء کرانے سے زید کی بیوی کا حصہ ہر آنے ہر پائی نکلا، زید کے اور زید کے لڑکے کو ملا کر اتنا ترکہ ملا تھا۔ اب اس کے بعد زید کی بیوی فوت ہوگئی، جو اسی مکان کے ایک حصہ میں زید کی زندگی ہی سے سکونت رکھتی تھی، اس کے بعد زید کی بیوی کے والدین نے قبضہ کر لیا، زید کے بھتیجوں نے اپنا اپنا حصہ فروخت کر ڈالا اور ساتھ ہی اس حصہ کو جو زید کی بیوی کا تھا فروخت کر دیا، یعنی ترکہ کا کل مکان فروخت ہوگیا، بڑھیا کے مر جانے کے بعد متولیوں نے جن کو بڑھیا نے متولی بنایا تھا، عدالت میں دعویٰ دائر کیا، اور وقف نامہ ناجائز قرار دیا گیا، چونکہ مکان زید کے نام سے تھا، اس لئے عدالت نے کہا کہ اپنا اور غیروں کا حصہ بھی وقف کر دیا، اس لئے ہم نے اسے ناجائز کر دیا، اس کو عرصہ چار پانچ برس کا ہوا، عملدرآمد نہ بڑھیا کے مرنے کے بعد رہا نہ زندگی میں رہا، نہ دوسرا وقف نامہ تحریر کیا، متولیوں نے عدالت کو یہ کہا کہ ہم لوگوں کا قبضہ دلایا جائے۔

اور بڑھیا نے وقف نامہ یہ تحریر کیا کہ ہم نے اپنی زندگی میں وقف نامہ دیدیا، اس صورت میں بڑھیا کا حصہ وقف ہوگیا، یا وصیت ہوئی؟ اگر وصیت ہوگی، تو کتنے وصیت جائز ہوگی، مکان کا اب تک بٹوارہ نہیں ہوا، بعض علماء کہتے ہیں کہ بغیر بٹوارے کے وقف ناجائز ہے، اور بعض کہتے ہیں، جائز ہے۔ ان میں صحیح کون ہے اور

غلط کون ؟ قرآن و حدیث سے مدلل فرمائیے ۔

وقف نامہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس میں کوئی شریک نہیں، اب متولیوں کو نالش کرنے کی ہمت نہیں پڑتی کہ بڑھیا کا جتنا حصہ ہے اتنے حصہ کے وقف کی بابت پھر نالش کی جائے، یہ چار آنہ ۴ پائی کا حصہ دو آدمیوں نے خریدا ہے، اس صورت میں متولیوں کا یہ ارادہ ہے کہ جو ۴ آنہ ۴ پائی کا حصہ دو آدمیوں نے خریدا ہے ان سے کچھ روپیہ لے کر دعویٰ عدالت میں کر دیں، کیوں کہ مقدمہ میں ہر جانے کا احتمال ہے، اس صورت میں مسجد کے روپیہ کا نقصان ہوگا، تو ان خریداروں سے روپیہ لے کر مسجد میں لگا دیا جائے، کہ بڑھیا کے روح کو ثواب پہنچے، شریعت متولیوں کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں ؟ فقط السائل، سلیمان شہر کانپور

الجواب : وقف شے کا فروخت کرنا درست نہیں، بڑھیا کا حصہ ۴ آنے ۴ پائی وقف ہے، جن دو آدمیوں نے خریدا ہے، انہوں نے غلطی کی ہے، یہ ان کی ملکیت نہیں ہو سکتا، اس کا کرایہ مسجد کو ادا کریں یا چھوڑ دیں تاکہ کسی اور کو کرایہ پر دیدیا جائے یا مسجد کے کسی اور کام میں آئے خریدنے والے اپنا روپیہ جن سے خریدا ہے ان سے مطالبہ کریں دے دیں تو بہتر ورنہ قیامت کو فیصلہ ہوگا، لیکن وقف شے پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا، وقف شے بدستور وقف ہی رہے گی، کیوں کہ وقف شے کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ لا یباع اصلها ولا یورث ولا یوهب (بلوغ المرام باب الوقف) یعنی نہ اس کا اصل فروخت کیا جائے نہ وراثت میں لیا جائے نہ ہبہ کیا جائے ۔

عبداللہ امرتسری "مدیر تنظیم" روپڑ | تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد نمبر ۸ ش نمبر ۳۴

سوال ، مسجد کی وقف شدہ زمین وغیرہ کی آمدنی کو جو مسجد کی حوائج ضروریہ سے فاضل ہو مدرسہ یا دیگر امور شرعیہ میں استعمال کیا جا سکتا ہے ، یا نہیں ۔ خصوصاً تبلیغ اسلامی (تحریری یا تقریری) میں خرچ کرنا از روئے شرع کیا حکم ہے ؟ مدلل جواب مرحمت فرماویں ۔

الجواب : صورت مسئولہ میں اس آمدنی کا استعمال دینی مدارس اور اسلامی تبلیغ اور دیگر امور شرعیہ میں کر سکتے ہیں ، کیوں کہ یہ سب فی سبیل اللہ کام ہے ۔ حضرت عمر رضا نے بیت اللہ شریف کے خزانے کو جو بیت اللہ شریف کے خزانے کو جو بیت اللہ شریف کی ضرورت سے زائد تھا ، غرباء اور مساکین ویتامیٰ و دیگر مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا ۔ بخاری شریف کتاب الحج باب کسوۃ الکعبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمته، قلت ان صاحبیك لم یفعلا قال

هُمَا الْمَرْءَانِ أَقْتَدِي بِهِمَا "

یعنی انہوں نے کہا کہ میرا قصد ہے کہ کعبہ میں جتنا سونا چاندی ہے اس میں سے کچھ بھی نہ رکھوں، سب بانٹ دوں، میں نے کہا کہ آپ کے (پیشرو) دونوں ساتھیوں نے تو ایسا نہیں کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں دونوں صاحبوں کی تو میں پیروی کر رہا ہوں" ان دونوں صاحبوں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کہا جاتا ہے کہ کعبہ کے تلے ایک بہت بڑا خزانہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے کھودنے کا ارادہ کیا تھا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے خزانہ سے مراد وہ آمدنی ہے جو بطور نذر و نیاز کے حاجی اور زائرین چڑھاتے تھے اور وہ آمدنی کی صندوق میں جمع رہتی تھی، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب وہاں کی آمدنی کی تقسیم جائز ہے تو کعبہ کا غلاف بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے اور حضرت عمرؓ کعبہ کے غلاف کو ہر سال نکال کر حاجیوں پر تقسیم کر دیا کرتے تھے، تو جب کعبہ شریف کا غلاف جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہو غریبوں، مسکینوں اور حاجیوں پر تقسیم کرنا جائز ہوا تو دیگر مساجد کی آمدنی جو ان کی ضرورت سے زائد ہے اسلامی کاموں پر خرچ کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہوگا، جس طرح کعبہ کا غلاف کا کعبہ شریف کے لئے وقف ہوتا ہے، اور یہ وقف ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کر دیا گیا اور خرچ کیا جا سکتا ہے تو دیگر مساجد کی آمدنی ان مصارف میں بدرجہ اولیٰ خرچ کی جا سکتی ہے۔ اس کی دلیل مفصل فتح الباری میں موجود ہے، جو مضمون بالا کی تائید کرتی ہے۔ (مولانا) عبد السلام بستوی

اہلحدیث دہلی جلد ۴ ش ۱

سوال: زید کا مسجد وغیرہ کے لئے اپنی زمین وقف کرنا حکومت کی اجازت کے بغیر مکمل ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسی مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں، ایسی مسجد ضرار کہی جا سکتی ہے کیا ایسی مسجد بنانے والوں سے عمرو بکر کا اقتصادی تعلق منقطع کرنا، اور ان کی شادی و غمی میں شریک ہونے سے لوگوں کو روکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب زید نے اپنے حصہ کی زمین وقف کر دی تو اس کا یہ وقف درست ہے، حکومت سے وقف کرنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ضابطہ کے لئے حکومت کے رجسٹر میں یا سرکاری اسٹامپ پر درج کرانا پڑتا ہے۔ اور اس مسجد میں نماز ایسا ہی درست ہے جیسا کہ اور تمام مسجدوں میں۔ مسجد کے لئے زمین آسمان سے نہیں اترتی، عموماً مسجدیں وقف کردہ زمینوں ہی پر بنائی جاتی ہیں۔ بکر و عمر غلطی پر ہیں، اور وہ اس آیت کا

مصداق ہیں وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ الخ

عمرو بکر سخت مجرم ہیں، ذاتی عناد کی وجہ سے مسجد کو چھوڑ کر گھر یا دوکان میں نماز پڑھنا درست نہیں، ایسی مسجد کو ضرار کہنا بھی گستاخی بلکہ کفر ہے، تجہیز و تکفین اور شادی بیاہ میں شرکت کرنے سے روکنا تعدی اور ظلم ہے۔ بکر و عمر کو ایسے افعال سے توبہ کرنی چاہیئے۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی اہلحدیث دہلی جلد ۲ ش ۱۵

سوال: مسلمانوں کے مقبرہ کا درخت مسجد کے مصرف میں یا اپنے ذاتی کام میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مقبرہ بھی وقف ہوتا ہے اور مسجد بھی وقف ہے۔ ایک وقف کا مال دوسرے وقف میں لگانا درست ہے۔ لیکن اپنے کام میں لانا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(مولانا) عبدالسلام بستوی اہلحدیث دہلی جلد ۹ ش ۱

تشریح: قبرستان کا متولی اپنے ذاتی کام میں استعمال کرسکتا ہے اور اپنے دوست احباب یا اقرباء کو عطیہ کے طور پر دے سکتا ہے۔ جیسا کہ وقف شدہ باغ سے باغ کا متولی خود بھی کھاسکتا ہے اور اپنے احباب کو بھی کھلاسکتا ہے۔ کتب حدیث باب الاوقاف کا مطالعہ کریں۔ الراقم علی محمد سعیدی

سوال: وقف شدہ مال کسی معین مسجد و مدرسہ کا دوسری جگہ کسی دینی امر میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس مسجد و مدرسہ سے بچ رہے اور اس میں ضرورت نہ ہو۔

الجواب بعون الوهاب: ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کردیا، جس سے مقصود اس کا جہاد تھا، اس کے بعد اس کو حج کی ضرورت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دیدی اور فرمایا یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد یا مدرسہ کی شے، جب ک[ہ] فالتو ہو، دوسری مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا کوئی حرج نہیں، کیونکہ "یہ سب فی سبیل اللہ ہے۔"

تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۱ ش ۱۸

سوال: اگر مسجد کا موقوفہ شامیانہ بالکل بودا اور کمزور ہوگیا ہو اور قابل مرمت نہ رہے اور آئندہ رکھنے سے اور بھی زیادہ نقصان ہو اور بالکل بے مصرف ہوجائے تو ایسے شامیانہ موقوفہ کو لولے، لنگڑے، جذامی، محتاج

اور اپاہج کو تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سید وجاہت حسین سورجگڑھ ضلع مونگیر

الجواب: ایسے شامیانہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد پر صرف کر دی جائے یا شامیانہ ہی کو مجبور و معذور محتاجوں پر تقسیم کر دیا جائے، دونوں جائز ہے ذکر الازرقی ان عمر کان ینزع کسوۃ الکعبۃ کل سنۃ فیقسمھا علی الحاج وعندہ ایضا عن ابن عباس وعائشۃ انھما قالا لا باس ان یلبس کسوتھا من صارت الیہ من حائض وجنب وغیرھا۔ وقالت عائشۃ لشیبۃ بیعھا فاجعل ثمنھا فی سبیل اللہ و فی المساکین اخرجہ الفاکھی والبیھقی

محدث دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۱

سوال: ایک شخص نے ایک مسجد کو نمازیوں کے وضو کرنے کے لئے تانبے کا اتنا بڑا برتن وقف کیا ہے جس میں دس مٹکے کے قریب پانی آتا ہے مگر اب اس مسجد میں وضو کے لئے ایک حوض بنا دیا گیا ہے جس سے برتن (ٹانکی) بالکل بیکار ہو گیا ہے۔ اس میں پانی بھرنے کی ضرورت نہیں، متصل حوض کے پانی سے وضو کرتے ہیں، اب اس برتن کی اس مسجد میں مطلق ضرورت نہیں ہے۔ اور دوسرے گاؤں میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے جس میں وضو کے پانی کے لئے برتن کی ضرورت ہے، پس کیا یہ برتن اس نئی مسجد میں لیجا سکتے ہیں؟ اور کیا ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟ شیخ محمد اودھیکاری۔ از قلابہ

الجواب: جب وقف شدہ چیز بیکار ہو جائے یا ضائع ہوتی ہوئی نظر آئے تو ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے کہ وہ ضائع نہ ہو، اور کار آمد ہو سکے، مثلاً اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اسی موقوف علیہ مسجد پر لگا دے یا کسی دوسرے مسجد میں اس چیز کی ضرورت ہو تو اس میں صرف کر دی جائے عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا ان قومک حدیث عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لانفقت کنز الکعبۃ فی سبیل اللہ ولجعلت بابھا بالارض ولادخلت فیھا من الحجر (مسلم)

کنز کعبہ سے مراد وہ اموال ہیں، جو زائرین خانہ کعبہ نذر کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ یہ خزانہ بیت اللہ کی ضروریات اور حاجت سے زائد ہے تو فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن عذر مذکور فی الحدیث کی وجہ سے اس ارادہ کو پورا نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ وقف شدہ چیز بیکار ہو جائے یا ضائع ہوتی ہوئی نظر آئے تو ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے کہ وہ ضائع نہ ہو۔

محدث دہلی جلد ۸ ش ۲

سوال: مسجد کا روپیہ مسجد کے علاوہ مدرسہ یا سڑک بنانے میں صرف کرنا یا کسی کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کا روپیہ جس کو مسجد کی تعمیر یا مرمت یا موذن وخدام کی تنخواہ یا فرش وروشنی وغیرہ جیسے امور کے لئے دینے والے کی طرف سے مخصوص نہ کیا گیا ہو بلکہ بغیر تعین جہت اور مصرف کے مسجد پر وقف کر دیا گیا یا دیدیا گیا ہو اور جو اس مسجد کی ضروریات سے فاضل اور زائد ہو اس مسجد کے علاوہ دوسری مسجد یا مدرسہ یا ایسے نیک کاموں پر خرچ کر سکتے ہیں، جن سے اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی تبلیغ ہوتی ہو۔

عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا ان قومک حدیثو عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لانفقت کنز الکعبۃ فی سبیل اللہ ولجعلت بابھا بالارض ولادخلت فیھا من الحجر (مسلم)

کنز کعبہ سے مراد وہ اموال ہیں، جو زائرین خانہ کعبہ کی نذر کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ یہ خزانہ بیت اللہ کی ضرورت سے زیادہ ہے، تو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن عذر اور مصلحت مذکورہ فی الحدیث کی وجہ سے اس ارادہ کو پورا نہیں فرمایا۔ مسجد کا ایسا روپیہ دیانتداروں کو باضابطہ قرض بھی دے سکتے ہیں، سڑک اور پل اور پارک جیسے امور میں نہیں خرچ کرنا چاہیئے کہ یہ مواضع "سبیل اللہ" سے خارج اور باعث اعلاء کلمۃ اللہ وتشہیر اسلام نہیں ہیں۔ (مولانا) عبید اللہ رحمانی

محدث دہلی جلد ۱۰ ش ۷

سوال: کسی مسجد کا پرانا ملبہ چھت کی لکڑیاں کوئی شخص خرید کر اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

(محمد ابراہیم دلاور)

الجواب: اگر مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو اور متولی مسجد یا نمازی فیصلہ کریں کہ پرانا سامان فروخت کر کے نیا خرید کر لیا جائے تو جائز ہے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ ش ۱۷ ر ۳۱، ۳۲

سوال ، محاریب مروّجہ کہ در مسجداند درین زمان در عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بودند یا نہ بودند۔

الجواب : محاریب مروّجہ در مساجد در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زمانہ خلفا در اشدین نبود حدوث این محاریب در مائتہ ثانیہ از ہجرت است سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در اوائل نوشتہ اوّل من احدث المحراب المجوف عمر بن عبد العزیز حین بنی المسجد النبوی ذکرہ الواقدی عن محمد بن ھلال سمہودی در وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ نوشتہ المسجد الشریف لم یکن لہ محراب فی عہدہٖ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن الخلفاء بعدہٖ و اوّل من احدثہ عمر بن عبد العزیز فی امارۃ الولید وسیوطی در اعلام الاراتیب فی بدعۃ المحاریب نوشتہ ان قوما خفی علیھم کون المحراب فی المساجد بدعۃ ۔ سوا انہ کان فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زمنہ ولم یکن قط فی زمانہ ولا فی زمان الخلفاء فمن بعدھم الی المائۃ الاولی وانما حدث فی اول المائۃ الثانیۃ مع ورود الحدیث بالنہی عن اتخاذہ وانہ عن شان الکنائس وان اتخاذہ فی المسجد من اشراط الساعۃ انتہی ۔ ملا باقر آگاہ در ایقاظ النیام نوشتہ از سلف صالح تکرار جماعت وحدوث محاریب وائمہ در چہار جہت کعبہ بثبوت نرسیدہ و نیست این تکرار مگر از حوادث زمان و نوائب دوران وحدوث این محاریب در مکہ معظّمہ در سنہ ہفت صد و سی سال است وحدوث جماعت ثانیہ در مکہ مکرّمہ در سنہ ہشت صد و شصت سال وحدوث محراب ثانی آن بعد سنہ نہصد و چہل سال بوقوع پیوست ہر چند علما ء آن زمان مساعی نمایاں در منع آن کار فرمودند مفید نشد و کان قدرًا مّقدورًا پس در ظنون واوہام عوام این خیال خام استحکام یافت کہ امریست معروف کہ اہل حرمین آنرا پسند کردہ اند انتہیٰ غرض کہ اتخاذ محاریب بطوریکہ مروج ست در عہد نبوی نہ بود بلکہ اصل آن از نصاری ست و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازان منع فرمودہ وحدوث آن در عہد تابعین گشتہ واز جمعے از صحابہ بران انکار رفتہ اخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن موسی الجھنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی بخیر مالم یتخذ وافی مساجد ھم مذابح کمذابح النصاری واخرج الطبرانی والبیہقی عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال اتقوا هذه المذابح یعنی محاریب واخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود قال اتقوا هذه المحاریب اخرج ابن ابی شیبة عن عبید بن ابی الجعد قال کان اصحاب محمد یقولون ان من اشراط الساعة ان تتخذ المذابح فی المسجد یعنی الطاقات واخرج ایضًا عن ابی ذر قال ان من اشراط الساعة ان تتخذ المذابح فی المساجد واخرج البزار فی مسنده برجال ثقات عن ابن ابی شیبة عن کعب انه کره المذابح فی المسجد این روایات راسیوطی در تفسیر در منثور در رسالہ بدعت محاریب ذکر نمودہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ در صراط مستقیم نوشتہ (وقالوا ای الحنفیة) ایضاً یکره القیام فی الطاق لانه یشبه صنیع اهل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان بخلاف ما اذا کان سجوده فی الطاق وهذا ایضًا ظاهر مذهب احمد وغیره انتهی پس از روایات سابقہ واقوال اہل علم ثابت می شود کہ محراب حکم مسجد ندارد وقیام دران مکروہ است بخلاف آنکہ قیام در مسجد باشد و سجدہ در محراب ۔ کتبہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما

ترجمہ: اس زمانہ میں جو مسجدوں میں محراب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھے یا نہیں؟

اس زمانہ کی مسجدوں میں جو محراب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں نہ تھے ہجرت کی دوسری صدی میں یہ محراب نو پیدا ہوئے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اوائل میں لکھا ہے، کہ واقدیؒ نے محمد بن ہلال سے روایت کی ہے۔ کہ پہلا وہ شخص جس نے محراب نکالا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز ہے، جب کہ اس نے مسجد نبوی کو بنایا۔ سمہودی نے وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ میں لکھا ہے۔ کہ مسجد شریف (یعنی مسجد نبوی) کا محراب رسول اللہ کے زمانہ میں تھا نہ آپؐ کے بعد خلفاء کے زمانہ میں، پہلا وہ شخص جس نے محراب نکالا عمر بن عبدالعزیز ہے۔ جس زمانہ میں کہ ولید امیر تھا۔ اور سیوطیؒ نے اعلام الاریب فی بدعة المحاریب میں لکھا ہے۔ کہ تحقیق ایک قوم پر محرابوں کا مسجد میں بدعت ہونا پوشیدہ ہوا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ محراب مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھا، حالانکہ ہرگز نہ آپ کے زمانہ میں تھا اور نہ خلفاءؓ کے زمانہ میں اور نہ ان کے زمانہ میں جو خلفاءؓ کے بعد ہوئے۔ پہلی صدی تک بلکہ محراب تو دوسری صدی کے شروع میں نکلا باوجود حدیث شریف میں محراب بنانے کی ممانعت ہے۔ اور تحقیق محراب نو یہود و نصاریٰ کی عبادتگاہوں میں ہوتا ہے۔ اور تحقیق محراب کا بنانا میں ہونا قیامت کی نشانیوں سے ہے۔ ملا باقر آگاہ نے ایقاظ القیام میں لکھا ہے۔ کہ سلف صالحین سے جماعت کا دہرانا اور محرابوں کا بنانا اور اماموں کا چاروں طرف کعبہ میں ہونا ثابت نہیں ہے۔ اور یہ تکرار بوجہ حوادث و نوائب زمانہ کے ہے۔ اور یہ محراب مکہ

منظمہ میں سنہ ۷۰۳ھ میں نکلے اور یہ دوبارہ جماعت مکہ مکرمہ میں سنہ ۸۶۰ھ میں جاری ہوئی اور خانہ کعبہ کے دوسرے محراب کا بننا سنہ ۹۰۳ھ کے بعد وقوع میں آیا، اُس زمانہ کے کوشش کرنے والے علماؤں نے ہر چند اسے منع کیا مگر کچھ کارگر نہ ہوا، پس عام لوگوں کے گمان میں یہ باطل خیال پختہ ہوگیا کہ یہ ایک اچھا کام ہے۔ جو حرمین والوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ انتہیٰ، غرضیکہ محرابوں کا اس طور پر بنانا جو اس زمانہ میں رواج ہے۔ نبی کے زمانہ میں نہ تھا، بلکہ شروع اس کا نصاریٰ سے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ہے۔ اور محرابوں کا نو پیدا ہونا تابعین کے زمانہ میں ہوا، اور بہت سے صحابہؓ سے بھی اس پر انکار ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں موسیٰ جہنی سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میری امت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی، جب تک کہ وہ اپنی مسجدوں میں نصاریٰ کیطرح مذابح یعنی محراب نہ بنائیں گے، اور طبرانی اور بیہقی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچو تم ان مذابح یعنی محرابوں سے اور ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے۔ کہ کہا عبداللہ بن مسعودؓ نے بچو تم ان محرابوں سے اور ابن ابی شیبہ نے عبید بن ابی جعد سے روایت کی ہے کہ کہا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہتے تھے کہ مسجدوں میں مذابح بنانا یعنی طاقیں بنانا قیامت کی نشانیوں سے ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے ابوذر سے بھی روایت کی ہے۔ کہ کہا اُس نے کہ تحقیق محرابوں کا مسجدوں میں بنانا قیامت کی نشانیوں سے ہے اور بزار نے اپنی مسند میں معتبر راویوں کے ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے۔ کہ محراب یہودیوں کے عبادت خانوں کے ہوتے ہیں۔ تو تم اہل کتاب سے مشابہت نہ کرو، یعنی عبداللہ بن مسعود محراب میں نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے تھے۔ اور ابن ابی شیبہ نے کعب سے روایت کی ہے۔ کہ تحقیق کعب نے محرابوں کو مسجد میں بُرا جانا ہے۔ سیوطیؒ نے ان روایتوں کو تفسیر درمنثور اور رسالہ بدعتِ محاریب میں ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صراطِ مستقیم میں لکھا ہے۔ کہ حنفیوں نے کہا ہے۔ کہ محراب میں قیام بھی مکروہ ہے۔ اس لیے کہ یہ اہل کتاب کے فعل کے مشابہت ہے۔ بسبب کرنے امام کے مکان کو بخلاف اس صورت کے کہ قیام باہر ہو اور سجدہ محراب میں اور یہ ظاہر مذہب امام احمدؒ وغیرہ کا بھی ہے۔ انتہیٰ۔ پس اب مذکورہ بالا روایتوں اور اہل علم کے قولوں سے ثابت ہوتا ہے کہ محراب کا حکم مسجد کا نہیں اور قیام اوسمیں مکروہ ہے، بخلاف اس صورت کے کہ قیام مسجد میں ہو اور سجدہ مسجد میں، فقط ۱۲ (علوی)

فتاویٰ غزنویہ صہ ۸ تا ۱۱

سوال:۔ مسجد میں محراب بنانا شرعًا درست ہے یا نہیں بعض لوگ اس کو خلاف سنت اور بدعت قرار دیتے ہیں

جواب:۔ مسجد میں محراب (مکان مخصوص مجوف) بنانے کی ممانعت والی حدیث طبرانی، بیہقی، ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے اور یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔ بعض روایات میں مطلقًا محراب سے منع کیا گیا ہے اور بعض میں نصارٰی کے محاریب کے مشابہ محاریب سے منع کیا گیا ہے مطلق روائتیں مقید پر محمول ہوں گی۔ لہٰذا مکروہ وممنوع وہ محاریب ہوں گے جو نصارٰی کے گرجوں کے محرابوں کے مشابہ ہوں تاکہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہ پیدا ہو۔ اب اگر ہماری مسجدوں کے محراب عیسائیوں کے محرابوں کے مشابہ ہیں تو ان کے مکروہ ہونے میں شبہ نہیں۔ میرے نزدیک ورع واحتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مسجدوں میں محراب بنانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ موجودہ محاریب عہد نبوی کے عیسائیوں کے محرابوں کے مشابہ ہوں۔
تفصیل الفتح الربانی من فتاوی العلامہ الشوکانی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں ملاحظہ کریں۔ حررہ عبیداللہ رحمانی دہلی

محدث دہلی جلد ۱ شمارہ ۸

سوال:۔ مسجدوں میں محراب بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر امام محراب میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو نماز مکروہ ہوگی یا جائز؟

جواب:۔ بعض حدیثوں میں اہل کتاب کے محرابوں کی طرح محراب بنانا منع آیا ہے اہل کتاب کے محراب ان کے عبادت خانوں کے ایک طرف بصورت حجرے یا چبوترے کے ہوتے ہیں ایسے محراب مساجد میں نہ ہونے چاہئیں اسلامی مساجد میں جو محراب مروجہ بنے ہوئے ہیں ان کا ثبوت طبرانی کی ایک مرفوع روایت سے ملتا ہے لہٰذا ان کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دینا میرے نزدیک صحیح نہیں۔ علامہ ابو الطیب شمس الحق محدث ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ میں لکھتے ہیں قال الشیخ ابن الھمام من سادات الحنفیۃ ولا یخفی ان امتیاز الامام مقرر مطلوب فی الشرع فی حق المکان حتی کان التقدیم واجبًا علیہ وبنی فی المساجد المحاریب من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی۔ وایضًا لایکرہ الصلوٰۃ فی المحا ومن ذھب الی الکراھۃ فعلیہ البینۃ ولا یسمع کلام احد من غیر بینۃ ولا دلیل یعنی علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ امام کی جگہ مسجد میں ممتاز ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہاں آگے ہو جائے اور محراب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بنتے چلے آتے ہیں۔ نیز محرابوں میں نماز پڑھنی کوئی مکروہ نہیں ہے اور جو اس کو مکروہ کہتا ہے اس کو دلیل شرعی دینی چاہیئے۔ بغیر دلیل کسی کا قول قابل سماع نہیں ہوتا۔ حررہ احمد اللہ دھلی۔

اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۹ شمارہ ۱

س : زید کہتا ہے کہ مسجد میں محراب بنانا درست ہے اور ثبوت یہ دیتا ہے کہ مسجد نبوی بھی محراب ہے۔ بکر کہتا ہے کہ مسجدوں میں محرابیں بنانا بدعت ہے کیونکہ یہ دوسری صدی ہجری میں رائج ہوئیں اور یہ حدیث شریف پیش کرتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت ہمیشہ بھلائی میں رہے گی جب تک کہ وہ اپنی مسجدوں میں نصاریٰ کی طرح محراب نہ بنائیں گے (ابن ابی شیبہ فی المصنف)

جواب : نصاریٰ کا محراب درمیان اس طرح کا ہوتا ہے ◯ اس میں واعظ کھڑا ہو کر وعظ کہتا ہے مساجد میں محراب ایسے نہیں ہوتے لہٰذا احادیث مذکوران محرابوں پر چسپاں نہیں ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ زمانہ رسالت میں محراب نہ تھے جیسے مینار بھی نہ تھے پس محراب مثل مینار کے مساجد کی محض علامت ہیں (۲۳ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ)

محراب مسجد

محراب مسجد میں بنانا درست ہے بدعت نہیں جس امر کا ثبوت قرآن وحدیث سے پایا جاتا ہے اس کو بدعت کہنا ناجائز ہے ۔ برابر خیر القرون سے اس پر مسلمانوں کا تعامل چلا آتا ہے ۔

قال اللہ تعالیٰ فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب (پارہ ۳) قال السدی المحراب المصلی ۔ شریعت انبیاء سابقین کی شریعت ہماری ہے مگر ان امور میں جس کو قرآن وحدیث نے منسوخ کر دیا بیشک اس پر عمل کرنا جائز ہے محراب کی ممانعت قرآنی آیت واحادیث رسول سے ثابت نہیں آیت مذکورہ زکریا علیہ السلام کا فعل اللہ پاک نے ذکر کیا پس اس کا جواز بیّن طور پر ثابت ہوا دوسری اس امر پر یہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دلیل ہے ۔

اخرج البیھقی فی السنن الکبریٰ من طریق سعید بن عبد الجبار بن وائل عن امہ عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ وسلم نھض الی المسجد فدخل محراب ثم رفع یدیہ بالتکبیر الحدیث وقال الشیخ ابن الھمام من سادات الحنفیۃ ولا یخفی ان امتیاز الامام مقرر مطلوب فی الشرع فی حق المکان حتی کان التقدم واجبا علیہ وبنی فی المساجد المحاریب من زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ انتہیٰ ۔

مولانا شمس الحق صاحب مرحوم ۔ "عون المعبود" میں لکھتے ہیں ۔ قلت ما قالہ القاری المحاریب من المحدثات ففیہ نظر لان وجود المحراب زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یثبت من بعض الروایات اور اس پر حدیث مذکور بیہقی کی پیش کی ہے ۔ وفی عون المعبود شرح ابی داؤد ۔ ومن ذھب الی الکراھۃ فعلیہ البینۃ ولا یسمع کلام احد من غیر دلیل وبرھان ۔ انتہی ۔

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے مجوز ہیں "کشاف القناع" فقہ حنبلیہ میں بھی اس کی اباحت موجود ہے ، وہ یہ ہے ویباح اتخاذ المحراب نصا وقیل لا یستحب اومأ الیہ احمد واختارہ الاجری

وابن عقیل یستدل بہ الجاھل ۔ انتھی ۔ مؤلف کشاف القناع بھی اباحت بلکہ استحباب ثابت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ نص سے ثابت ہے، اصطلاح علمائے میں نص قرآنی آیات واحادیث کو کہتے ہیں یعنی قرآن وحدیث سے محراب بنانا ثابت ہے جن احادیث سے کراہت بعض لوگ ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہیں

وقد اخرج الطبرانی والبیھقی عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتقوا ھذہ المذابح یعنی المحاریب واخرج ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن موسیٰ الجھنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی بخیر مالم یتخذوا فی مساجدھم مذابح کمذابح النصاریٰ اس پر نظر ہے بچندہ وجوہ. اولاً ان کے راوی ذکر کرکے ہر ایک کی توثیق ضروری ہے جرح وعلت خفیہ وغیرہ جو نقائص کہ سندوں وغیرہ میں واقع ہوتے ہیں یا متن میں اس سے برأت لابد ہے اور بیان راویوں کا و کر ان کی توثیق جو بذمہ مدعی ہے مفقود ہے ثانیاً ممانعت مذابح کی ثابت ہوئی جو حجرے علیحدہ مسجد سے بنایا کرتے تھے، نہ محراب کی. ثالثاً کسی احادیث سے محراب کی ممانعت نہیں ثابت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذابح سے منع فرمایا کمذابح النصاریٰ اگر مشابہت نہ ہو تو جائز ہے۔ رابعاً حدیث میں مذابح ہے یعنی المحاریب یہ راوی کی تقریر ہے اپنے فہم کے مطابق نہ حدیث کے لفظ۔ جناب المحراب کے دو معنی ہیں ایک حجرہ و غرفہ دوسرا محراب المسجد حرام نہیں ہے۔ محاریب پیشگاہ ہائے مجالس و منہ محراب المسجد وھو ایضاً وقولہ تعالیٰ فخرج علیٰ قومہ من المحراب ۔ قالوا من المسجد وفی فتح البیان کلما دخل علیھا ذکریا المحراب یعنی الغرفۃ والمحراب فی اللغۃ اکرم موضع فی المجلس قالہ القرطبی وسمیت محرابا لانھا محل محاربۃ الشیطان لان المتعبد فیھا یحاربہ و کذالک ھو فی المسجد وکذالک یقال لکل محال العبادۃ محراب ۔

الحاصل محراب المسجد بنانا درست ہے۔ اس کی ممانعت کرنا شریعت میں تنگی کرنا ہے، بغیر برہان وبنیہ اور جس کی ممانعت آئی ہے وہ اور چیز ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔ (حررہ احمد اللہ مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۳ ش ۲۲)

الجواب صحیح بیشک محراب بنانا مسجدوں میں جائز ہے اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں یہود و نصاریٰ کے طریق پر امام کے واسطے بصورت خاص محراب بنانا ناجائز ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔ کتبہ ابوطاہر البہاری عفا اللہ عنہ الباری المدرس الاول فی المدرسۃ دار الحدیث رحمانیہ الکائنۃ فی بلدہ دہلی ۔

نفس محراب بنانا تو جائز ہے مگر جیسا کہ آجکل اس میں نقش ونگار کا رواج ہے، یہ نہیں چاہئے سادہ ہونا چاہیئے ۔ واللہ اعلم ۔ کتبہ عبدالوہاب آراوی مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی ۔

الجواب صحیح والرای نجیح واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔ رسین ابوالحسن عفی عنہ)

محراب والی مسجدوں میں رسالت مآب اس وقت تک ثابت ہے ۔ لہذا اس کو بدعت کہنا غلط ہے سنن بیہقی کی روایت اس پر دال ہے ۔ ہاں نصرانیوں کے گرجے کے مشابہ محراب بنانی منع ہے مذابح کمذابح النصاری سے ممانعت وارد ہوئی اور مذابح کے معنی مقاصیر کے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ کتبہ عبدالسلام المبارکفوری ۔ الجواب صحیح (محمد عبدالقدیر مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی ۔

نفس محراب بنانا جائز ہے اس میں شک نہیں، کتبہ عبدالرزاق مدرس اول مدرسہ ریاض العلوم دہلی ۔

مسجدوں میں محراب بنانا جائز ہے مگر مشرکین و اہل کتاب کے محرابوں کی مشابہت جائز نہیں یہاں تک کہ اگر غیر اہل اسلام کی عبادت گاہوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو اور وہ ان کو مسجد بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں مگر ان کے محرابوں میں تغیر وضعی یا ذاتی کرنا ضرور ہے نیل الاوطار صفحہ ۳۱ ج ۲ والحدیث یدل علی جواز جعل الکنائس والبیع امکنۃ الاصنام مساجد وکذلک فعل کثیر من الصحابۃ حین فتحوا البلاد وجعلوا متعبداتہم مکتعبدات المسلمین وغیروا محاریبھا ۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد اسحاق الاوری مدرس دار الحدیث رحمانیہ دہلی ۔

مسجدوں میں جو محراب آجکل بنے ہوئے وہ درست ہے ۔ جیسا کہ حدیث بیہقی سے ثابت ہے اس مسئلہ کی تحقیق عون المعبود میں موجود ہے جو اس کو بدعت کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں واللہ اعلم (محمد یونس عفی عنہ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خاں دہلی)

جواب صحیح ہے نفس محراب جو آجکل مساجد میں ہے جائز ہے جن روایتوں میں ممانعت ہے وہ اہل کتاب کی مشابہت سے منع فرمایا ہے جو اس محراب میں نہیں پائی جاتی ۔ نصاریٰ کے معبد جا کر دیکھو ہرگز اس کے مشابہ نہیں ۔ پھر ممانعت اس محراب سے کیسی ۔ الغرض یہ محراب جائز ہے ۔ (ابوسعید محمد شرف الدین عفی عنہ مدرس اول) محراب مسجد میں بنانا جائز ہے، لیکن یہود و نصاریٰ کی طرح بڑا اور خوبصورت منقش مزین نہ ہو، جیسا آجکل گرجوں میں دیکھا جاتا ہے ۔ اس کا ثبوت زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے احادیث میں مذکور ہے اور اصحاب لغت بھی ذکر کرتے آتے ہیں مدت مدیدہ سے بغیر انکار کرنے کے ۔ ()

عبدالرحمن مدرس مدرسہ مسجد حاجی علی جان دہلی ۔

مسلمانوں میں جو آجکل محراب مروج ہے وہ یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں ہے ۔ لہذا بدعت نہیں ہے ہاں اگر مشابہت ہو تو البتہ بدعت ہے ورنہ نہیں واللہ اعلم بالصواب ۔

محمد یوسف علی بیر بھومی ۱۸ جنوری ۲۴ سنہ ۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۴

باب آدابِ مسجد

سوال: مسجد میں نمازی چراغ جلانے کے لئے تیل بھیجتے ہیں، لیکن امام صاحب اور طلباءُ اپنے ذاتی مصرف میں تیل خرچ کر لیتے ہیں، کیا اس طرح ان کا فعل جائز ہے؟ محمد یوسف ضلع گوجرانوالہ

الجواب: جب تیل مسجد کے چراغ کے لئے آتا ہے، تو اسی کام میں خرچ ہونا چاہیئے، امام صاحب و طلباء مسجد کا تیل اپنے مصرف میں لا کر یقیناً مسجد کی حق تلفی و خیانت کے مرتکب ہیں۔

(مولانا) محمد یونس دہلی — اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱

سوال: لوبان خوشبو کے لئے گھر یا مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لوبان بھی ایک قسم کی خوشبو ہے۔ اس کا استعمال ہر صورت سے جائز ہے۔

اہلحدیث گزٹ دہلی ش ۱۳ جلد ۹

سوال: مسجدوں میں خوشبو کے لئے پھول رکھ دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: پھول بھی ایک قسم کی خوشبو ہے۔ لہٰذا مساجد میں خوشبو کے لئے اس کو رکھ دینا یا عطر وغیرہ مسجدوں میں لگا دینا درست ہے۔ مساجد کو معطر کرنے کے لئے حدیثوں میں تاکید آئی ہے، مگر آج کل ہندوستان میں تقریباً یہ سنت مفقود ہو چکی ہے۔ انا للہ!

(مولانا) محمد یونس مدرس مدرسہ میاں صاحب دہلی — اہلحدیث گزٹ دہلی ش ۹ جلد ۹

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ برادری کے پنچ یا کوئی شخص کسی مسجد کو اسطرح مخصوص کرنا چاہے کہ اس مسجد میں صرف آمین آہستہ کہنے والے نماز پڑھیں اور بالجہر

کہنے والے نہ پڑھیں یا اس مسجد میں صرف آمین بالجہر کہنے والے نماز پڑھیں اور آہستہ کہنے والے نہ پڑھیں، اس طرح اللہ تعالیٰ کے گھر کو مخصوص کرنا شرعاً مذہب حنفیہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب : احادیث میں زور سے آمین کرنا اور آہستہ آمین کہنا بھی آیا ہے۔ ان دو میں سے جس طرح بھی آمین کہی جائے وہ شرک وکفر نہیں اور نہ بدعت ہے۔ اور سوائے مشرکین کا فرین یا مبتدعین کے کسی کو مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ ورنہ آیت کریمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ کی وعید میں داخل ہوگا۔ اس لئے زور سے آمین کہنے والے آہستہ کہنے والے کو اور نہ آہستہ کہنے والے زور سے کہنے والوں کو اپنی اپنی مسجدوں میں آنے سے نہ روکیں۔

سید سلیمان ندوی اعظم گڑھ   اخبار محمدی دہلی جلد ۱۶ ش ۷

سوال : زید موحد اہلحدیث ہے۔ عمر رسیدہ بڑے بڑے علماء کا صحبت یافتہ ہے اور مسجد اہلحدیث میں امامت بھی کرتا ہے لیکن یہ پیشہ اختیار کر رکھا ہے کہ مسجد میں حاضرات کرتا ہے۔ یعنی ایک بچہ کو غسل کرا کر معطر کرتا ہے پھر آیۃ الکرسی اور سورۃ یٰسین پڑھتا ہے، بچہ کو بٹھا کر اس کے ہاتھ میں نقش دیتا ہے، بچہ سے کہا جاتا ہے۔ کہ جنوں کے بادشاہ کو بلاؤ، چنانچہ جنوں کا بادشاہ آتا ہے۔ اور بچہ اس سے کچھ سوالات دریافت کرتا ہے۔ ایسی حاضرات سے چوری بتاتا ہے۔ کسی کو سارق قرار دیتا ہے۔ اسی ذیل میں وفائن گذشتہ باتیں بتاتا ہے۔ تعویذ، گنڈے، فلیتے وغیرہ وغیرہ بھی کرتا ہے۔ حاضرات کی فیس ایک روپیہ پانچ آنہ لیتا ہے ایک روپیہ تو خود لیتا ہے۔ چار آنے مسجد میں دیتا ہے۔ پانچ پیسے بچہ کو دیتا ہے۔ کیا ایسے افعال موحدین اہلحدیث کے نزدیک جائز ہیں، کیا یہ پیسہ مصارف مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے ؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ بلکہ بکر کہتا ہے کہ یہ افعال شرک ہیں، اس لئے جواب قرآن وحدیث سے ہونا چاہیئے ؟

الجواب : حضرات کا یہ عمل جس کو زید چوری بتانے اور چور کا پتہ لگانے۔ دفائن اور گذشتہ باتیں یا آئندہ واقعات بتانے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی سے قطعاً ناجائز ہے زید اس عمل کی وجہ سے عاصی اور گنہگار ... مخالف قرآن وحدیث اور مستحق تادیب وتعزیر ہے۔ (۱) اس لئے کہ یہ طریق کار از قسم کہانت ہے۔ جو نام ہے آئندہ ہونیوالے واقعات کے بتانے اور امور غیبیہ کا پتہ لگانے

و زمن کی خبر دینے سے تعرض کرنے کا اور ادعائے غیب دانی کا، اور کہانت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الکهانة وهی الاخبار عن الجن اشد النهی وبرئ ممن اتی کاهنا حجة الله ص۱۳۵ ج۲ وقال الشیخ الدهلوی نقلا عن اللسان والنهایة والکاهن الذی یتعاطی الخبر عن الکائنات فی مستقبل الزمان ویدعی معرفة الاسرار علی مواقعها من کلام او فعل او حال ویخص باسم العراف وهو الذی یتعاطی مکان المسروق ومکان الضالة ونحوهما وحدیث من اتی کاهنا یشمل الکاهن والعراف والمنجم قالوا وینبغی للمحتسب منعهم وتادیبهم وان یودب الاخذ والمعطی (حاشیہ ابوداؤد ص۱۸۹ ج۲) (۲) اور اس لئے کہ زید اس عمل میں بچہ کے ہاتھ پر نقش و خطوط کھینچتا ہے۔ جو از قسم رمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: العیافة والطیرة والطرق من الجبت الطرق الزجر والعیافة الخط (ابوداؤد ص۱۸۵ ج۲)

(۳) اور اس لئے کہ زید جنوں کے بادشاہ (شیطان) سے مغیبات و دفائن و سرقہ وغیرہ کا پتہ و حال پوچھتا ہے۔ کہ اس شیطان کو امور غیبیہ کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی بشر اور جن وغیرہ کو نہیں ہے۔ اگر بذریعہ استراق سمع بعض امور جزئیہ کا علم اس کو ہو بھی تو ہم کو اس پر اعتماد کرنے سے سخت منع کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے لا یعلم الغیب الا الله (۴) اور اس لئے کہ یہ صورت عمل حوائج و دفع حضرات میں شیطان و جن سے استمداد و استعانت کی ہے۔ جو شرک ہے۔ (۵) اور اس لئے کہ یہ صورت عمل فرقہ فریمسن (ضالہ، مضلہ، مرتدہ واجب القتل) کے فن سے مشابہ ہے۔ جس کا موضوع مغیبات سے بحث اور ان کا ادراک ہے۔ اور جس کی غرض و غایت حوائج و دفع مضرات میں شیاطین و جنات سے استمداد و استعانت ہے۔ تفصیل دلیل الطالب ص۷۷۵ میں ملاحظہ ہو (۶) اور اس لئے کہ یہ عرافت خاص خاص طریقے پر مسروقہ اشیاء اور گم شدہ جانور کا پتہ اور اس پر اعتماد کر کے کسی پر سارق کا حکم لگانے کی اجازت نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور نہ صحابہ و تابعین سے یہ ثابت و منقول ہے۔ بنا بریں بدعت و مردود ہے۔ اور اس کا مرتکب مبتدع ضال و مضل ہے۔ علامہ نواب صدیق الحسن قنوجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، علمے و عملے کہ شریعت حقہ بر جواز آں دال نباشد و ماخذش غیر مشکوٰۃ نبوت محمدی بود و بلعدا لبتہ دانتی یکے از اصناف غیوب قرار داده آید و ایں نوع غیب شناسی و ریکے از اقسام کہانت یا شعبدہ یا سحر باشد۔ شک نیست کہ فاعل آں و قائل بداں یکے از مشرکان و برگردندگان از دین اسلام است و حکم کہانت و سحر و طلسمات و شعوذت و آنچہ بداں مے ماند در کتب دین بمواضع خود مبین است۔ حاجت ذکر ادلہ آں از کتاب و سنت مطہرہ دریں جا نیست پس ہیچ شک دراں نتواں کرد کہ صاحب ایں اعمال بے

ضال ومضل است ومحاولت چیزے کردہ کہ راہ آں مسدود است وطرقش مردود ومدلولاتش باطل مطرود واعتقاد بموجب معلوماتش کفر صرف وردت محض است وللہ در العلامۃ ابن خلدون حیث ختم کلامہ المبسوط علی ھذہ الاعمال بھذا الکلام الجامع وھو قولہ ولا سبیل الی معرفۃ ذلک من ھذہ الاعمال بل البشر محجوبون عنہ وقد استاثر اللہ تعالیٰ بعلمہ واللہ اعلم وانتم لا تعلمون انتھیٰ (دلیل الطالب ص ۹۲)

(۸) اور اس لئے کہ زید اس طرح غیب دانی وغیب بینی کی کوشش کرتا ہے، اور تمام ترطریقے غیب دانی کے اور جمیع انواع غیب کے ضلالت ہیں، نواب ممدوح تحریر فرماتے ہیں، وعلی الجملۃ ہرچہ باشد جز نبوت کہ افضل طرق مدارک حق است ہمہ انواع غیب دانی وغیب بینی ضلالت بحت است خواہ بمعانات اسباب وادضاع فلکیہ باشد یا او ضیہ وخواہ بواسطہ عزائم واسماء بود یا بغیر آں واز شریعت مطہرہ بضرورت نقل وشہادت عقل ثابت است کہ علم غیب ازاں اشیا راست کہ او تعالیٰ مستاثر بدانستن اوست احدے را ادعائے آں نمیرسد واگر یکے دعویٰ کند خلاف حق کردہ باشد وآنچہ از مغیبات بیان سازد ہرچند مطابق واقع شود در خود قبول نیست وہیچ مدرک ازیں مدارک خالی از مضادت شریعت حقہ نباشد ولہذا شریعت محمدی بالبطال آں ہمہ وارد گشتہ واعتقاد غیب دانی وادعائے غیب بینی را از موجبات کفر وکافری واز نوع مشرک وشرکے کہ مخالفت توحید الٰہی وتصدیق رسالت پناہی است گردانیدہ اند ابن خلدون گفتہ معارف وخوارق انبیاء علیہم السلام واخبار ایشاں بکائنات مغیبہ بتعلیم الٰہی است بشر را سبیلے بمعرفت آں نیست مگر بوساطت ایشاں وایں معارف انبیاء علیہم حق است واما کہانت پس وحی شیطانی است (دلیل الطالب ص)

(۹) اور اس لئے کہ زید قرآنی آیات اور سورتوں کو بے محل استعمال کرکے اس کی توہین کرتا ہے، قرآن کریم ان اعمال کے لئے نہیں نازل ہوا ہے۔ پس زید کو اپنے اس غیر شرعی عمل سے جلد باز آنا چاہیئے، جو لوگ زید کے پاس اس مطلب کے لئے جاتے ہیں، اور عمل حاضرات کو درست سمجھ کر اس پر اعتماد کرتے ہیں، سخت گنہگار ہیں، ارشاد ہے

من اتی کاھنا فصدقہ بما یقول فقد بری بما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابو داؤد)

اس طرح سے حاصل شدہ پیسوں کا مسجد کے مصارف میں خرچ کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ وہ مال حرام ہے ونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن حلوان الکاہن، ترمذی وغیرہ اور مال حرام وغیرہ کا مسجد میں صرف کرنا ممنوع وناجائز ہے ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب (صحیحین)

اور ایسے شخص کو امامت سے قدرت ہو تو معزول کر دینا چاہیئے ارشاد ہے اجعلوا ائمتکم خیارکم۔ وہ شخص ملعون ہے۔ جس کی امامت کو بوجہ اس کے امر مذموم عند الشرع کے مرتکب ہونے کے لوگ ناپسند کریں، (ترمذی وغیرہ)، فلیتہ، گنڈے بنانا مکروہ ہے۔ گرہوں پر کچھ پڑھ کر پھونکنا من شر النفاثات فی العقد

میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ جن خرافات سے اہلحدیث پرہیز کرتے تھے اور جو بدعتیوں کے شعار بھی سمجھے جاتے ہیں، اب اہلحدیث عوام ہی نہیں بلکہ ہمارے بعض علماء نے بھی بغیر کسی جھجک کے ان کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ذریعہ معاش بنالیا ہے۔ (مولانا) عبیداللہ رحمانی

محدث دہلی جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۲

سوال: اگر بجائے لکڑی کے منبر کے مسجدوں میں پختہ ممبر اینٹ کا بنایا جائے یا خام مٹی کا تو درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ منبر صرف لکڑی کا ہونا چاہیئے، پختہ منبر بنانا بدعت ہے؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کچی تھی، اس پر کھجور کا چھپر تھا، منبر جھاؤ کی لکڑی کا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کو پختہ بنوایا تھا، اور ستون منقش پتھر کے لگائے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ کی جامع مسجد پختہ بنی ہوئی تھی اور اس کا منبر بھی پختہ اینٹوں کا بنا ہوا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر خطبہ فرمایا کرتے تھے، (بخاری) لہٰذا پختہ مسجد اور پختہ منبر بنانا درست ہے۔ صحابہ کرام کا اس پر تعامل رہا ہے۔ زید مذکور کا قول غلط و عدم علم پر مبنی ہے۔ (مولانا) محمد یونس دہلوی

اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۲۴

سوال: ہماری مسجد سہ منزلہ ہے۔ حسب موسم کبھی سب سے اوپر کی منزل میں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اور کبھی بیچ والی منزل میں، کبھی نیچے کی منزل میں، ایک صاحب فرماتے ہیں، کہ صرف پہلی منزل میں جماعت وجمعہ ہونا چاہیئے، اسی میں افضلیت ہے۔ دوسری اور تیسری منزل میں جماعت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آپ سے دریافت ہے کہ کیا شرعاً پہلی منزل کی کوئی خاص فضیلت وامتیاز ہے کہ اسی میں نماز پڑھی جائے یا تینوں منزلوں میں نماز یکساں ہوگی؟

الجواب: مسجد کی تینوں منزلیں مساوی ہیں، ہر ایک منزل میں نماز جمعہ وجماعت یکساں ادا ہوگی۔ ایک منزل کو دوسری پر کوئی فوقیت وفضیلت نہیں ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر امام کے ساتھ نماز فرض ادا کی تھی۔ (مولانا) محمد یونس دہلوی

اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۲۱

سوال : نماز مغرب کی دو رکعت سنت مسجد میں پڑھنا کیسا ہے ؟ بعض کہتے ہیں یہ سنتیں مسجد میں پڑھنی جائز نہیں، گھر میں پڑھنی چاہئیں ۔

الجواب : حدیث میں ہے : افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ متفق علیہ (بلوغ المرام باب صلوٰۃ الجماعۃ والامامۃ) "یعنی نفل نماز مسجد کی بجائے گھر میں پڑھنی افضل ہے"۔

ایک حدیث میں ہے : اجعلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبورا (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ فصل اوّل) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اپنی نماز کا کچھ حصّہ گھروں کے لئے بھی کرو"۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نوافل اور سنتیں مسجدوں کی بجائے گھروں میں پڑھنا افضل ہے اور مساجد میں جائز ہے ۔ اس میں مغرب یا کسی دوسرے وقت کی کوئی خصوصیت نہیں سب کا یہی حکم ہے ۔ صحابہ کرام عہد نبوی میں مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تھے ، حدیث میں ہے :

عن عبد اللہ بن مغفل قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا قبل المغرب رکعتین صلوا قبل المغرب قال فی الثالثۃ کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ متفق علیہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو ، تیسری مرتبہ فرمایا ، جس کی مرضی ہو پڑھے ، یہ اس لئے کہ لوگ اسے ضروری نہ سمجھ لیں"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دو رکعت جس قدر شوق اور کثرت سے پڑھتے تھے اس کا بیان حسب ذیل حدیث میں ہے : عن انس رضی اللہ عنہ قال کنا بالمدینۃ فاذن المؤذن لصلوٰۃ المغرب ابتدروا السواری فرکعوا رکعتین حتی ان الرجل الغریب لیدخل المسجد فیحسب ان الصلوٰۃ قد صلیت من کثرۃ من یصلیھما (رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب السنن وفضلھا)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے ، مغرب کی نماز کے لئے جب مؤذن اذان کہتا تو لوگ مسجد کے ستون کی طرف لپکتے اور ستونوں کی طرف میں دو رکعت نفل پڑھتے ، اور صحابہ کرام اس کثرت سے یہ نفل پڑھتے ، کہ کوئی اجنبی شخص مسجد میں داخل ہوتا ، تو وہ خیال کرتا کہ مغرب کی نماز پڑھی گئی"۔

یہ مسلم شریف کی روایت ہے ۔ صحت کے لحاظ سے اس پر کوئی کلام نہیں ، اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرام مغرب کی سنتیں مسجد میں بھی پڑھا کرتے تھے ۔ ورنہ یہ الفاظ کہ اجنبی آدمی گمان کرتا تھا کہ نماز پڑھی گئی ہے ۔ یہ بے معنی ہوں گے ، اور ان کا کوئی مطلب نہ ہوگا ۔ فافہم وتدبر تنظیم اہلحدیث لاہور ج ۱۸ ش ۲۱

سوال: کیا مسجد میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر ایسی اشیاء کا اعلان کیا جا سکتا ہے، جو احاطہ مسجد سے باہر گم ہوئی ہوں، یا اگر مسجد کے احاطہ میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر کوئی دکاندار اپنی اشیاء فروخت کرنے کا اعلان کرے، اور اس طرح اعلان کرانے کا ہدیہ وصول ہو، تو کیا یہ رقم مسجد پر صرف کرنا جائز ہے؟ (محمد فیروز دین، بہاولنگر)

الجواب بعون الوهاب: حدیث میں (ضالّہ) (گم شدہ جانور) کا اعلان مسجد میں کرنا صراحتاً منع ہے اور لقطہ یعنی غیر جاندار گم شدہ چیز کا ذکر حدیث میں صراحتاً نہیں، لیکن جو چیز مسجد سے باہر گم ہوئی ہو مسجد میں اس کے اعلان کا وہی حکم ہے جو ضالّہ کا ہے۔ کیوں کہ مسجد میں ضالّہ کا اعلان منع ہونے کی وجہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں ہیں، یہ وجہ غیر جاندار میں بھی موجود ہے۔ ہاں جو چیز مسجد میں گم ہوئی ہو، اس کے متعلق غالب ظن یہی ہوتا ہے۔ کہ مسجد کے نمازیوں میں سے کسی کے ہاتھ آئی ہوگی۔ اور اعلان خواہ لاؤڈ سپیکر پر ہو یا اس کے بغیر اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یعنی اعلان بغیر لاؤڈ سپیکر کے ناجائز ہے وہ لاؤڈ سپیکر پر بھی ناجائز ہے۔ جب ضالّہ اور لقطہ جو مسجد سے باہر ہو اس کا اعلان مسجد میں ناجائز ہے تو فروختگی اشیاء کا اعلان مسجد میں کیسے جائز ہوگا؟ اور جب اعلان ناجائز ہوا تو اس پر کرایہ لینا اور اس کو مسجد پر صرف کرنا بھی ناجائز ہوگا۔

ہاں اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے۔ کہ لاؤڈ سپیکر یا مسجد کی کوئی چیز، شامیانہ وغیرہ باہر لیجا کر کرایہ پر استعمال کرے اور وہ کرایہ مسجد پر صرف کر لیا جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔

(نوٹ، یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ فروختنی اشیاء دو طرح کی ہیں، ایک دینی اور ایک دنیوی۔ جیسے کوئی بات لکھے اور اس کا اعلان مسجد میں کر دے تو یہ دینی تبلیغ ہے۔ اسکی اجازت ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ مسجدیں دین کے لئے ہیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کوئی فوج وغیرہ بھیجنی ہوتی یا اور کسی قسم کا کوئی دینی کام ہوتا، تو اس کا اعلان مسجد میں خطبہ کے اندر فرما دیتے۔

صرف یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس میں اپنا ذاتی مفاد بھی ہے۔ مگر یہ مفاد بالتبع ہے۔ اصل مقصد نہیں۔ اس کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے، جیسے جنگ میں مال غنیمت یا دیگر انعامات کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ اصل مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے۔ اور مال کی امید بالتبع ہے۔ اس لئے یہ چیز نقصان دہ نہیں۔

(مولانا) عبد اللہ روپڑی

تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۸ ش ۱۹

سوال : ایک شخص کی چیز گم ہو گئی ہے ۔ وہ مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کرانا چاہتا ہے ، کیا شرعاً ایسا اعلان کیا جا سکتا ہے ؟

الجواب : اگر مسجد کے اندر چیز گم ہوئی یا ملی ہے تو اعلان کرایا جا سکتا ہے ۔ مگر دوسری جگہ کی گم شدہ اشیاء کا بکھیڑا مسجد میں نہ لانا چاہیئے ، اس کے لئے منادی عام کرانا مناسب ہے ۔

قوامین فطرت جلد ۷ ش ۷

سوال : ایک مسجد میں مدت سے جمعہ ہو رہا ہے ، کچھ لوگ تھوڑی دور الگ مسجد بنا کر اسے جامع مسجد قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ کیا یہ درست ہے ؟ (ابوالحسن مرزاپور ڈھاکہ)

الجواب : اگر اس انتقال جمعہ میں کوئی فساد یا ضد نہیں ہے تو دوستوں کو باہمی طور پر فیصلہ کر لینا چاہیئے ، صرف ضد یا تعصب کی آڑ میں یہ مطالبہ نہ کرنا چاہیئے ، پہلی مسجد اگر چھوٹی یا آبادی سے دور ہے اور نئی مسجد بڑی ہے ۔ تو اس کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ، جمعہ کی تبدیلی اجتماع کی ضرورت کے مطابق ادھر اُدھر کی جا سکتی ہے ۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ ش ۸)

سوال : کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں منع ہے ۔

الجواب : ہر مسجد کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے ۔ صلی ابو هريرة على سقف المسجد (بخاری جلد ۱) صرف بیت اللہ کی چھت پر منع ہے ۔ مولوی صاحب کو غالباً اسی کا مغالطہ ہوا ہے ۔

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ ش ۲۷)

س : ایک آدمی باوجود بڑی مسجد کے محلہ کی چھوٹی مسجد میں اعتکاف بیٹھتا ہے ۔ اور نماز مغرب کے بعد حقہ نوشی بھی کرتا ہے اور بڑی مسجد گاؤں کی چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جو نصف میل ہے قریب ہے ۔ نماز جمعہ ادا کرتا ہے ، کیا اس کا اعتکاف صحیح ہے ؟

الجواب : جمہور علماء کے نزدیک اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے ۔ اس لئے شخص مذکورہ کا اعتکاف صحیح ہے ۔ البتہ حقہ نوشی کرتا ہے ۔ یہ ممنوع ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتر اشیاء سے منع فرمایا ہے ۔

نیز حدیث شریف میں ضروری حاجت کے سوا جائے اعتکاف سے نکلنا منع فرمایا ہے اور اس غرض فاسد (حقہ نوشی) کے لئے باہر آنا اعتکاف کے لئے خارج ضرور ہے۔ واللہ اعلم

تشریح: یہ صحیح ہے مگر نماز جمعہ فرض ہے اور اعتکاف سنت ہے۔ اگر جمعہ ترک کرے تو ممنوع ہے۔ اور نکلنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا جہاں جمعہ ہو وہیں اعتکاف لازم ہے اور حقہ کشی کے باعث باہر نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشھد جنازۃ ولا یمس امراۃ ولا یباشرھا ولا یخرج لحاجۃ الا لما لابد منہ رواہ ابوداؤد اور حقہ تو جائز ہی نہیں ہے۔ ابو سعید شرف الدین دہلوی

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۳۲)

سوال: نماز جنازہ مسجد کے صحن میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا۔ اللہ اعلم

تشریح از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست ہے۔ منتقی الاخبار میں ہے۔ عن عائشۃ انھا قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص قالت ادخلوا بہ المسجد حتی اصلی علیہ فانکروا ذلک علیہا فقالت لقد صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سھیل واخیہ رواہ مسلم وفی روایت ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سھیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواہ الجماعۃ الا البخاری اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق تھا۔ فتح الباری میں ہے۔ وقد روی ابن ابی شیبۃ وغیرہ ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صھیبا صلی علی عمر فی المسجد وفی روایۃ ووضعت الجنازۃ فی المسجد تجاہ المنبر وھذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلک الخ حررہ محمد یوسف عفی عنہ

سید نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۰۳)

سوال: چار آدمی مسجد کے پاس بیٹھ کر تاش کھیلتے تھے۔ ایک پرہیزگار متقی نے انہیں منع کیا کہ یہاں

مت کھیلو، انہوں نے جواب دیا یہ تو مسجد نہیں، جاؤ تمہارا اس میں کام نہیں، مسجد کے متولی نے بھی کھلاڑیوں کی تائید کی، درانحالیکہ وہ جگہ متصل مسجد ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ متولی از وارث وقف کنندہ مرحوم متولی ہے، کیا یہ سب کھلاڑی اور متولی صاحب مجرم ہیں؟

الجواب: تاش، جوا وغیرہ ہر جگہ منع ہے، مسجد کے پاس ہو یا دور، کھیلنے والوں کی تائید کرنا بھی گناہ ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص۲۷ جلد دوم)

سوال: مسجد کو مقفل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسجد کو مقفل کرنا درست نہیں، مسجد کو ہر وقت کھلا رہنا چاہیئے، تاکہ جس کا جس وقت جی چاہے، اس میں جا کر اللہ کا ذکر کرے، اور مسجد کو مقفل رکھنا گویا اس میں ذکر اللہ کرنے سے لوگوں کو روکنا ہے (قال اللہ تعالیٰ من اظلم ممن منع اللہ مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ (جو آدمی مسجد میں خدا کا نام لینے سے روکے، اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے۔) ہاں اگر مسجد کی چیزوں کو چوری ہونے کا خوف ہو، اور مقفل کرنے سے اس میں ذکر اللہ سے رکاوٹ و ممانعت لازم نہ آتی ہو، تو ایسی صورت میں مسجد کو مقفل کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ السید عبدالحفیظ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۳۵۶)

سوال: محترم حافظ صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک سوال ارسال ہے اس کا جواب "تنظیم اہلحدیث" میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔

لائلپور ریل بازار کے راجہ چوک میں ایک مسجد جامع ابرار کے نام سے موجود ہے جس کا نقشہ دیکھ کر ناظرین کو بات سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

شمال

مغرب	صحن مسجد	مشرق

جنوب

جونہی ایک سادہ لوح مسلمان نماز کے لئے ، اور تلاشِ حق کی خاطر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو صحن کی مغربی دیوار پر جو نظر پڑتی ہے ، جس پر یہ شعر لکھا ہے :۔

غوث اعظم بمن بے سر و ساماں مددے

قبلہ دیں مددے ، کعبہ ایماں مددے

یہ شعر پڑھ کر جب کوئی نووارد متذبذب ہو کر دائیں طرف نظر کرتا ہے ، تو اسے یہ شعر نظر آتا ہے ،

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل ، کاملاں را راہ نما

اگر اس کی طبیعت اس سے بھی پریشان ہو ، اور وہ بائیں طرف نظر کرے تو وہاں یہ شعر لکھا ہے :

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند

المدد خواہم ز شاہ نقشبند

اگر وہ بیت اللہ میں غیر اللہ کے قبضہ مخالفانہ سے بیزار ہو کر واپس آنے لگے ، تو اسے یہ شعر نظر آئے گا۔

بگرداب بلا افتاد کشتی

مدد کن یا معین الدین چشتی

اگر وہ اس پر بھاگنے کی کوشش کرے تو واپسی پر جوتا پہننا ضروری ہے ، اس وقت مسجد کا وہ کمرہ جو سامنے پڑتا ہے۔ اس کے دروازہ کے پاس نصب شدہ سنگِ بنیاد پر مولوی سردار محمد صاحب کے نام سے لگی ہوئی عبارت نظر پڑتی ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ گویا بہت بڑے مولوی صاحب کے نام سے اس مسجد کے جملہ اجزائے ترکیبی کی صحت کی ضمانت دے دی گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب آپ سے سوال ہے کہ

منزل پہ جسے اگر صورت یہ نظر آئے

بھولا ہوا وہ راہی جائے تو کدھر جائے

(عبداللہ از نیپا کھ ضلع گوجرانوالہ)

الجواب بعون الوھاب : ایسی مسجد میں نماز پڑھنے سے پرہیز کیا جائے اور ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر کی جائے۔ اللہ رب العزت ان پر رحم فرمائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (پارہ ۲۹) (مسجدیں اللہ کی یاد کے لئے ہیں، ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو) جو لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ یقیناً قابل رحم ہیں. قرآن مجید میں ہے۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۔ حافظ عبد القادر روپڑی تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۲ ش ۲۸

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:۔

اوّل: مساجد میں دن کو یا رات کو سونا جائز ہے یا نہیں. آج کل مساجد میں اقسام ذیل کے اشخاص سوتے ہیں، ان میں سے کس کس کے لئے مساجد میں سونا جائز ہے اور کس کے لئے ناجائز ہے۔

اوّل، باہر کے مسافر مسلمان نمازی آکر مساجد میں ٹھہرتے ہیں۔ ان میں سے جو غریب محتاج مفلس ہوتے ہیں، اُن کی ٹھہرنے سے یہ غرض ہوتی ہے۔ کہ مسلمان بھائیوں کی جماعت سے ہم کو کھانا مل جاوے گا۔ اور کچھ سلوک بھی کریں گے، اور جو محتاج نہیں ہوتے وہ صرف نماز کی آرام کے وجہ سے یا شہر میں اور جگہ ٹھہرنے کی نہ ملنے کی وجہ سے مسجد میں ٹھہرتے ہیں۔ دوم باہر سے جو علمائے واعظین وغیرہ آتے ہیں وہ بھی اکثر مساجد ہی میں ٹھہرتے ہیں سوم شہر ہی کے بعض باشندے بوجہ تنگی مکان گرمی کی وجہ سے مسجد میں سوتے ہیں، کیوں کہ مسجد میں کھلی ہوئی جگہ اور ہوادار ہوتی ہے۔ اور ان کا یہ خیال بھی ہوتا ہے۔ کہ مسجد میں سونے سے صبح کی جماعت ملجاتی ہے۔ گھر میں سونے سے جماعت فوت ہو جاتی ہے۔ چہارم باہر کے آدمی جو شہر میں آکر ملازم ہوتے ہیں، وہ بوجہ کمی آمدنی کے مکان کرایہ نہیں لے سکتے اس لئے مسجد میں سوتے ہیں اور مسجد کا کچھ کام مثل جھاڑو وروشنی وغیرہ کے کبھی کبھی کر دیتے ہیں، پنجم وہ لوگ ہیں جن کو نماز وجماعت سے کچھ غرض نہیں ہوتی، صرف ہوا خوری کے لئے مسجد میں سوتے ہیں اور نماز وجماعت میں شامل نہیں ہوتے جب آنکھ کھلی اُٹھ کر چلدیئے۔ ششم بیمار آدمی جس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا مسجد میں اس غرض سے آکر سوتا ہے کہ نمازی دیکھ کر میری عیادت کریں گے اور خبر گیری بھی کریں گے، ھفتم مؤذن مسجد وامام مسجد۔ ان سب اقسام کے اشخاص میں سے کن کن کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے اور کن کن کے لئے جائز نہیں ہے، اور جن کے لئے مساجد میں سونا جائز کیا ان پر ضروری لازمی فرض ہے کہ وہ مسجد کا بھی کچھ کام ضرور کریں. مثل اذان، اقامت، جھاڑو، صفائی روشنی وغیرہ۔

الجواب: بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ (اوّل) اگر مسلمان مسافر نمازی مسجد میں آکر ٹھہرے اور

سووے تو کوئی گناہ وخرابی کی بات نہیں، بلکہ جائز ومشروع ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قدم رھط من عکل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا فی الصفۃ (بخاری جلد ا باب نوم الرجال فی المسجد) یعنی قبیلہ عکل کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور وہ صفہ میں جو مسجد کے اندر جگہ تھی، ٹھیرے، اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے۔ کہ مسجد میں مردوں کے لئے سونا جائز ہے، اس حدیث سے مسافروں کے لئے مسجد میں ٹھیرنا بھی بخوبی ثابت ہوگیا (دوم) اور علمائے دین و واعظین کے لئے ٹھیرنا اور سونا اس حدیث سے بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا کیوں کہ اُن سے حاضرین مسجد کو دینی فائدے پہنچتے ہیں۔ اور مسائل دینیہ معلوم ہوتے ہیں۔ (سوم) ایسے ہی شہر کے بعض باشندے بوجہ تنگی مکان وگرمی اور نماز کے خیال سے اگر مسجد میں سوویں تو جائز و درست ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہ کان ینام وھو شاب عزب لا اھل لہ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں سویا کرتے تھے حالاں کہ وہ جوان اور مجرد تھے۔ اور مسند احمد میں یہ روایت اسطرح آئی ہے۔ کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ننام فی المسجد ونقیل فیہ ونحن شباب یعنی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں سویا کرتے تھے، اور قیلولہ کیا کرتے تھے، باوجود ہم جوان تھے، (چہارم) جو لوگ بوجہ غربت اور کمی آمدنی کے مکان کرایہ پر نہیں لے سکتے وہ اگر مسجد میں سوتے ہیں اور مسجد کا کچھ کام بھی کردیتے ہیں، تو ان کے لئے مسجد میں سونا بطریق اولیٰ جائز ہے، (پنجم) اور بیماروں کے لئے بھی مسجد میں ٹھیرنا اور سونا جائز ہے۔ بشرطیکہ دیندار اور نماز وغیرہ کا پابند ہو، صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے قالت اصیب سعد بن معاذ یوم الخندق رماہ رجل من قریش یقال لہ حبان العرقۃ فی الاکحل فضرب علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمۃ فی المسجد لیعودہ من قریب خلاصہ اس حدیث کا یہ سعد بن معاذ خندق کی لڑائی میں زخمی ہوگئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے مسجد میں خیمہ لگایا تھا، تاکہ قریب سے ان کی عیادت و بیمار پرسی کرلیا کریں (۶) مؤذن مسجد و امام مسجد کو بلاشبہ مسجد میں سونا جائز ہے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں (۷) جن لوگوں کو نماز جماعت سے کوئی غرض نہیں محض ہواخوری کے لئے مسجد میں سوتے ہیں۔ ان کے واسطے مسجد میں سونا جائز نہیں۔ جن لوگوں کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے اُن کے لئے یہ ضروری اور فرض نہیں اگر مؤذن موجود ہے۔ کہ وہ مسجد کا کام ضرور کریں جیسا کہ روایات گذشتہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر مسجد کی خدمت کریں تو اولیٰ وافضل ہے۔ واضح ہو کہ مسجد کی صفائی وخوشبو کا خیال چاہیئے، بدبو اور کوڑا کرکٹ وغیرہ نہ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پیاز ولہسن کھاوے۔

وہ ہماری مسجد میں نہ آوے، اس سے تمام قسم کی بدبوؤں کا مسجد میں ہونا ناجائز ثابت ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

ھذا ما عندی خلیل الرحمٰن مدرس مدرسہ الحدیث والفرقان

جواب ہذا صحیح کتاب والسنۃ کے مطابق،
ابو محمد عبدالوہاب الملتانی نزیل الدہلوی

ہذا الجواب حق۔ عبدالرحمٰن ولایتی مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی۔

الجواب صحیح ابوالحسن سید محمد

الجواب صحیح کتبہ محمد عبداللہ ۱۹ر شعبان ۱۳۲۸ھ

الجواب صحیح سید محمد عبدالسلام غفرلہٗ

الجواب حق الحق احق ان یتبع فماذا بعد الحق الا الضلال

الجواب صحیح عبدالستار حسن عمرپوری

مولانا حافظ حکیم ابوتراب عبدالوہاب صاحب بقلم خود

الجواب صحیح عبدالجبار عمرپوری

ابوالخیر غفرلہٗ اللہ تعالیٰ

الجواب حق صحیح واللہ اعلم کتبہ عبدالسلام المبارکفوری عفی عنہٗ ۲۳ر ذیقعد ۱۳۲۸ھ

جواب المجیب حق عندہ عبدالحکیم الصادقپوری العظیم آبادی عفی عنہ ۲۴ر ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

سارے جوابات صحیح ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
حررہ العبد الفقیر ابوالطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
محمد مجیب اللہ عفی عنہ

ہذا الجواب صحیح
محمد علیم الدین عفی عنہ مٹیا برجی

لقد اصاب من اجاب
العائذ بالرحمٰن عبدالمنان عفی عنہ وزیر آبادی

مسجد میں سونے کا مسئلہ اس کا ثبوت کما حقہ فتویٰ مصححہ میں مذکور ہے اور یہی قول قول جمہور ہے، علامہ ابن حجرؒ فتح الباری کے ص۲۶۶ جلد ۲ تحت باب نوم الرجال فی المسجد فرماتے ہیں۔ ای جواز ذلک وھو قول الجمہور یعنی مسجد میں سونا جائز ہے، اور یہی قول جمہور ہے۔ پھر تحت قول وھو راقد فرماتے ہیں فیہ مراد الترجمۃ لان حدیث ابن عمر یدل علی اباحتہ لمن لا مسکن لہ وکذا بقیۃ احادیث الباب الا قصۃ علی فانہا تقتضی التعمیم یعنی حدیث میں حضرت علی کے مسجد میں سونے کا ذکر امام بخاری کے ترجمہ باب (مردوں کا مسجد میں سونا) کے موافق مراد ہے یعنی چاہے ان لوگوں کے گھر ہوں یا نہ ہوں مطلقاً جائز ہے۔ اور حضرت ابن عمر کی حدیث ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے مکان مسکن نہ ہوں، بہر کیف امام بخاری کے نزدیک مسجد میں سونا جائز ٹھہرا جس کو انہوں نے افعال صحابہ سے عموماً وخصوصاً استنباط کیا۔

امام ترمذی نے بھی اپنی سنن میں باب ما جاء فی النوم فی المسجد کا بخاری ہی کی طرح منعقد کیا ہے

اور حدیث ابن عمر قال کنا ننام علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ونحن شباب نقل کرکے فرمایا ہے وقد رخص قوم من اہل العلم فی النوم فی المسجد یعنی اہل علم کی ایک جماعت نے مسجد میں سونے کی رخصت دی ہے اور بعض ائمہ مطلقاً کے قائل نہیں، بلکہ ان لوگوں کے حق میں فتوے دیتے ہیں، جو غریب ہو مسافر ہو بے گھر کا ہو چنانچہ امام الائمہ شیخ ابن تیمیہؒ اپنے مجموعہ فتاویٰ کے صـ۱۱۱ میں فرماتے ہیں، اما النوم احیانا للمحتاج مثل الغریب والفقیر الذی لا مسکن لہ فجائز یعنی محتاج اور بے گھر کے لوگوں کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ اور صـ۱۳۱ پر فرماتے ہیں فانما وقعت الرخصۃ لبعض ذلک لذی الحاجۃ مثل ما کان اہل الصفۃ الرجل یاتی مہاجرا الی المدینۃ ولیس لہ مکان یاوی الیہ فیقیم فی المسجد الخ یعنی اہل حاجت کے لئے مسجد میں رہنے سونے کی اجازت ہے جیسے حضرات اہل صفہ تھے کہ جب یہ لوگ مدینہ میں ہجرت کرکے آئے اور اُن کے رہنے سہنے کے واسطے کوئی مکان نہ تھا تو مسجد ہی میں ڈیرا ڈال کر رہنے لگے اور صـ۱۳۳ میں فرماتے ہیں واما المبیت فیہ فانکان لحاجۃ کالغریب الذی لا اہل لہ والغریب الفقیر الذی لا بیت لہ ونحو ذلک اذا کان فیہ بقدر الحاجۃ ثم ینتقل فلا باس یعنی مسجد میں سونے کا مسئلہ سو اگر کوئی مسافر یا غریب بے گھر کا ہو، تو اُس کے سونے اور رہنے کے واسطے بقدر حاجت کوئی حرج نہیں۔ الحاصل ان نقول وفتاویٰ سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ مسجد میں سونا بلا شبہ جائز ہے۔ وھذا ھو الحق والحق احق ان یتبع والسلام علی من اتبع الھدیٰ

حررہ الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو النعمان الاعظمی المئوی صانہ اللہ عن کل غبی وغوی

الجواب صحیح
العبد محمد سلیمان عفی عنہ

مسجد میں سونا سو یہ بھی ثابت ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جو غزوہ خندق میں مجروح ہوئے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ٹھہرایا نیز حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا مسجد میں سونا ثابت ہے، حالانکہ سوا ابن عمر کے اور اگ کو مکان سونے کے لئے موجود تھا، لہذا مسجد میں مسافر اور غیر مسافر اہل مکان کا سونا جائز ہے۔ رہا شور و غل اور دنیاوی باتیں کرنا سو یہ البتہ منع ہے اور یہ شئے دیگر ہے، اس سے عدم جواز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد عفی عنہ

ھذہ الاجوبۃ کلھا صحیحۃ کافیۃ وافیہ لمن اراد ان یتمسکھا ویعمل علیھا

حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ الباری محمد عبد الہادی

بوقت ضرورت مسجد میں رہنے یا سونے کے متعلق جواب نمبر اوّل کے تائید میں الفاظ ذیل ہو سکتے ہیں۔

ضرب علیہم قبۃ فی ناحیۃ مسجدہ کتاب زاد المعاد للامام ابن القیمؒ جلد اوّل فصل دوم فی غزوۃ الطائف مطبوعہ مصریہ صفحہ ۵۸۱ھ۔ ایضاً سیرت ابن ہشام علی ہامش زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۳۳۷ انزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفد ثقیف فی المسجد وبنی لھم خیاما لکی یسمعوا القراٰن ویروا الناس اذا صلوا۔ زاد المعاد جلد ثانی فصل فی قدوم وفود العرب وغیرہم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۴ اس فصل کے چند فقاہت کو اس کے مابعد کے فصل میں لکھتے ہوئے یہ لکھتے ہیں۔ ومنہا جواز انزال المشرک فی المسجد ولاسیما اذا کان یرجوا سلامہ وتمکینہ من سماع القراٰن ومشاھدۃ اھل الاسلام عبادتھم صفحہ ۲۶ ان عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشی سے ان وفد دکمیشن کو مسجد میں رہنے دیا بلکہ ان کے لئے خیمہ نصب کر دیا۔ ایسا ہی بوقت ضرورت مسجد سے جیل خانہ کا کام لیا، جیسا کہ صحیح بخاری کے باب الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر ایضاً فی المسجد وکان شریح یامر الغریم ان یحبس الی ساریۃ المسجد اور اسباب کے حدیث جس میں قصہ ثمامہ بن اثال کا ذکر ہے، ان دونوں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

کتبہٗ العاجز ابو تراب محمد عبد الرحمٰن الہ آبادی

سوال: مساجد میں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کا قرآن کی تعلیم پانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا متولی کو اس تعلیم کے بند کرنے کا شرعاً اختیار حاصل ہے؟

الجواب: مساجد میں چھوٹے لڑکوں کا آنا اور قرآن کی تعلیم پانا جائز ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب کو گود میں لے کر نماز پڑھا کرتے تھے، اس حدیث کے تحت میں نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ میں مذکور ہے۔ ومن فوائد الحدیث جواز ادخال الصبیان المساجد اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کا مسجدوں میں داخل کرنا جائز ہے، ایسے ہی امام حسنؓ وحسینؓ کا بچپن کی حالت میں مسجد میں آنا، امام احمدؒ کی روایت میں مذکور ہے۔ اور ایک صحیح ______ حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بچے کا رونا سنکر نماز کو ہلکا کر دیتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ اس کی ماں پراگندہ و پریشان ہو جاوے۔ اس سے بھی بچوں کا مسجد میں آنا ثابت ہوا، اور جو کام جائز ہے اس کے روکنے کا متولی کو کوئی مجاز نہیں، ہاں اس امر کی ضرور نگرانی واحتیاط چاہیئے، کہ لڑکوں کی وجہ سے مسجد کی پاکی وصفائی میں کچھ فرق نہ آوے۔

واللہ اعلم بالصواب   ھذا ما عندی خلیل الرحمٰن مدرس مدرسہ الحدیث والفرقان

جواب ہذا صحیح

ابو محمد عبد الوہاب الملتانی نزیل الدہلی

ہذا الجواب حق

عبد الرحمٰن ولایتی مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی

الجواب صحیح

کتبہٗ محمد عبد اللہ ۱۹ ر شعبان ۱۳۲۸ھ

الجواب حق الحق احق ان یتبع فماذا بعد الحق الا الضلال

مولانا حکیم ابو تراب عبد الوہاب صاحب بقلم ابو الخیر غفرہ اللہ

الجواب صحیح

ابو الحسن سید محمد

الجواب صحیح

سید محمد عبد السلام غفرلہ

الجواب صحیح

عبد الستار حسن عمر پوری

الجواب صحیح

عبد الجبار عمر پوری

الجواب حق صحیح واللہ اعلم

کتبہ عبد السلام المبارکپوری عفی عنہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

سارے جوابات صحیح ہیں واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد الفقیر ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفا اللہ عنہ

جواب المجیب حق

عبدہ عبد الحکیم الصادقپوری العظیم آبادی عفی عنہ ۲۴ ر ذیقعد ۱۳۲۸ھ

ہذا الجواب صحیح

محمد عین الدین عفی عنہ مٹیا برجی

الجواب صحیح

محمد مجیب اللہ عفی عنہ

لقد اصاب من اجاب

العائذ بالرحمٰن عبد المنان عفی عنہ وزیر آبادی

مسئلہ تعلیم صبیان کا مسجد میں اس کے لئے دو بات سمجھ لینے کی ہے۔ اول یہ کہ عہد نبوی صلعم میں بچوں کا مسجد میں آنا جانا ثابت ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ تعلیم امر دینی ہے یا نہیں۔ پہلے امر کی نسبت فتویٰ مصححہ میں پورا ثبوت ہے۔ کہ سبطین شہیدین امام حسن و حسین بحالت طفولیت برابر مسجد میں آتے جاتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی کو مسجد میں لاتے تھے۔ بلکہ اُس کو گود میں لے کر نماز فرض ادا کرتے جس سے دن کیطرح روشن ہے۔ کہ عہد نبوی میں بچے مسجد میں آتے جاتے تھے، دوسرے امر کی نسبت بخاری شریف میں ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں میں بہتر وہ ہے، جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھاوے۔ جس سے تعلیم کا امر دینی ہونا بخوبی ثابت ہوگیا اور ماسوا اس کے اور بہت سی حدیثیں ہیں، جن سے تعلیم علم کے فضائل معلوم ہوتے ہیں۔ جس کے امر دین ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں، اور ہر امر دین کا جو اس قسم سے ہوں مسجد میں ہونا جائز و مشروع ہے اور مسجد مسئول عنہ میں تعلیم صبیان

سے یہی تعلیم قرآن مراد ہے پس اُسکا مسجد میں ہونا سراسر موافق شریعت ہے۔

البتہ اس صورت میں لڑکوں کا بہت خیال کرنا ہوگا کہ مسجد کی ستھرائی اور صفائی میں فرق نہ ہو کیوں کہ اسی امر عارضی کی وجہ سے بعض علماء منع کرتے ہیں، مگر جب یہ عارضی امر اٹھا دیا جائے اور مسجد کی لطافت وصفائی کا پورا انتظام کیا جائے تو نفس تعلیم اُن علماء کے نزدیک بھی جائز ہوگی۔ حدیث شریف میں وارد ہے انما بنیت المساجد لما بنیت لہ یعنی مسجد جس کام کے لئے بنائی گئی وہی کام اُس میں ہونا چاہیے اس کے تحت امام نوویؒ فرماتے ہیں معناہ لذکر اللہ والصلوٰۃ والعلم والمذاکرۃ فی الخیر ونحوھا یعنی اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اس میں اللہ جل شانہٗ کا ذکر اور نماز اور تعلیم علم اور وعظ ونصیحت ومناظرہ مباحثہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں تعلیم صبیان جائز ہے۔ مگر معلم کو بہت احتیاط کرنی ہوگی، کہ مسجد پاک و صاف رہے، اور بچے لہو لعب شور وغل نہ کریں، کیوں کہ اسی لہو ولعب کے خیال سے حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے۔ جنبوا مساجدکم صبیانکم یعنی مسجدوں کو بچوں سے بچاؤ۔ اس کے تحت حافظ ابن کثیرؒ جلد ۶ کے صفحہ ۹۸ میں فرماتے ہیں لانھم یلعبون فیہ ولا یناسبھم یعنی کیوں کہ وہ بچے کھیل کود مچاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں بچوں کے کھیل کود پر درہ سے مارتے تھے، اُسی ابن کثیر کے صفحہ مذکورہ میں ہے، وقد کان عمر بن خطابؓ اذا رای صبیانا یلعبون فی المسجد یضربھم بالمخفقۃ + لہذا بچوں کے اس کھیل کود پر معلم کو بھی چاہیئے کہ چھڑی سے خبر لے اور کھیل کود سے روکے۔ الغرض امورِ عارضیہ سے نفس تعلیم کو کوئی ضرر نہیں، وھذا ھو الحق والحق احق ان یتبع والسلام علی من اتبع الھدیٰ

حررہ الواجی رحمۃ ربہ القوی ابو النعمان الاعظمی المؤی صانہ اللہ عن کل غبی وغوی

الجواب صحیح العبد محمد سلیمان عفی عنہ

واضح ہو کہ مسجد میں لڑکوں کا عہد نبوی میں آنا اور حضرت حسانؓ شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر پڑھنا اور کافر کا مسجد میں باندھنا اور اہل حبش کا مسجد میں ان چیزوں کا کھیلنا جو مقابلہ کفار کا آلہ ہوں ثابت ہے، اور نیز خواب کی تعبیر کرنا اور اُس کا بیان کرنا مسجد میں ثابت ہے، جیسا کہ کتب احادیث اس سے مالا مال ہیں، پس جب ان چیزوں کا جو بالذات ذکر اللہ میں داخل نہیں ہیں جواب ثابت ہے تو تعلیم قرآن وحدیث جو عین ذکر اللہ اور افضل عبادات سے ہے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، علاوہ اس کے خود دربارہ مسجد یہ وارد ہے، کہ مسجد ذکر اللہ کے لئے ہے۔ نابالغ کو جیسا کہ تعلیم صلوٰۃ کا حکم ہے ویسا ہی احکام شرعی تعلیم کا حکم ہے، خواہ

مسجد کے اندر ہو یا باہر۔ رہا مسجد میں شوروغل سو یہ البتہ منع ہے خواہ نابالغ کریں یا بالغ اس سے نفس تعلیم کا عدم جواز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا مسلمانوں کو مشورہ سے کام لینا سو یہ عہد نبوی اور عہد خلفاء اربعہ میں اہل اسلام کا شعار تسلیم کیا گیا ہے۔ اور درحقیقت بغیر اس کے اسلام کا کام چلنا محال ہے۔ کما لا یخفیٰ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد عفی عنہ

نابالغ لڑکوں کے مسجد میں داخل ہونے کے جواز میں بہت سے دلائل واضحہ ہیں۔ منجملہ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مروا اولادکم بالصلوٰۃ اذا بلغوا سبعًا۔ الحدیث یعنی آپ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کی تاکید کرو، نماز کی تاکید جب ہی ہو گی، جب ان کو نماز سکھائی جائے گی اور مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی امور تعلیمیہ نماز میں سے ہے۔ یعنی جب ان کو نماز کی تعلیم و تاکید کیجائیگی۔ تو لامحالہ مسجد کا لزوم اور جماعت کی پابندی کے بھی ضرور تاکید ہوگئی، ورنہ بغیر اس کے نماز کی تعلیم میں نقص ہوگا۔ پس اس صورت میں چھوٹے بچوں کا مسجد میں آنا ایک ضروری اور لابدی امر ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکا صغیر سن جس کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، وہ اپنی ایک قوم کی مسجد میں امامت کرتا تھا، جیسا کہ ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۸۶ مطبوعہ نامی کانپور میں ہے۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت لڑکوں کے مسجد میں آنے اور داخل ہونے کا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ کتبہ العاجز ابو تراب محمد عبدالرحمٰن الہ آبادی

سوال: مسجد کو زینت و زیب سے آراستہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: بدعت اور اسراف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجدیں زیب و زینت سے پاک و صاف ہوتی تھیں اور آپ نے یہود و نصاریٰ کیطرح زیب و زینت سے منع فرمایا ہے۔

اخبار اہلحدیث دہلی ۱۵ دسمبر ۱۹۵۳ء

سوال: تراویح با جماعت مسجد میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نماز تراویح با جماعت مسجد میں پڑھ سکتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ جائز بلکہ سنّت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جماعت سے تراویح کی نماز پڑھائی ہے۔ چونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں فرض ہونے کا اندیشہ تھا۔

اس لیے مصلحتاً ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ مندرجہ ذیل حدیثیں اس کے ثبوت میں کافی وشافی ہیں۔

(۱) عن جبير بن نفير عن ابى ذر قال صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يصل بنا حتى بقى سبع من الشهر فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل ثم لم يقم بنا فى الثالثة وقام بنا فى الخامسة حتى ذهب شطر الليل فقلنا يا رسول الله لو نفلتنا بقية ليلتنا هذه فقال انه من قام مع الامام حتى ينصرف كتب له قيام ليلة ثم لم يقم بنا حتى بقى ثلاث من الشهر فصلى بنا فى الثالثة ودعا اهله ونساءه فقام بنا حتى تخوفنا الفلاح قلت له ما الفلاح قال السحور رواه الخمسة وصححه الترمذى۔

(۲) عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى فى المسجد فصلى بصلاته ناس (منتقى) ثم صلى الثالثة فكثر الناس ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة او الرابعة فلم يخرج اليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما اصبح قال رأيت الذى صنعتم فلم يمنعنى من الخروج اليكم الا انى خشيت ان تفترض عليكم وذلك فى رمضان (متفق عليه) وفى رواية قالت كان الناس يصلون فى المسجد فى رمضان بالليل اوزاعا يكون مع الرجل الشئ من القرآن فيكون معه النفر الخمسة او السبعة او اقل من ذلك او اكثر يصلون بصلاته فخرج اليهم بعد ان صلى عشاء الاخرة فاجتمع اليه من فى المسجد فصلى بهم وذكرت القصة بمعنى ما تقدم غير ان فيها انه لم يخرج اليهم فى الليلة الثانية (رواه احمد)

(۳) وفى صحيح مسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ليلة فى جوف الليل فصلى فى المسجد وصلى رجال بصلاته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بصلاته فلما كانت الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الصلوة اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم يخف على مكانكم ولكن خشيت ان تفترض عليكم فتعجزوا عنها فتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم والامر على ذلك۔

والحاصل ان الذى دلت عليه احاديث الباب وما يشابهها هو مشروعية القيام فى رمضان والصلوٰة فيه جماعة وفرادى فقصر الصلوٰة المسماة بالتراويح على عدد معين وتخصيصها بقرأة مخصوصة لم يرد به سنة (نيل الاوطار)

عبارت مذکورہ کا مطلب آپ سمجھتے ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ یہی

ہے کہ چونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا اور یہ عبادت خدا کو محبوب ہے، کہیں فرض نہ ہو جائے۔ اور فرض ہو جانے کے بعد امت کے لئے بڑی دشواری پیش آئے گی۔ اس لئے آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، جیسا کہ احادیث مذکورہ اور دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم دہلی

الحدیث دہلی جلد ۲ ش ۱۳

سوال: مخملی مصلی پر جس میں خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے نقشے بنے ہوتے ہیں، اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ مصلیٰ ریشم کا نہیں ہے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن مکروہ ہے۔ کیوں کہ نقش و نگار کی وجہ سے دھیان بٹنے اور خشوع و خضوع میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ فَنَظَرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقش و نگار والی چادر پر نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور اس سے میرے لئے بغیر نقش و نگار والی چادر لے آؤ۔ اس لئے کہ اس نقش و نگار نے مجھے نماز سے غافل کر دیا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أَنْظُرُ إِلَى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ نماز ہو جائے گی، کیوں کہ آپ نے ایسے کپڑے میں نماز پڑھ کر لوٹائی نہیں، لیکن چونکہ آپ نے اس نقش و نگار والے کپڑے کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے مکروہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ عبدالسلام مدرسہ ریاض العلوم دہلی۔ الحدیث دہلی جلد ۲ ش ۱۴

سوال: اعتکاف مسجد کے اندر ضروری ہے کہ جیسے آج کل حجرے وغیرہ بنے رہتے ہیں یا مسجد کی کسی کوٹھی میں اعتکاف کے لئے بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب (۱) اعتکاف مسجد میں ہی ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ادھر ادھر کے مکانوں

میں جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم اہلحدیث دہلی جلد ۲ اشمارہ ۲

سوال: عورتوں کو بھی جمعہ کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ جس طرح مردوں پر ضروری ہے کیا عورتیں بھی جمعہ کی نماز مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے اسی طرح گنہگار ہوں گی، جس طرح مرد گنہگار ہوتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ عورتوں پر جمعہ کی نماز اسی فرض ہے جس طرح مردوں پر۔ ان کا استدلال یہ ہے۔ کہ سورۃ جمعہ کی آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الخ کے عموم میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں ہم نے ان کی خدمت میں مشکوٰۃ کی یہ دو حدیثیں پیش کیں۔

(۱) عن طارق بن شهاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعةٍ الا على اربعة عبدٍ مملوكٍ او امرأةٍ او صبيٍ او مريضٍ (رواه ابوداود)

(۲) عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان يومن بالله واليوم الاخر فعليه الجمعة يوم الجمعة الا مريض او مسافر او امرأة او صبي او مملوك (دار قطنی)

ان دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث کے بارے میں مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ سند کے اعتبار سے طارق کی حدیث صحیح ہے، لیکن طارق صحابی نہیں ہیں۔ اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سُنا ہے۔ تو یہ حدیث مرسل ہوئی اور حدیث مرسل ایسی حجت نہیں ہے، جو عموم قرآن متواتر کی تخصیص کر سکے۔

حدیث جابر کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں سے عورتوں کو مستثنیٰ کرنا درست نہیں ہے۔ لہٰذا عورتوں پر جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں آکر پڑھنا فرض ہے۔ وہ مولوی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہل ظاہر نے عبد مملوک پر جمعہ کو واجب ٹھہراتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ ملا باری مولوی صاحب کا استدلال صحیح ہے یا غلط ہے اور ان حدیثوں کے بارے میں ان کی تنقید درست ہے یا نہیں، معلوم کرائیں، جمعہ کی نماز میں عورتوں کے شریک ہونے کو ہم جائز تو سمجھتے ہیں۔ مگر ان کی شرکت کی فرضیت تحقیق طلب ہے، از راہ کرم صحیح مسئلہ کیا ہے اور سلف کا تعامل کیا رہا ہے معلوم کرا کے ممنون فرماویں۔ والسلام سید عنایت اللہ

الجواب ۔ عورت پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے اور مذکورہ سوال کی حدیثیں قابلِ حجیت ہیں۔ طارق بن شہاب کی روایت بھی صحیح سند سے مروی ہے۔ تلخیص الحبیر جلد ا صفحہ ۱۳۰ میں ہے الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد او امراۃ او صبی او مریض (ابوداود) من حدیث طارق ابن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ الحکم من حدیث طارق ھذا عن ابی موسی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصححہ غیر واحد اور اس کی تائید ابن خزیمہ کی حدیث سے ہوتی ہے چنانچہ تلخیص کے اسی صفحہ پر ہے۔ واخرجہ ابن خزیمۃ من حدیث ام عطیۃ نھینا من اتباع الجنائز ولا جمعۃ علینا لکن اخرجہ بھذا اللفظ وترجم علیہ اسقاط الجمعۃ عن النساء لہٰذا یہ حدیثیں صحیح قرآن مجید کی مخصص ہو جائیں گی مالا باری مولوی صاحب کا استدلال درست نہیں ہے۔ اور حدیث مذکورہ درایہ صفحہ ۱۳۲ میں بھی ہے۔ اس میں عن تمیم الداری رفعہ الجمعۃ واجبۃ الخ اور عن ابن عمر رفعہ الخ وعن جابر رفعہ الخ اس حدیث کے چار صحابی ابوموسیٰ اور تمیم الداری اور ابن عمر اور حضرت جابر روایت کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ارسال اور ضعف جاتا رہا۔ واللہ اعلم بالصواب

اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۳۲

وَوَرَدَ عَلَيْهِ دَامَتْ رَحْمَةُ الْبَارِي تَتْرَى إِلَيْهِ

ھذا السؤال ولفظہ ما قولکم رضی اللہ عنکم فی رجل یجھر بالقراءۃ فی المسجد حال تلاوتہ ویتاذی بجھرہ المصلون ھل لہ اجر علی جھرہ ام لا افتونا ماجورین فاجاب بقولہ رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذی اصطفی وبعد فقد ورد عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقرأۃ فکشف الستر وقال الا کلکم مناجٍ ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأۃ او قال فی الصلاۃ اخرجہ ابوداود قال المنذری واخرجہ النسائی وقال السید محمد بن اسماعیل الامیر وحدیث لا یشغلن قارئکم مصلیکم حدیث غیر صحیح الا انہ قد ثبت معناہ وذلک انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بعض الصلوٰۃ التی یجھر فیھا بالقراءۃ فلما انصرف قال للذین خلفہ ھل تقرأون اذا جھرت فقال بعضھم انا لنصنع ذلک قال فلا

تفعلوا الا بام القرآن فانه لاصلوٰة لمن لم يقرأ بها اخرجه ابوداؤد والترمذی وغيرهما وهذا فی الجهرية و
ثبت فی السرية مثل ذلك واذا نهی صلی الله عليه وسلم عن القراءة فی الصلوٰة لئلا يختلط علی الامام فالنهی
عن القراءة لمن هو خارج الصلوٰة كالذی يدرس جهراً والناس يصلون ولو واحداً اولی وكل فعل منهی
عنه فلا اجر فيه بل فيه الاثم فمن اراد بعلو القراءة فی مسجد لا تزال الصلاة فيه فيجب عليه اسرار
تلاوته. والله اعلم انتهی كلام السيد محمد بن اسمعيل الامير بلفظه فاذا علمت هذا فاعلم ان ما قيد به السيد
يكون الناس يصلون ليس بقيد فی الحقيقة ويدل علی ذلك الحديث المتقدم فی ابی داؤد عن ابی سعيد
وفيه اعتكف رسول الله صلی الله عليه وسلم فسمعهم يجهرون بالقراءة الخ فان فيه ايذاء الناس بالقراءة
وهم فی الصلاة او فی غيرها منهی عنه قال النووی فی شرح مسلم فی كتاب فضائل القرآن قوله سمع النبی صلی الله
عليه وسلم رجلا يقرأ بالليل فقال يرحمه الله لقد اذكرنی كذا وكذا آية فی هذه الالفاظ فوائد منها
جواز رفع الصوت بالقرأة فی المسجد بالليل ولا كراهة فيه اذا لم يؤذ احداً ولا تعرض للرياء والاعجاب
ونحو ذلك انتهی وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری فی باب رفع الصوت بالتكبير بعد ذكر حديث ابی
موسیٰ كنا اذا اشرفنا علی واد هللنا وارتفعت اصواتنا الخ قال الحافظ قال الطبری فيه كراهية رفع الصوت
بالدعاء والذكر وبه قال عامة السلف من الصحابة والتابعين انتهی فقد بان الحق واتضح بما
اوردناه من الاحاديث وكلام شراحه بان رفع الصوت بالقرأة اذا كان مما يتاذی به من فی المسجد سواء
كانوا يصلون او غير مصلين منهی عنه وقد ايدنا ذلك بما نقلناه عنه صلی الله عليه وسلم وبما اتفق
عليه السلف من الصحابة والتابعين كما مر عن الطبری والنووی ونقله الحافظ عن الطبری مرتضيا له
والله اعلم وعلمه اتم واحكم وهو حسبنا ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم وصلی الله
علی سيدنا محمد واله وصحبه وسلم۔ نور العين فتاوی شيخ حسين ص۹۷

خلاصہ (سوال) ایک آدمی مسجد میں بآواز بلند قرآن کی تلاوت کرتا ہے جس کی وجہ سے نمازی تکلیف محسوس کرتے ہیں، کیا اس آدمی کو اللہ کے ہاں ایسی تلاوت کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا

(جواب) مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنے والا ثواب کا مستحق اسی صورت میں ہے کہ جب مسجد میں اس کی تلاوت کسی کے لئے موجب تکلیف نہ ہو۔

اس کے علاوہ اگر اس کی تلاوت مسجد میں کسی نمازی یا غیر نمازی کے لئے باعث تکلیف ہو، تو اس

وقت ثواب کی بجائے عتاب کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی اونچی آواز سے درس وغیرہ دیتا ہے جس سے مسجد میں کسی نمازی کو تکلیف ہو وہ بھی اسی حکم میں شامل ہے۔

کیوں کہ حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اعتکاف فرما رہے تھے کہ لوگوں نے باآواز بلند قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا، تو آپ نے پردہ ہٹا کر فرمایا:۔

تم میں سے ہر کوئی اللہ سے مناجات کرتا ہے۔ بلند آواز پڑھنے سے ایک دوسرے کے لئے ایذاء کا سبب نہ بنو۔ الحدیث

آپ نے ان کو بلند آواز سے منع فرمایا کیوں کہ آپ کے لئے تکلیف دہ تھی اور جو کام ایسے کام کا مرتکب ہوتا ہے، جس سے حضور علیہ السلام نے روکا ہے، وہ واقعی قابل سزا ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمیصۃ لہا اعلام نظر الیہا نظرۃ فلما انصرف قال اذہبوا بخمیصتی ہذہ الی ابی جہم وائتونی بانبجانیۃ ابی جہم فانہا الہتنی انفاً عن صلاتی اخرجہ البخاری والامام مالک فی موطائہ وفی روایۃ کنت انظر الی علمہا وانا فی الصلوۃ فاخاف ان تفتننی قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ویستنبط من الحدیث کراہیۃ کل ما یشغل عن الصلوۃ من الاصباغ والنقوش ونحوہا انتہی

وقال الزرقانی فی شرح الموطا واستنبط منہ الامام کراہۃ النظر الی کل ما یشغل عن الصلوٰۃ من صبغ وعلم ونقوش وغیرہا لقولہ فی الترجمۃ النظر الی ما یشغلک عنہا ولم یقیدہ فی الترجمۃ بخمیصۃ ولا غیرہا انتہیٰ وفی القسطلانی علی البخاری واستنبط من الحدیث الحث علی حضور القلب فی الصلاۃ وترک ما یؤدی الی ما یشغلہ وقد شہد القرآن بالفلاح للمصلین الخاشعین والفلاح اجمع اسم لسعادۃ الاخرۃ بانتفا الخشوع ینتفی الفلاح فالمصلی یناجی ربہ فعظم فی نفسک قدر مناجاتہ د

انظر من تناجی کیف تناجی وبما ذا تناجی فاعلم واعمل تسلم ان شاء اللہ تعالیٰ انتہی بلفظہ وفی سبل السلام شرح بلوغ المرام للامام الحافظ السید المنیر محمد بن اسماعیل الامیر وفی الحدیث دلالۃ علی کراھۃ النظر الی ما یشغل عن الصلوٰۃ من نقوش ونحوھا وفیہ کراھۃ الصلوٰۃ علی المفارش والسجاجید المنقوشۃ وکراھۃ نقش المساجد انتہی۔ وفی فتح العلام شرح بلوغ المرام للسید محمد صدیق حسن خان وفی الحدیث دلیل علی کراھۃ ما یشتغل عن الصلاۃ من النقوش ونحوھا مما یشتغل القلب فیہ مبادرتہ صلی اللہ علیہ وسلم الی صیانۃ الصلاۃ عما یلھی وازالۃ ما یشغل عن الاقبال الیھا وفیہ کراھۃ الصلوٰۃ علی المفارش والسجاجید المنقوشۃ وکراھۃ نقش المساجد ونحوھا انتہی وفی البخاری ان عمر بن الخطاب امر ببناء المسجد النبوی وقال للصانع ایاک ان تحمر او تصفر ای ایاک وتحمیر المسجد وتصفیرہ فتفتن الناس قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری قال ابن بطال کان عمر رضی اللہ عنہ فھم ذلک من رد الشارع الخمیصۃ الی ابی جہم من اجل الاعلام التی فیھا وقال انھا الھتنی عن صلاتی قلت ویحتمل ان یکون عند عمر رضی اللہ عنہ علم خاص بھذہ المساجد فقد روی ابن ماجۃ من طریق عمرو بن میمون عن عمر مرفوعا ما ساء عمل قوم الا زخرفوا مساجدھم ورجالہ ثقات الا شیخہ جبارۃ بن المغلس ففیہ مقال انتہی وفی البخاری وقال انس یتباھون بھا ثم لا یعمرونھا الا قلیلا قال الحافظ ھذا التعلیق رویناہ موصولا فی مسند ابی یعلی وصحیح ابن خزیمۃ من طریق ابی قلابۃ ان انسا قال سمعتہ یقول یاتی علی امتی زمان یتباھون بالمساجد ثم لا یعمرونھا الا قلیلا واخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان مختصرا من طریق اخری عن ابی قلابۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی یتباھی الناس فی المساجد والطریق الاولی الیق بمراد البخاری وعند ابی نعیم فی کتاب المساجد من الوجہ الذی عند ابی خزیمۃ یتباھون بکثرۃ المساجد وقولہ ثم لا یعمرونھا المراد بہ عمارتھا بالصلاۃ وذکر اللہ ولیس المراد بہ بنیانھا بخلاف ما یاتی فی ترجمۃ الباب الذی بعدہ انتہی وفی شرح المشکوٰۃ لعلی القاری یتباھون ای فی شانھا وبنائھا یعنی یتفاخر کل واحد بمسجدہ ویقول مسجدی ارفع او ازین او احسن ریاء وسمعۃ واختلافا للمدحۃ وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما امرت بتشیید المساجد رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی ای برفعھا واعلائھا وتجصیصھا فھما زائد ان علی قدر الحاجۃ کذا فی شرح المشکوٰۃ للمحقق علی القاری وفی البخاری عن ابن عباس لتزخرفنھا کما زخرفت الیھود والنصاری وقال فی شرح المشکوٰۃ للمحقق علی القاری وھو موقوف لکنہ فی حکم

المرفوع وهذا بدعة لانه لم يفعل عليه السلام وفيه موافقة اهل الكتاب وفى النهاية فى الزخرفة بالنقوش بالذهب وفى شرح السنة كانت اليهود تزخرف المساجد عند ما حرفوا دينهم وانتم تصيرون الى مثل حالهم فى المراآت بالمساجد وتزيينها انتهى وفى القسطلانى واستنبط منه كراهية زخرفة المساجد لاشتغال قلب المصلى بذلك او تصرف المال فى غير وجهه نعم اذا وقع ذلك على سبيل التعظيم للمساجد ولم يقع الصرف من بيت المال فلا باس انتهى وفى العينى على البخارى على قول ابن عباس رضى الله عنه لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ وبهذا استدل اصحابنا على ان نقش المسجد وتزيينه مكروه وقول بعض اصحابنا لا باس بنقش المسجد معناه تركه اولى انتهى وفى الدر المختار ولا باس بنقشه خلا محرابه فانه يكره لانه يلهى المصلى ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فى جدار القبلة قاله الحلبى ثم ظاهره ان المراد بالمحراب جدار القبلة انتهى قال فى الشامى قوله ولا باس الخ فى هذا التعبير كما قال شمس الائمة اشارة الى انه لا يوجر ويكفيه ان ينجو راسا براس انتهى قال فى النهاية لان لفظ لا باس دليل على ان المستحب غيره لان الباس الشدة انتهى ولهذا قال فى المضمرات والصرف الى الفقراء افضل وعليه الفتوىٰ انتهى وقيل يكره لقوله صلى الله عليه وسلم ان من اشراط الساعة تعظيم المساجد الحديث وقيل مستحب لما فيه من تعظيم المساجد انتهى قوله لانه يلهى المصلى اى يُخل بخشوعه من النظر الى موضع سجوده ونحوه وقد صرح فى البدائع فى مستحبات الصلاة انه ينبغى الخشوع فيها ويكون منتهى بصره الى موضع سجوده الخ وكما صرح به فى الاشباه ان الخشوع فى الصلوٰة مستحب والظاهر من هذا ان الكراهة تنزيهة فافهم كلام الشامى وقوله ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فى جدار القبلة هذا تخصيص لما فى المتن من نفى الباس ولهذا قال فى الفتح وعندنا لا باس ومحل الكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصاً فى المحراب فافهم انتهى وقال العلامة الشامى فى حاشيته على البحر الرائق قوله لانه يلهى المصلى قال فى الشرنبلالية قلت فعلى هذا لا يختص بالمحراب بل فى اى محل يكون امام من يصلى بل اعم منه وبه صرح الكمال فقال بكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فى المحراب انتهى وبه يعلم ما فى كلام المؤلف انتهى كلام العلامة الشامى على البحر الرائق وقال العلامة على القارى فى شرح المشكاة قال مر ابن مسعود رضى الله عنه بمسجد مزخرف فقال لعن الله من فعل هذا او فى فتح البارى ثم كان عثمان رضى الله عنه والمال فى زمانه اكثر فحسنه بما لا يقتضى الزخرفة ومع ذلك فقد انكر بعض الصحابة عليه واول من زخرف المساجد الوليد بن عبد الملك بن مروان وسكت كثير من اهل العلم عن انكار ذلك خوفاً من الفتنة ورخص فى ذلك بعضهم وهو قول ابى حنيفة اذا وقع ذلك على سبيل التعظيم ولم يقع الصرف على ذلك من بيت المال

کلام الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وفی صحیح مسلم من حدیث محمود بن لبید الانصاری قال الحافظ فی فتح الباری
وھو من صغار الصحابۃ قال لما اراد عثمان بناء المسجد کرہ الناس ذلک واحبوا ان یدعہ علی ھیأتہ ای
فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظھر بھذا ان قول البخاری فی حدیث الباب حین بنا ای اراد ان
یبنی قال الحافظ فی فتح الباری وقال قال البغوی فی شرح السنۃ کرہ الصحابۃ بناؤہ بالحجارۃ المنقوشۃ لا
مجرد توسیعہ انتھی وفی فتح الباری ایضا وکان بناء عثمان سنۃ ثلاثین علی المشھور وقیل فی آخر سنۃ من
خلافتہ ففی کتاب السیر عن الحارث بن مسکین عن ابن وھب اخبرنی مالک ان کعب الاحبار کان یقول عند
بناء عثمان المسجد لوددت ان ھذا المسجد لا ینجز فانہ اذا فرغ من بنائہ قتل عثمان قال مالک فکان کذلک
انتھی وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال حلیتم مصاحفکم وزوقتم مساجدکم فالدمار علیکم وقال العلامۃ ابن رسلان فی
شرحہ علی ابی داؤد تحت حدیث ابن عباس مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمُسَاجِدِ وحدیثہ الاٰخر لتزخرفنھا کما
زخرفت الیھود والنصاری وھذا من المعجزۃ الظاھرۃ لاخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بما یشفع بعدہ فان
تزویق المساجد والمباھات بزخرفتھا کثر من الملوک والامراء ففی ھذا الزمان القاھرۃ والشام وبیت المقدس
باخذھم اموال الناس ظلما وعمارتھم بھا المساجد والمدارس علی شکل بدیع نسال اللہ السلامۃ والعافیۃ
انتھی وقال الامام الشوکانی فی نیل الاوطار والحدیث یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ تَشْيِيْدَ المساجد بدعۃ وقد روی
عن ابی حنیفۃ الترخیص فی ذلک وقال البدر بن المنیر لما شید الناس بیوتھم وزخرفوھا ناسب ان یصنع
ذلک بالمساجد صونا لھا عن الاستھانۃ وتعقب بان المنع ان کان للحث علی اتباع السلف فی ترک الرفاھیۃ
فھو کما قال وان کان لخشیۃ شغل المصلی بالزخرفۃ فلا لبقاء العلۃ ومن جملۃ ما عول علیہ المجوزون للتزیین
بان السلف لم یحصل منھم الانکار علی من فعل ذلک وبانہ بدعۃ مستحسنۃ وبانہ یرغب الی المسجد فھذہ
حجج لا یعول علیھا من لہ حظ من التوفیق لاسیما مع مقابلتھا للاحادیث الدالۃ علی ان التزیین لیس من امر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانہ نوع من المباھاۃ المحرمۃ وانہ من علامات الساعۃ کما روی عن علی رضی اللہ عنہ
ان من صنع الیھود والنصاری وقد کان صلی اللہ علیہ وسلم یحب مخالفتھم ویرشد الیھا عموما وخصوصا ودعوے
ترک انکار السلف ممنوعۃ لان التزیین بدعۃ احدثہ اھل الدول الجائرۃ من غیر موازنۃ لاھل العلم و
الفضل وسکت العلماء عنھم تقیۃ لا رضا بل قام فی وجہ باطلھم جماعۃ من علماء الاخرۃ وصرحوا بین اظھر
ھم بنھی ذلک علیھم ودعوی انھا بدعۃ مستحسنۃ باطلۃ وقد عرفناک وجہ بطلانھا فی شرح حدیث من

عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد فی باب الصلاۃ فی ثوب الحریر والغصب ودعوی انہ مرغب الی المسجد فاسدۃ لان کونہ داعیا الی المسجد ومرغبا الیہ لا یکون لمن کان غرضہ وغایۃ قصدہ لنظرالی تلک النقوش والزخرفۃ فاما من کان غرضہ المساجد لعبادۃ اللہ التی لا تکون عبادۃ علی الحقیقۃ الامع الخشوع وان کانت کجسم بلا روح فلیست الا تشغلہ عن ذلک کما فعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الانبجانیۃ التی ارسل بھا الی ابی جھم وکما تقدم من ھتکہ الستور التی ارسل بھا الی ابی جھم وکما تقدم من ھتکہ الستور التی فیھا النقوش وکما یاتی فی باب تنزیہ قبلۃ المصلی عما یلھی وتقویم البدع المعوجۃ التی یحدثھا الملوک بوقع اھل العلم فی المسالک الضیقۃ فیتکلفون لذلک من الحجج الواھیۃ ما لا ینفق الا علی بھیمۃ انتہی کلام الامام الشوکانی رحمہ اللہ تعالی وروی فی شرح السنۃ بسندہ الی ابی قلابۃ قال غدونا مع انس الی الزاویۃ فحضرت صلاۃ الصبح فمررنا بمسجد احدث الان فقال انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سیاتی علی الناس زمان یتباھون فی مساجد ھم ثم لا یعمرونھا الا قلیلا قال فی نیل الاوطار ای یتفاخرون فی بناء المسجد والمباھاۃ فیھا بالنقش والکثرۃ انتہی وفیما ذکرناہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ واللہ ولی التوفیق وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم ۔ نور العین جلد اول ص ۹۸

سوال: ۔ نماز جنازہ مسجد کے صحن میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ۔

جواب: ۔ نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا ، حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا اللہ اعلم (۲ صفر ۳۰ھ) ۔

تشریح: ۔ از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست ہے منتقی الاخبار میں ہے عن عائشۃ انھا قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص ادخلوا بہ المسجد حتی اصلی علیہ فانکرہ ذلک علیھا فقالت لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سہیل واخیہ رواہ مسلم وفی روایت ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سہیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواہ الجماعۃ الا البخاری ۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق تھا فتح الباری میں ہے وقد روی ابن ابی شیبۃ وغیرہ ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صھیبا صلی علی عمر فی المسجد وفی روایۃ وضعت الجنازۃ فی المسجد تجاہ المنبر وھذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلک الخ حررہ محمد یوسف عفی عنہ سید نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۳)

فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۵۴۱

باب حکم المسجد الضرار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔

استفتاء

جامع مسجد کے محلہ دار پانچ وقت کے نمازیوں میں سے چند اشخاص اپنے پیش امام پر بسبب بدنیتی و فتنہ اندوزی و تفریق بین المسلمین خروج کر کے سَو سَو ۱۲۵ سَو قدم پر علیحدہ مسجد بنوا کر جدا جماعت و جمعہ پڑھنے لگے ہیں۔ پس ان لوگوں کا کیا حکم ہے اور یہ کام شرع میں جائز ہے یا نہیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

الجواب وھو الموفق للصواب

حکم[1] چنیں مسجد حکم مسجد ضرار است زیرا نکہ ایں مسجد محض بغرض نفسانیت و عداوت و ضرر مسجد قدیم تیار شدہ و در مسجد ضرار نماز خواندن جائز نیست اللہ عزوجل در قرآن شریف میفرماید لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ و در تفسیر معالم التنزیل نوشتہ قال عطاء لما فتح اللہ علی عمر الامصار امر المسلمین ان یبنوا المساجد وامرھم ان لا یبنوا فی مدینتھم مسجدین یضار احدھما صاحبہ و در تفسیر مدارک نوشتہ قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار و صاحب تفسیر احمدی می نویسد فالعجب من المشائخین المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیۃ مسجدا طلبا للاسم والرسم واستعلاء لشانھم واقتداء بآبائھم ولم یتاملوا ما فی ھذہ الآیۃ من شناعۃ حالھم وسوء افعالھم انتہی۔ حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی رضی اللہ عنہما۔ فتاوٰی غزنویہ ص ۱۳

---

[1] ایسی مسجد مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے اسلئے کہ یہ مسجد صرف نفسانیت اور عداوت اور پرانی مسجد کو ضرر دینے کی غرض سے تیار ہوئی ہے اور مسجد ضرار میں نماز پڑھنی جائز نہیں ہے، اللہ عزوجل قرآن شریف میں فرماتا ہے تو اس میں کبھی نہ کھڑا ہو البتہ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے تیرا اس میں کھڑا ہونا بہت لائق ہے اور تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ عطاء نے کہا جب اللہ نے عمرؓ کے ہاتھ پر شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ وہ اپنے شہر میں دو مسجدیں ایک دوسرے کو دکھ دینے کی غرض سے نہ بنائیں اور تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ کہا گیا ہے جو مسجد فخر، یا ریا، یا شہرت یا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا کسی اور غرض کے لئے یا ناپاک مال کے ساتھ بنائی جاوے وہ بھی مسجد ضرار میں داخل ہے اور تفسیر احمدی والا لکھتا ہے کہ ہمارے زمانے کے متعصب بزرگوں سے تعجب ہے کہ وہ ناموری اور رسم اور اپنے مرتبہ کی بلندی اور اپنے باپ دادوں کی پیروی کے لئے ہر کونے میں مسجدیں بناتے ہیں اور انہوں نے جو اس آیت میں ان کے حال اور افعال کی برائی ہے اس میں غور نہیں کیا۔ اللھم اغفر لکا تبہ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم اجمعین۔

فساد اور اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد بنوانی جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے اس پر دو شخصوں کا امامت اور اس کی پیداوار کے متعلق نزاع ہے چنانچہ اس پر بہت اختلاف اور فساد برپا ہو گیا ہے اب گاؤں والوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس فتنہ اور فساد کے رفع کے واسطے ایک کے لئے علیحدہ مسجد بنوا کر اس کا امام بنا دیں اور اس کی آمدنی کا وہی مستحق ہو اب علمائے کرام و مفتیان عظام سے سوال ہے کہ ایا اس نیت پر دوسری مسجد بنانی جائز ہے یا نہ اور اس کو مسجد ضرار کہنا کیسا ہے بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل ؟

جواب:۔ دوسری مسجد بارادہ رفع فساد و رفع اختلاف بنوانی جائز ہے ایسی مسجد کو مسجد ضرار نہیں کہا جاتا ہے مسجد ضرار وہ ہے جس کے بنوانے سے مسلمانوں کا ضرر اور مومنوں میں تفرقہ مد نظر ہو۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ[1] ۔ یہاں تو مسجد بنوانی رفع فساد و فتنہ و رفع تفرقہ اختلاف کے واسطے ہے یہ کسی طرح مسجد ضرار نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اگر نیت اصلاح و رفع فساد ہو تو اس میں اجر و ثواب ہے حدیث صحیح میں ہے ۔ من بنی مسجدا للہ بنی اللہ له بیتا فی الجنة[2] متفق علیہ اگر نیت صالح ہو تو تعدد مسجد میں کوئی ڈر نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مساجد کے واسطے عام اجازت ہے۔ ابو داؤد ترمذی ابن ماجہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[3] ببناء المساجد فی الدور وان ینظف ویطیب۔

فتاوی غزنویہ ص۲۵ حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما۔

---

[1] اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں ۱۲ [2] جو کوئی اللہ کے نام پر مسجد بنا دے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنا دے گا ۱۲ [3] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گلی کوچوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ پاک صاف رکھی جاویں اور خوشبو دار کی جاویں ۱۲

المترجم عبد الودود بن المولوی محمد اسحاق العلوی اللودیانوی عفا اللہ عنہما۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب واللہ الموفق لاصابۃ الصواب اعلم ان اللہ سبحانہ وتعالیٰ لما ذکر المنافقین وبین طرائقہم المختلفۃ عطف علی من سبق ذکرہ منھم فقال تعالیٰ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا ای ومنھم قال العلامۃ الجمل فی حاشیتہ ھکذا قدرہ المفسر بقولہ ومنھم فجعل الذین مبتدا حیث قدر الخبر بقولہ ومنھم وفی قرءۃ سبعیۃ باسقاط الواو انتہی فقولہ اتخذوا مسجدا ای بنوا مسجدا وھم اثنا عشر رجلا من المنافقین منھم ابو عامر الراھب والد حنظلۃ غسیل الملائکۃ یوم احد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال المفسرون وکان ابو عامر ترھب فی الجاھلیۃ ولبس المسوح وتنصر فلما قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ قال لہ ابو عامر ما ھذا الدین الذی جئت بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جئت بالحنیفیۃ دین ابراھیم قال ابو عامر فانا علیہا فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک لست علیہا فقال ابو عامر امات اللہ الکاذب منا طریدا غریبا فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امین وسماہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابا عامر الفاسق فلما کان یوم احد قال ابو عامر الفاسق لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا اجد قوما یقاتلونک الا قاتلتک معھم فلم یزل کذلک الی یوم حنین فلما انھزمت حنین یئس ابو عامر فخرج الی الشام وارسل الی المنافقین ان استعدوا ما استطعتم من قوۃ وسلاح وابنوا مسجدا فانی ذاھب الی قیصر ملک الروم فاتی بجند من الروم فاخرج محمدا واصحابہ فتبنوا مسجد الضرار الی جنب مسجد قبا فذلک قال اللہ تعالیٰ مخبرا بقبائحھم وما ارادوہ من المکر واظھروہ من المصلحۃ الذین اتخذوا ای بنوا مسجدا ضرارا ای مضارین لاھل مسجد قبا فقولہ ضرارا یجوز ان یکون مفعولا لہ او مفعولا ثانیا لاتخذوا او مفعولا معہ ولا لفعل مقدر ای یضارون

بذلك ضرارا كذا في تفسير ابي السعود وقال في السمين ويجوز ان يكون مصدرا في موضع الحال من فاعل اتخذوا اي اتخذوه مضارين لاخوانهم ويجوز ان ينتصب على المصدر اي يضارون بذلك ضرارا ومتعلقات هذه المصادر محذوفة اي ضرارا لاخوانهم وكفرا بالله انتهى وقوله وكفرا اي تقوية للكفر الذي يضمرونه كذا في البيضاوي وقال في الجلالين لانهم بنوه بامر ابي عامر الراهب ليكون معقلا اي ملجأ يقدم فيه اي ينزل فيه من ياتي من عنده لانه كان ذهب لياتي بجنود من عند قيصر لقتال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كما تقدم وقوله وتفريقا بين المومنين كما وهم كما قاله السدي اهل قباء فانهم كانوا يصلون في مسجد هم اي مسجد قبا جميعا فاراد هؤلاء المنافقون ببناء هذا المسجد ان يتفرق المسلمون وتختلف كلمتهم وقوله تعالى وارصادا اي انتظارا مع العداوة والترقب لمن حارب الله ورسوله وهو ابو عامر الفاسق ومن معه وقوله من قبل اي ان هولاء المنافقين محاربون لله ورسوله من قبل بناء مسجد الضرار فالحاصل ان الله سبحانه وتعالى اخبر ان الباعث لهولاء المنافقين على بناء هذا المسجد اربعة امور الاول الضرار لغيرهم من المسلمين وهو المضاررة الثاني الكفر بالله اي تقوية الكفر واهله ومن يقدم اليهم فيه والمباهاة لاهل الاسلام لانهم ارادوا ببنائه تقوية النفاق الثالث التفريق بين المسلمين والمراد صحيح كما تقدم عن السدي اهل مسجد قبا فانهم كانوا يصلون جميعا في مسجد واحد فاراد هولاء المنافقون ان يتفرقوا فتتفتت جماعة المسلمين وتختلف كلمتهم ويبطل اينلا فهم الرابع الارصاد اي الانتظار مع العداوة والترقب لمن ياتي في هذا المسجد ممن يحارب الله ورسوله وهو ابو عامر الفاسق واصحابه وقوله تعالى اخبارا عن هؤلاء المنافقين وليحلفن ان اردنا الا الحسنى قال في الجلالين اي ما اردنا ببنائه الا الفعلة الحسنى اي فهي صفة لموصوف محذوف قدره الشارح بقوله الفعلة انتهى كذا في الصاوي على الجلالين والمراد بقوله الا الحسنى اي وهي الصلاة فيه وذكر الله والتوسعة على المسلمين والدفع بالضعيف وقت المطر

وَالعَدُوِّ بِالعَاجِزِعَنِ الوُصُولِ اِلٰی مسجدِ قُبَا اَوْ مَسْجِدِ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کذا فی الخازن وغیرہ وَاللہُ ردّ علیہم قولہم بقولہ عزّ وجلّ واللہ یشہد ای یعلم انّہم لکاذبون فِی ذٰلِکَ الحَلْفِ وکانوا لمّا فرغوا مِن بنائہ اتوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَھُوَ یَتَجَھَّزُ اِلٰی تبوک فقالوا یارسول اللہ انا قد بنینا مسجد الذی العلۃ و الحاجۃِ واللیلۃِ المطیرۃِ وَالشاتیۃِ وانا نحب اَنْ تاتینا وتصلی لنا فیہ وتدعوا بالبرکۃِ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انی علی جناحِ سفرٍ ولو قدمنا ان شاء اللہ اتیناکم فصلّینا فیہ فلمّا انصرف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مِنْ تبوک راجعا نزل الذی اَوان وھو موضعٌ قریبٌ مِن المدینۃ فاتاہ المنافقون وسالوہ ان یاتی مسجدھم فدعا بقمیصہ لیلبسہ ویاتیہم فانزل اللہ عزوجل الایۃ لاتقم فیہ ابدا واخبرہ اللہ خبر مسجد الضرار وما ھمّوا بہ فدعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک بن الدخیشم ومعن بن عدی وعامر بن السکن ووحشیا فقال لہم انطلقوا الی ھذا المسجد الظالم فاھدموہ وحرّقوہ فخرجوا مسرعین حتّی اتوا بنی سالم بن عوفٍ وھم رھطُ مالک بن الدخشم فقال مالکٌ انظرونی حتی اخرج الیکم بنارفدخل علی اھلہ فاخذ من سعف النخل فاشعلہ ثم خرجوا یشتدّون حتی دخلوا المسجد وفیہ اھلہ فاحرقوہ وھدموہ وتفرّق عنہ اھلہ وامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یتخذ ذلک الموضع کناسۃً تلقی فیہ الجیف و النتن والقمامۃ ومات ابوعامر بالشام وحیدا طریدا انتہی کذا فی الخازن وغیرہ وقال فی المدارک قیل کل مسجد بُنِیَ مباھاۃً اوریاءً اوسمعۃً اولغرضٍ سوی وجہ اللہ اوبمالٍ غیر طیبٍ فہو ملحق بمسجد الضرار انتہی وفی تفسیر الخازن و الخطیب الشربینی قال عطاء ولما فتح اللہ علی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ الامصار امر المسلمین ان یبنوا المساجد وامرھم ان لایبنوا فی موضع واحدٍ مسجدین یضارا حدھما الاخر انتہی والحاصل ان من بنی مسجدا فی محلۃٍ بلاضرورۃٍ وکان مسجد المحلۃ یسعھم کلھم ولا یضیق علیہم ولا یشقّ علی اھل الاعذار الوصول

الی مسجد هم فی الیوم الصائف واللیلۃ الشاتیۃ والمطیرۃ فبناءُ مثل هذا المسجد ملحقٌ بمسجد الضرار فلہ حکمہٗ لما فی ذلک من الاضرار علی اهل المسجد القدیم بقلۃ جماعتهم وافتراق کلمتهم وعدم ایتلافهم وعدم الحاجۃ الی بناء هذا المسجد الحادث من غیر ضرورۃ کما یعلم ذلک من کلام صاحب المدارک وغیرہ و کما هو صریح حکم امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ حیث حکم ان لا یُبنیٰ اَحَدُ مَسجِدَینِ فی محلۃ واحدۃ یضار احدهما الاخر ولا یشترط وجود العلل الاربع التی کانت فی مسجد الضرار لان وجودها کان اتفاقیا بل یکفی وجود العلۃ الواحدۃ منها وهی اضرار الجدید بالقدیم لانها هی المقتضیۃ للتفریق واختلاف الکلمۃ وعدم الایتلاف فان الضرار یصدق بوجود هذہ العلۃ وحدها کما یعلم مما سبق من کلام المدارک وغیرہ وکما هو صریح حکم امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ السابق واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم وکان الفراغ من تحریر هذا الجواب یوم الجمعۃ المبارک بسلخ ذی القعدۃ الحرام احد شهور الف وثلث مائۃ وخمس عشرۃ من الهجرۃ النبویۃ علی مشرفها افضل الصلوۃ وازکی التسلیم والتحیۃ حررہ المجیب الحقیر الفقیر الی احسان ربہ الکریم الباری حسین بن محسن الانصاری السعدی الخزرجی عفا اللہ عنہ آمین۔

(نور العین صـ ۹۳)

خلاصہ:۔ مدینہ منورہ کے چند شر پسند منافقوں نے دین کے دشمن شریر ابو عامر الفاسق کے کہنے پر مسجد قباء کے مقابلہ میں اپنے چند مقاصد کے پیش خاطر ایک مسجد تعمیر کی جو بعد میں مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کے ناپاک مقاصد یہ تھے:۔

ا۔ مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان پہنچایا جائے۔

ب۔ لوگوں کو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

ج۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر ان کی ملت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔

د ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ چکے ہیں یا لڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کو اس میں پناہ دی جائے ۔

حضور علیہ السلام کو جب ان کے ناپاک عزائم کا بذریعہ وحی علم ہوا تو آپؐ نے صرف اس مسجد کے گرانے کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ اس کو آگ لگا کر اس جگہ کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینکی جائے تاکہ اس کا نشان ہی مٹ جائے ۔

اس طرح اگر آج بھی کوئی آدمی محلہ میں بموجودگی مسجد دیگر مندرجہ بالا مقاصد میں سے کسی کی خاطر نئی مسجد تعمیر کرتا ہے تو وہ بھی مسجد ضرار کے حکم میں شامل ہوگی اور اس کو گرا دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے لیے باعث تکلیف نہ ہو۔

ہاں اگر محلے کی مسجد اتنی تنگ ہو کہ اس میں تمام لوگ بآسانی نہ سما سکتے ہوں ۔

یا معذوروں کو گرمی میں یا سردی کی راتوں میں آمد و رفت سے تکلیف محسوس ہوتی ہو۔

یا بارش کی وجہ سے ایسی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہو کہ اکثر آدمی مسجد میں نہ آسکتے ہوں ۔

تو ان صورتوں میں نئی مسجد بنائی جا سکتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔
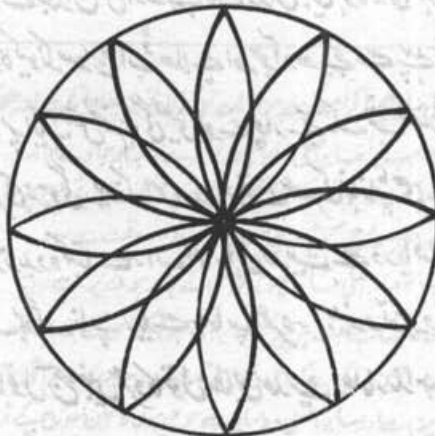
باب اوقات الصلوٰۃ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بعد دلوک شمس سوائے فیئے زوال کے ایک مثل مشرق کی جانب یعنی پورب کی طرف ناپنا چاہیئے یعنی مثلث ج مثلاً ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جاوے مثلاً ا یہ لکڑی ہے اس کا سایہ دوپہر کے وقت آج کل شمال کو ہوتا ہے اس سایہ کو کچھ شمار نہ کرنا چاہیئے بلکہ اب جو سایہ مابین پورب وشمال کی طرف بڑھتا جائے اس کو اس لکڑی کی جڑ سے لکڑی کے برابر ہونا چاہیئے تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو جاویگا۔ یعنی جو سایہ بڑھتا جاویگا اس کے سرے سے سیدھی لکیر جنوب کی طرف کھینچتے رہیں گے جب سایہ اس لکڑی کی جڑ سے سرے تک برابر اس کے مقدار کے پورب کی طرف ہو جاویگا تو ایک مثل ہوگا یہ مطلب حدیث ظلّ الرّجلِ کطولہ کا ہے اور جو سایہ مابین مشرق و شمال کی طرف بڑھتا جاویگا اس کا شمار نہ ہوگا۔

اور عمرو کہتا ہے کہ لکڑی کا سایہ جدھر جاوے یعنی شرق وشمال کے مابین ہی کو جتنا سایہ دوپہر کے وقت لکڑی کا ہو اس کو ناپ کر کے اس کے بعد جہاں ناپ ختم ہو اس کے آگے سے ایک مثل لینا چاہیئے جدھر سایہ جائے تو عمرو کہتا ہے کہ بارہ بجے کے بعد آج کل آدھ بجے تک زوال نہیں ہوتا یعنی ظہر کا وقت نہیں ہوتا آدھ بجے کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوگا کیونکہ سورج اب ڈھلا ہے اور جو آدھ بجے سے پہلے نماز ظہر کی شروع کرے گا اس کی نماز نہیں ہوگی اسی طرح یہ ایک مثل ختم ہوگی یعنی پونے چار بجے تک تب عصر شروع گی پونے چار بجے سے جو پہلے پڑھے گا اس کی نماز عصر کی نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے بیوقت عصر کی نماز پڑھی ہے۔ عمرو ظل الرجل کطولہ کا مطلب یہ کہتا ہے اور زید وہ کہتا ہے۔ اب علماء اہل حدیث سے دریافت ہے کہ محض حدیث اوقات نبوی کے مطابق اور الگ بھگ ناپ زید ہے یا ناپ عمرو۔ بینوا توجروا

جواب:۔ زید کا قول صحیح نہیں عمرو کا قول مطابق حدیث وعلماء مذاہب اربعہ ومشاہدہ کے ہے۔

ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کانت[1] قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ موسم گرما میں تین قدم سے لیکر پانچ قدم تک تھا اور جاڑوں کے موسم میں پانچ قدم سے لیکر سات قدم تک

فی الصیف ثلاثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام و فی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ فیئی الزوال کو اعتبار ہے والّا یہ فرق کیوں ہوتا۔ اس حدیث میں اگرچہ قدرے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث کا ضعف رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں متی[1] خرج وقت الظھر بصیر ظل الشیئ مثلہ غیر الظل الذی یکون عند الزوال دخل وقت العصر اور زرقانی علی المؤطا میں ہے صل[2] الظھر اذا کان ظلک مثلک ای مثل ظلک بغیر ظل الزوال شرح مختصر مقنع حنابلہ میں ہے وقت[3] العصر المختار من غیر فصل بینھما و یستمر الی مصیر الفیئ مثلیہ بعد فیئ الزوال ای بعد الظل الذی زالت علیہ الشمس امام نووی منہاج میں جو فقہ شافعیہ میں نہایت معتبر کتاب ہے لکھتے ہیں واٰخرہ[4] ای وقت الظھر مصیر ظل الشیئ مثلہ سوی ظل استواء الشمس۔ ابن ابی زید مالکی رحمہ اللہ تعالےٰ اپنے رسالہ میں جو فقہ مالکی میں معتبر کتاب ہے لکھتے ہیں۔ واٰخر[5] وقت الظھر ان یصیر ظل کل شیئ مثلہ بعد ظل نصف النہار فقہاء حنفیہ کی کتابوں میں تو یہ بات مشہور اور معروف ہے ہدایہ میں ہے وقالا[6] اذا صار الظل مثلہ سوی فیئ الزوال وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ وفیئ الزوال ھو الفیئ الذی یکون للاشیاء وقت الزوال اسی طرح شوکانی نیل الاوطار میں اور درر بہیہ میں فرماتے ہیں واٰخرہ[7] مصیر ظل الشیئ مثلہ سوی فیئ الزوال اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفی اور حجۃ اللہ میں اور نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں اسی کے ساتھ تصریح کی ہے۔ غرضکہ فیئ الزوال کے سوا ایک مثل یا مثلین تک ظہر کا وقت رہنا اور من بعد

---

[1] یعنے جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ چھوڑ کر اسکے برابر ہو جاوے تو ظہر کا وقت چلا جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے ۱۲۔

[2] ظہر کی نماز اس وقت پڑھ جب تیرا سایہ اصلی سایہ چھوڑ کر تیرے برابر ہو جاوے ۱۲۔

[3] مطلب یہ ہے کہ وقت ظہر کے پورا ہونے کے بعد متصل ہی عصر کا مختار وقت شروع ہو جاتا ہے اور سایہ اصلی نکال کر سایہ کے دو مثل ہونے تک رہتا ہے۔ پھر سورج کے ڈوبنے تک عصر کا مکروہ وقت ہے ۱۲۔

[4] اور آخر وقت ظہر کا ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ چھوڑ کر اس کے برابر ہونے پر ہے ۱۲۔

[5] اور آخر وقت ظہر کا اس وقت ہے جب ہر چیز کا سایہ اصلی چھوڑ کر اس کے برابر ہو جاوے ۱۲۔

[6] اور اس وقت کے بارے میں صاحبین نے کہا ہے کہ اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے سوا اس کے برابر ہو جاوے اور امام ابو حنیفہ رحمہ سے بھی یہی روایت ہے اور سایہ اصلی وہ سایہ ہے جو چیزوں کا عین سورج کے ڈھلتے وقت ہوتا ہے ۱۲۔

[7] اور آخر وقت ظہر کا اس وقت ہے جب ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے سوا اس کے برابر ہو جاوے ۱۲۔

عصر کا وقت ہونا مسئلہ متفق علیہا ہے اور یہی امر بدیہی ہے کہ اس ملک میں پوہ ماگھ کے مہینوں میں سارے دن میں کوئی وقت ایسا نہیں آتا ہے کہ سایہ ہر شے کا اس سے زیادہ نہ ہو تو وقت ظہر کا کونسا ہوا لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ سوا فئی الزوال کے جب ایک مثل ہو جاوے تو وقت عصر داخل ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ فئی الزوال کس طرح نکالنا چاہئے علماء نے اس کا یہ طریق لکھا ہے کہ زمین ہموار میں ایک لکڑی کو سیدھی کھڑی کرے پھر دیکھے کہ عین استواء شمس میں سایہ اس لکڑی کا کس قدر ہے لکڑی کے مثل ہے یا کم و بیش جس قدر سایہ ہو اسی قدر سایہ چھوڑ کر اس پر زائد جو ایک مثل ہو جاوے عصر کا وقت داخل ہوتا ہے لکڑی کے جڑ سے ایک مثل پورا کرنے سے وقت عصر کا داخل نہیں ہوتا امام ابو الحسن مالکی شرح رسالہ ابن ابی زید میں لکھتے ہیں ویعرف[1] الزوال بان یقام عود مستقیم فاذا تناھی الظل فی النقصان واخذ فی الزیادۃ فھو وقت الزوال ولا اعتداد بالظل الذی زالت علیہ الشمس فی القامۃ بل یعتبر ظلہ مفردا عن الزیادۃ اور طحطاوی میں ہے۔ و استثنی[2] فیئ الزوال لانہ قد یکون مثلا فی بعض المواضع فی الشتاء وقد یکون مثلین فلو اعتبر المثل من عند ذی الظل لما وجد الظہر عندھما ولا عندہ اور شامی میں ہے ان[3] وجد خشبۃ یغرزھا فی الارض قبل الزوال وینتظر الظل مادام متراجعا الی الخشبۃ فاذا اخذ الظل فی الزیادۃ حفظ الظل الذی قبلہا فھو ظل الزوال فاذا بلغ الظل طول القامۃ مرتین اومرۃ سوی ظل الزوال فقد خرج وقت الظہر ودخل وقت العصر اور شرح وقایہ میں ہے مثلاً اذا[4] کان فئی الزوال مقدار ربع المقیاس فاٰخر وقت الظہران یصیر ظلہ مثلی المقیاس وربعہ ھذا فی روایۃ عن ابی حنیفۃ وفی روایۃ اخری عنہ

[1] اور سایہ اصلی اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک سیدھی لکڑی کھڑی کی جاوے پس جب سایہ گھٹتے گھٹتے انتہے کو پہنچے یعنے اس کے بعد نہ گھٹے بلکہ بڑھنے میں شروع ہو تو یہ سایہ اصلی ہے اور جس سایہ پر سورج ڈھلا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ صرف وہی سایہ معتبر ہے جو زیادتی کے سوا ہے ۱۲۔

[2] اور سایہ اصلی اس لئے منہا کیا جاتا ہے کہ بعض جگہ جاڑوں میں بھی کبھی ایک مثل ہوتا ہے اور کبھی دو مثل تو اگر ایک مثل ہونا سایہ کا سایہ دالی چیز کی جڑ سے معتبر ہو اور سایہ اصلی کا شمار نہ کیا جاوے تو ظہر کا وقت نہ صاحبین کے نزدیک ہوگا نہ امام صاحب کے نزدیک ۱۲۔

[3] اگر کوئی لکڑی لیکر زمین میں زوال سے پہلے گاڑے اور سایہ کا انتظار کرے جب تک کہ وہ لکڑی کی طرف گھٹتا ہے جب انتہا تک پہنچ کر پھر بڑھنا شروع ہو تو اس سایہ کو جو بڑھنے سے پہلے ہے یاد رکھے یہی سایہ اصلی ہے اور جب یہ سوا سایہ اصلی کے دو مثل یا ایک مثل ہو جاوے تو ظہر کا وقت جاتا ہے اور عصر کا وقت ہو جاتا ہے ۱۲۔

[4] مثلاً جب یہ اصلی مقیاس کا چوتھا حصہ ہو تو آخر وقت ظہر کا یہ ہے کہ سایہ اس مقیاس کے دو مثل سوا اس سایہ اصلی کے ہو جاوے یہ امام صاحب کی ایک روایت میں ہے اور امام صاحب کی دوسری روایت میں جو کہ صاحبین اور امام شافعی کا بھی وہی قول ہے یہ ہے کہ سایہ ہر چیز کا اصلی سایہ کے سوا اس کے برابر ہو جاوے ۱۲۔

وھو قول ابو یوسف ومحمد والشافعی اذا صار ظل کل شئی مثلہ سوی فئی الزوال۔

وحررہ عبد الجبار بن الشیخ العارف باللہ الغزنوی رضی اللہ عنہما) فتاوی غزنویہ ص ۷

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا اصح مذہب پر کہاں سے کہاں تک ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ ظہر کا وقت اصح مذہب پر آفتاب کے ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ ہر شئے کا سایہ اس کے برابر ہو علاوہ سایۂ اصلی کے صحیح مسلم میں ہے عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وقت الظہر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ مالم تحضر العصر الحدیث اور ابوداؤد وترمذی میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنی جبریل عند البیت مرتین فصلی بی الظہر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراک وصلی بی العصر حین صار ظل کل شئی مثلہ الحدیث۔ طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے رووقت الظہر من زوالہ) ای میل ذکاء عن کبد السماء (الی بلوغ الظل مثلیہ) وعنہ مثلہ وھو قولھما وزفر والائمۃ الثلثۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قال الامام الطحاوی و بہ ناخذ وفی غرر الافکار وھو المأخوذ بہ وفی البرھان وھو الاظھر لبیان جبریل علیہ السلام وھو نص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل الناس الیوم وبہ یفتی (سوی فی ئم) یکون للاشیاء قبیل (الزوال) ویختلف باختلاف الزمان والمکان ولو لم یجد مایغرز اعتبر بقامتہ وھی ستۃ اقدام ونصف بقدمہ من طرف ابہامہ (ووقت العصر منہ الی) قبیل (الغروب) انتہی۔

واللہ اعلم۔ حررہ محمد ابو الحسن عفی عنہ سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۲۲۶

سوال:۔ فقہا قاطبہ در تمامی متون کتب فقہیہ روایت مثلین درج می کنند وشراح در شروح روایت مثل می آرند بسبب التزام ایراد روایت مثلین چیست در بادی النظر اختیار یکے از دو امر یا در متون مشعر ترجیح است وصاحب درمختار بر روایت مثل فتوی نقل می کند وقاضی ثناء اللہ قدس سرہ در رسالہ مالابد منہ بر روایت مثلین فتوے می دہند دریں باب محقق نزد جناب چیست وبر افواہ بعض ارباب علم دائر است کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ از روایت مثلین رجوع

فرمودہ اند اگر روایت رجوع از نظر فیض اثر گذشتہ باشد عبارت آن مرحمت فرمایند۔ فقط۔

جواب:۔ باید دانست کہ اہل متون مثل صاحب قدوری وہدایہ ومختصر وقایہ وشرح وقایہ وصاحب کنز وغیرہ کہ از خطۂ ماوراء النہر اند عقیدہ وقاعدہ ایشاں ایں بود کہ عمل بر مذہب مجتہد فی الشرع واجب است مر مقلد را بغیر اعتبار قوت دلیل وضعف آن پس ازیں جہت ایراد روایت مثلین در متون کردند وقطع نظر از قوت دلیل نمودہ کاربند بر روایت مثلین شدند چنانکہ از فتاوی خانیہ مستفاد میشود بخلاف صاحب در مختار وغیرہ کہ اسامی شان در در مختار مذکور است از جملہ علمائے عراقین بودند ودر ایشاں چنداں تعصب نبودہ لہذا بنظر قوت دلیل روایت مثل را اختیار کردہ اند ودر آخر حاوی قدسی کہ در فقہ است می نویسد فان خالفاہ قال بعضہم یوخذ بقولہ وقیل یخیر المفتی والاصح ان العبرۃ بقوۃ الدلیل انتہی کلامہ کما یستفاد من البحر پس بنا بر قوت دلیل در در مختار وغیرہ روایت مثل را معمول بہا قرار دادہ (عراقی بود ۱۲) وملا عابد سندی حنفی در مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ می نویسد۔ حدثنا ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحیی عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکروا بالصلوۃ العصر وقد اختلف العلماء فی دخول وقت العصر فالجمہور علی ان وقت العصر یدخل بصیرورۃ ظل کل شیئ مثلہ بالافراد بدلیل ما اخرجہ البخاری الخ۔ وبعد ایراد چند حدیث بر مثل ایں چنیں می نویسد وذکر فی خزانۃ الروایات ناقلا عن ملتقی البحار ان ابا حنیفۃ قد رجع فی خروج وقت الظہر ودخول وقت العصر الی قولہما وممن نقل ایضا رجوع الامام الی صاحبیہ صاحب الفتاوی الشافی وصاحب کتاب الانیس وصاحب الجوہر المنیر شرح تنویر الابصار وذکرہ ایضا فی زیادات الہندوانی علی المستدرک الشیبانی فی باب ما یحل اکلہ وما لا یحل قال وقد صح رجوع ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ عن قولہ لا یحل اکل لحم الخیل وعن اختلاف الشفق وعن خروج وقت الظہر ودخول وقت العصر بعد المثلین وعن اشیاء عددہا وممن نقل الرجوع ایضا صاحب الصراط القویم فاذا کان ہذا القدر متقررا فی رجوع الامام وانضم الی ذلک قول اہل المذہب اذا کان الامام فی جانب وصاحباہ فی جانب فالمفتی بالخیار ان شاء افتی بقول الامام وان شاء افتی بقول الصاحبین کان العدول الی قول الجمہور واجبا انتہی ما فی المواہب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند الامام ابی حنیفۃ من روایۃ الحنفکی للملا عابد السندی رحمۃ اللہ علیہ وکذا نقل صاحب الحاویۃ عن الظہیریہ و التاسیس و الاسرار وحاشیۃ المنظومۃ ترجیح قول صاحبیہ بروایۃ المثل لصلوۃ العصر انتہی اعلم انہ قال الجمہور اذا صار ظل کل شیئ مثلہ بعد ظل نصف النہار خرج وقت الظہر ودخل وقت العصر وقال ابو حنیفۃ فی المشہور عنہ انہ لا یخرج الظہر بمصیر الظل المثل ولا یدخل العصر بل یکون اول وقت العصر بمصیر ظل کل شیئ مثلیہ قال القرطبی خالفہ الناس کلہم حتی اصحابہ وروی عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ایضا ان وقت الظہر الی المثل کما

قالت الثلثۃ الباقیۃ والجمہور وفی البدائع ہوا لصحیح المذکور فی الاصل وفی غایۃ البیان بہا اخذ ابو حنیفۃ وہو المشہور عنہ وفی الینابیع ہوا لصحیح عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وفی الدر المختار ہو قولہما وزفر وطحاوی وبہ ناخذ الی آخر ما فی الدر المختار انتہی ما فی المحلی شرح الموطا للعلامۃ المحدث سلام اللہ الحنفی من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی اما آخر وقت الظہر فلم یوجد فی حدیث صحیح ولا ضعیف انہ یبقی بعد مصیر ظل کل شئی مثلہ وکذا خالف ابا حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ فی ہذہ المسئلۃ صاحباہ ووافقا الجمہور ودلالۃ حدیث الابراد علی بقاء وقت الظہر بعد المثل ممنوع بل الابراد امراضافی وشدۃ الحر انما یکون عند الزوال وبعض الابراد یحصل قبیل بلوغ الظل مثل الشئی ولو کان الحرفی دیارہم حین بلوغ ظل الشئی مثلا اشد مما قبلہ لکان مقتضی الامر بالابراد تعجیل الصلوۃ فی اول الوقت انتہی ما فی التفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ وتحقیق کما حقہ دریں مسئلہ در معیار الحق نوشتہ ام وران بنیند وقاعدہ کلیہ مطردہ نیست کہ ہر مسئلہ متن صحیح ومفتی بہ باشد چنانکہ خروج بصنع مصلے کہ متون از فرائض شمردہ اند حالانکہ نزد محققین فرض نیست اما الخروج بصنع المصلے فلیس بفرض ہوا لصحیح ہکذا فی التبیین واکثر الکتب کما لا یخفی علی الماہر بالروایات الحنفیۃ واللہ اعلم بالصواب ۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

فتاویٰ نذیریہ ص ۳۲۳ جلد ۱

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی نماز ظہر قضا ہوگئی اور وہ ایسے وقت پر مسجد میں آیا جبکہ نماز عصر کی جماعت قائم ہوگئی تھی آیا وہ ظہر کی نیت سے جماعت میں شامل ہووے یا علیحدہ ظہر ادا کرے یا عصر کی نماز جماعت سے ادا کرکے پھر بے وقت ظہر ادا کرے ۔ بینوا توجروا

جواب :۔ اس کو چاہئے کہ عصر کی نماز جماعت میں شامل ہوکر ادا کرے ۔ظہر کی نیت سے نماز عصر میں ہرگز شامل نہ ہووے ۔اور نہ جماعت کے ہوتے ہوئے علیحدہ ادا کرے ۔مسند امام احمد میں مروی ہے ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ التی اقیمت کذا فی فتح الباری یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز فرض کے لئے جماعت قائم ہو تو اس وقت سوا اس نماز کے جس کی جماعت قائم ہوئی اور کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی فتح الباری میں اس حدیث کی نسبت مذکور ہے واستدل بقولہ التی اقیمت بان الماموم لا یصلی فرضا ولا نفلا خلف من یصلے فرضا آخر کالظہر مثلا خلف من یصلی العصر وان جازت اعادۃ الفرض خلف

من یصلی ذلک الفرض یعنے یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ مقتدی کو نہ چاہئے کہ اس امام کے پیچھے جو عصر پڑھتا ہے نماز ظہر ادا کرے یہی کیفیت باقی نمازوں کی ہے۔ اگرچہ ایک فرض مثلاً عصر کا اول پڑھ کر دوسری بار امام کے پیچھے ادا کرنا جائز ہے لیکن ایسی حالت میں دوسرے فرض کا ادا کرنا جائز نہیں۔ امام شافعی اور اکثر اہل حدیث واہل الرائے کا یہی مذہب ہے فتح الباری میں مذکور ہے واختلفوا فیما اذا تذکر فائتۃ فی وقت حاضرۃ ضیق ھل یبداء بالفائتۃ وان خرج وقت الحاضرۃ او یبداء بالحاضرۃ او یتخیر فقال بالاول مالک وقال بالثانی الشافعی واصحاب الرای واکثر اصحاب الحدیث وقال بالثالث اشھب الخ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قدر الفاظ ہیں اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ مگر اس سے بھی اپنا مدعا ثابت ہے کیونکہ المکتوبۃ صفت موصوف محذوف یعنی الصلوۃ کی ہے اور الصلوہ معرفہ اس کلام میں مکرر آیا ہے اور اصول میں مقرر ہو چکا ہے کہ صورت مذکورہ میں دوسرا معرفہ عین اول کا ہوتا ہے۔ علاوہ بر آن اگر ایک فرض کا دوسرے فرض کی جماعت میں شامل ہو کر ادا کرنا صحیح ہووے تو سب فرضوں کو یہ بات شمول ہو گی مثلاً عصر کی نماز قضا ہووے تو مغرب کی جماعت میں شامل ہو کر ادا کی جائے جیسے مسافر امام کے عقب مقتدی مقیم بقیہ نماز ادا کرتا ہے اور مغرب قضا ہو تو عشاء کی جماعت میں دوسری رکعت میں شامل ہو کر اور عشا کی نماز قضا ہو تو صبح کی جماعت میں شامل ہو کر ادا کی جائے بلکہ صلوۃ وتر کی جماعت میں شامل ہو کر نماز مغرب ادا کرنا بھی جائز ہو گا حالانکہ اس صورت میں پنجگانہ نمازیں جدا جدا اور مستقل نہ رہیں گی بلکہ مخلوط اور مشتبہ ہو جاویں گی۔ اگر صراحۃً کسی دلیل سے ثابت ہو تو طوعاً وکرہاً تسلیم کیا جائے ورنہ کوئی موقعہ نہیں بلکہ لغو وفضول حرکت ہے۔

جو لوگ کہ اس صورت کو صحیح کہتے ہیں ان کی دلیل صرف ایک قیاس جو کہ مع الفارق اور سراسر غلط ہے وہ یہ کہ حضرت معاذؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کر کے پھر اپنی قوم کو اسی نماز کی جماعت ادا کراتے تھے۔ ان کی نیت نفل کی اور مقتدیوں کی نیت فرض کی ہوتی تھی ایسے ہی اگر امام کی نیت عصر کی اور مقتدی کی نیت ظہر کی ہو تو نماز صحیح ہونی چاہئے لیکن اس صورت اور صورت سابقہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ یہاں ایک ہی وقت کی نماز ہے جو فرض ونفل کے اختلاف سے ادا کی گئی اور وہاں دو وقت کی جدا جدا دو نمازیں ہیں جو ایک وقت اور ایک حالت میں ادا کی جاتی ہیں۔ علاوہ براں یہ قیاس نص صریح کے معارض ہے جو کہ مسند امام احمد اور فتح الباری سے نقل کیا گیا اس لئے غلط اور مردود ہے۔ اور

جو کہ ترمذی میں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے کہ وہ ظہر کی نیت سے عصر کی جماعت میں شامل ہونا جائز فرماتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ایک صحابی کا قول ہے جو بمقابلہ مرفوع کے حجت نہیں ہو سکتا علاوہ بریں وہ قول اس صورت میں ہے جبکہ ناواقفی سے ظہر کی نیت کے ساتھ عصر کی جماعت میں شامل ہو اور عصر کی جماعت کو ظہر کی جماعت خیال کرے واقفیت کی حالت میں نہیں۔ واللہ اعلم حررہ عبدالجبار عمرپوری

فتاوی عمرپوری ص ۳۸

سوال :۔ نماز ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے اور نماز عصر کا وقت کب شروع ہوتا ہے حدیث لکھیں۔

جواب :۔ مسلم شریف میں ہے وَقْتُ الظُّھْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ۔ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہو کر آدمی کے قد کے برابر سایہ ہو جانے تک ہے، مطلب یہ کہ قرآنی حکم کے تحت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ سورج ڈھلتے ہی نماز قائم کرو، یہ تو ہوا ابتدائی وقت، اور ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، آدمی یا کسی چیز کا سایہ ڈیڑھ گز ہے تو چھاؤں بھی ڈیڑھ گز ہو، ایک گز ہے تو سایہ بھی گز بھر ہو۔ مگر یہ ظہر کا تھرڈ کلاس وقت ہے، بس اس کے بعد وقت عصر شروع ہے صلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثلہ (ترمذی۔ ابوداؤد) حضور فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے عصر اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو چکا تھا۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۱۹

سوال :۔ ایک آدمی کی نماز ظہر رہ گئی ہے۔ جب وہ مسجد میں جاتا ہے تو وہاں عصر کی نماز ہونے والی ہے اب کیا کرے۔ آیا ظہر کی نماز جماعت کے پاس الگ پڑھے یا عصر میں مل جائے۔ اور ظہر بعد میں پڑھ لے۔

جواب۔ وہ ظہر کی نیت کر کے جماعت میں شامل ہو جائے اور بعد میں عصر کی نماز الگ پڑھ لے یہی صورت بہتر ہے [۱]

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۱۱

سوال :۔ ایک شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ظہر پڑھنے گیا۔ جب مسجد میں پہنچا تو دیکھتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو گئی وہ شخص بغیر سنت پڑھے جماعت نماز میں شریک ہو گیا۔ جب جماعت سے فارغ ہوا تو پہلے دو رکعت سنت

[۱] یہ فتویٰ صحیح نہیں مولانا عبدالجبار عمرپوری کا فتویٰ جو پہلے گذر چکا ہے وہ صحیح ہے اور حدیث کے مطابق ہے۔ حررہ علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال

بعد والی پڑھے۔ یا چار رکعت سنت سابقہ کو پہلے پڑھے۔

جواب:۔ اس شخص کو چاہئے کہ فرضوں سے فارغ ہو کر پہلے دو سنتیں بعد والی پڑھ لے۔ اس کے بعد چار رکعت سنتوں کی قضا کرے۔ کما جاء فی الحدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر صلھا بعد الرکعتین بعد الظہر (ابن ماجہ)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعت سنتیں اگر پہلے پڑھنے سے رہ جاتی تھیں تو ان کو بعد دو رکعتوں کے پڑھتے تھے۔ اہل حدیث گزٹ دہلی۔ جلد ۵ شمارہ ۱۲

سوال:۔ ایک شخص نے عشا کے چار فرض اور دو سنت پڑھے۔ اتنے میں اس کے شکم میں سخت درد اٹھا۔ مجبور ہو کر بغیر وتر پڑھے گھر چلا گیا۔ درد نے اس قدر ترقی کی کہ نماز فجر و ظہر و عصر ایک بھی نہ پڑھ سکا۔ مغرب کے وقت طبیعت کو سکون ہوا تو مسجد میں آیا نماز مغرب کی جماعت تیار تھی جماعت میں شریک ہو گیا۔ جماعت سے فارغ ہو کر نماز فجر و ظہر و عصر و وتر کی قضا کیا۔ اس صورت میں اس کی یہ فوت شدہ نمازیں ہو گئیں یا نہیں۔

جواب:۔ حدیث میں ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ التی اقیمت (ابوداؤد) یعنی جب کسی نماز فرض کی اقامت کہی گئی تو سوا اس نماز کے اور کوئی نماز پڑھنی درست نہیں ہے۔ لہذا شخص مذکور نے بہت ہی اچھا کیا کہ نماز مغرب کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد جو نمازیں فرض و وتر اس نے پڑھیں سب درست ہوئیں۔ اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۱

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ مسجد اہل حدیث کی ہے اور اس کے تمام مقتدی بھی اعتقاداً اہل حدیث ہیں۔ اس مسجد میں ہمیشہ سے درمیانے وقتوں میں نمازیں ہوتی رہتی ہیں۔ اب عرصہ سات آٹھ ماہ سے دو تین نمازیوں نے اپنی جماعتیں علیحدہ از جماعات سابقہ شروع کر دی ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اول وقت اپنی جماعت کرائیں گے کیونکہ افضل ہے۔ اس پر نمازیوں کی جماعت میں شدید فساد برپا ہو گیا ہے۔ اور بہت بڑا حصہ جماعت کا اِدھر اُدھر بھٹک گیا ہے اور اب امن عام تک نقضِ امن و فساد کا اندیشہ ہے۔ اور اس میں امام صاحب اہل حدیث ہیں۔

جواب: مشکوٰۃ میں ہے: عن عبد اللہ بن عمر قال مکثنا ذات لیلۃ ننتظر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم صلوٰۃ العشاء الآخرۃ فخرج الینا حین ذھب ثلث اللیل او بعدہ فلا ندری اشیئ شغلہ فی اھلہ او غیر ذلک فقال حین خرج انکم لتنتظرون صلوٰۃ ما ینتظرھا اھل دین غیرکم ولولا ان یثقل علی امتی لصلیت بھم ھذہ الساعۃ ثم امر المؤذن فاقام الصلوٰۃ وصلی۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ فصل ۳ ص۶۱)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم نے انتظار کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عشا کے لئے تہائی رات تک یا زیادہ گذر گئی۔ آپؐ نکلے۔ معلوم نہیں کہ آپ کسی کام میں مشغول تھے یا ویسے ہی نہیں نکلے۔ پس فرمایا تم ایک نماز کی انتظار ہو کہ تمہارے سوا کوئی اہل دین اس کی انتظار نہیں کرتے۔ اگر میری امت پر بوجھ نہ ہوتا تو میں اسی وقت ان کو نماز پڑھاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت میں نمازیوں کی رعایت ضروری ہے۔ نماز عشا میں تہائی رات گذرنے پر پڑھنی افضل ہے۔ مگر آپ نمازیوں کی رعایت سے اس وقت نہیں پڑھاتے تھے۔ پس اسی طرح ان نمازوں کو سمجھ لینا چاہیئے جو اول وقت افضل ہیں ان کو بھی نمازیوں کی خاطر درمیان وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔ خاص کر جب اتفاق ایسی نعمت عظمیٰ بھی حاصل ہو تو پھر نمازیوں کی رعایت چاہیئے تاکہ سب کے ملنے سے جماعت بڑی ہو اور ثواب زیادہ ہو۔

جن احادیث میں یمیتون الصلوٰۃ (جو امام نماز کو ضائع کر دیں تم ان سے الگ اپنے وقت پر پڑھ لو) آیا ہے۔ ان میں اول وقت سے تاخیر مراد نہیں ہے۔ بلکہ ان میں مطلق وقت کا ذکر ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔

یمیتون الصلوٰۃ او یؤخرون عن وقتھا۔ پس جو شخص نماز کا وقت ضائع کر دے اور ایسے مکروہ وقت میں پڑھے جس کی بابت حدیث میں آیا ہے۔ تلک صلوٰۃ المنافق تو اس صورت میں الگ پڑھ سکتا ہے۔

پھر ان احادیث میں الگ جماعت کرنے کا کہیں ذکر نہیں کیونکہ جماعت سے نماز پڑھنے کی اصل غرض اتفاق واتحاد ہے۔ الگ جماعت کرنے سے وہ فوت ہوتی ہے بلکہ پہلے سے بھی نزاع اور اختلاف بڑھتا ہے۔ تو پھر الگ جماعت قائم کرنا کس طرح درست ہو سکتا۔

تنظیم اہل حدیث جلد ۱۳ شمارہ ۱۵

سوال :۔ نماز عصر کی جماعت تیار ہے اس عرصہ میں ایک جنازہ آیا۔ پہلے عصر کی نماز یا جنازہ۔

جواب :۔ نماز عصر پہلے پڑھیں تو اچھا ہے۔ جنازہ پہلے پڑھنا منع نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عصر فرض عین ہے اور جنازہ فرض کفایہ فرض عین کو مقدم رکھنا چاہیئے۔

فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۵۴۱

سوال :۔ بعض حنفی دو مثل سایہ کے بعد عصر کی نماز پڑھتے ہیں اگر اہل حدیث بھی جو اسی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں دو مثل پڑھ لیا کریں تو کیا حرج ہے

جواب :۔ ایسی صورت میں حنفیوں کو سمجھانا چاہیئے کہ فقہ کی معتبر کتاب در مختار میں بھی امام ابو حنیفہ کا مذہب ایک مثل لکھا ہے بلکہ لکھا ہے کہ بموجب حدیث جبرئیلی امام صاحب[1] نے ایک مثل کی طرف رجوع کیا ہے نیز آج کل بیت اللہ شریف میں ایک ہی مثل پر عمل ہے اس لئے ہندوستان کے حنفیوں کو بھی ایک ہی مثل پر نماز عصر پڑھنی چاہیئے اتنا کہہ سن کر بھی اگر اثر نہ ہو اور علیحدگی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو بحکم مصلحت دو مثل پر پڑھ لیا کریں (۱۳ شعبان ۳۱ھ)

فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۳۹۵

سوال :۔ جمعہ کے دن بھی زوال ہے بموجب فتویٰ اہلحدیث بحوالہ کتب احادیث بخاری و مسلم اور اس کے خلاف بروایت مشکوٰۃ کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہے۔ اور اس پہ مولانا حمید اللہ صاحب کا فتویٰ ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ قابل عمل ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں ہے تو اس کی وجہ ؟

---

[1] مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں وھو مسلک الشافعی واحمد ابن حنبل وابی یوسف و محمد ابن الحسن رحمھم اللہ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ الخ تعلیق الصبیح جلد ا ص ۲۷۲ ۱۲ منہ محمد داؤد راز

اب سوال یہ ہے کہ زوال جمعہ کے دن بھی ہے۔ تو زوال کا وقت کب تک رہتا ہے اور جمعہ کے دن کیا وقت زوال سوائے فرضوں کے نوافل بھی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو اس کی کیا دلیل ہے؟ (سائل نامعلوم)

جواب:۔ زوال روز ہوتا ہے، مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنی جائز ہے۔ زوال اس کو کہتے ہیں، جب مسجد کی دیوار میں سایہ ہو۔ ایک انگل بھر باہر نکل آوے تو نماز جائز ہے۔ (اہلحدیث ۳۱ اگست ۱۹۳۱ء)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز نفل پڑھنے کا مسئلہ جواز کی بعض روایات ہیں مگر صحیح نہیں۔

شرفیہ ایک روایت ابو ہریرہ رضؓ سے مسند شافعی میں بے شک مروی ہے بلفظ نھی عن الصلوٰۃ نصف النھار حتی تزول الشمس الا یوم الجمعۃ انتھی اس میں اسحاق اور ابراہیم دو راوی ضعیف ہیں ثقہ نہیں بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے اس کی سند میں واقدی متروک ہے۔ دوسرے طریق میں عطا بن عجلان متروک ہے۔ طبرانی بسند واہی واثلہ سے روایت کیا ہے یہ سب غلط ہیں۔ امام شافعیؒ نے ثعلبہ بن ابی مالکؒ سے روایتہً کرکے تائید کی ہے کہ صحابہؓ نصف النہار یوم جمعہ نفل پڑھتے تھے، مگر مذکور تبع تابعی صحابہ سے لقاء نہیں۔ لہٰذا یہ بھی ثابت نہیں، اور سنن ابو داؤد میں اور ترمذی نے بھی ابو قتادہ رضؓ سے روایتہً کیا ہے۔ وقال مرسل ابو خلیل لم یسمع من ابی قتادۃ وفیہ لیث بن ابی سلیم وضعیف وقال الاثرم الخ (التلخیص الحبیر) اور صحیح مسلم میں ہے عن عقبۃ ابن عامر قال ثلث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھانا ان نصلی فیھن او نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل الشمس وحین تضیف للغروب حتی تغرب۔ انتھی۔ مشکوٰۃ ص ۹۴ وفی موطا مالک عن الضابحی ص ۲۶ مطبوعہ دہلی۔

پس ثابت ہوا کہ زوال کے وقت نماز پڑھنی منع ہے خواہ یوم جمعہ ہو یا کوئی اور یوم اس لئے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں، صحیح کے مقابل غیر صحیح پر عمل باطل ہے، ھذا واللہ اعلم۔ ابو سعید شرف الدین دہلوی فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۴۳۹

سوال :۔ مراد بدلوک در آیۂ کریمہ در صدر اول وبقول ابن عمرو در مسلم کہ فرمودہ آنحضرت صلعم وقت الظهر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطوله مالم یحضر وقت العصر چیست وامر درین آیہ مخصوص ببعض فصول سنہ ست یا عام وتقدیر در عہد سعادت مہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معتبر بود یا آنکہ نیست سبیل بسوی معرفت زوال الا بمعرفت علم نجوم واین بدعت در دین ست یا تکمیل شرع مبین صحابہ اعتبار اوقات باقدام واصابع وشعرات میکردند یا اعتماد بزوال شمس کہ او منبع نیرات اعظم آیات ست می نمودند

جواب :۔ او تعالی سبحانہ رسول خود محمد صلعم را بغرض بیان تنزیل برائے قوم فرستادہ وچیزہا واجب کردہ کہ تعلق باوقات دارد در ایام وشہور وسنوات پس اول یعنی در ایام نماز پنجگانہ در پنج وقت ست وچون این نماز در شب اسراء فرض گردید جبرئیل علیہ السلام برای تعیین اوقاتش فرود آمد وتا دو روز برابرہ دہ نماز با رسول خدا صلعم بگذارد پس ظہر را کہ در فارسی نماز پیشین خوانند بعد دلوک شمس ادا کرد یعنی بعد زوال او از کبد سماء وتبیین انحدار اجزائے بمقدار شراک نعل کہ دال بر زوال ست وعصر را کہ در فارسیش نماز دیگر نامند نزد مصیر ظل شی یک مثل او وبقدر شراک بخواند ومغرب را کہ در فارسی نماز شامش گویند نزد غروب قرص شمس بگذارد وعشاء را کہ در فارسی نماز خفتن خوانند نزد غیبوبت شفق بجا آورد وفجر را کہ نماز بامدادش نامند نزد تبیین ضوء فجر در افق مؤدی ساخت وروز دوم ظہر[1] را در وقت عصر روز اول وعصر[2] را نزد صیرورت ظل دو مثل ومغرب[3] را در ہمان وقت او بروز اول کہ سقوط قرص شمس باشد وعشاء[4] را در اول ثلث اول از شب وفجر[5] را قبل طلوع آفتاب بگذارد وگفت میان این ہر دو وقت ست برای تو وامت تو پس این دلیل ست بر آنکہ ہر وقت نماز را یکی اول ودیگی آخر ست مگر مغرب کہ او را ہمین یک وقت ست لاغیر ولیکن در غیر او از روایات صحیحہ ثابت شدہ کہ اول وقتش غروب شمس وآخر وقتش غروب شفق ست این زیادتی ست کہ حق سبحانہ وتعالی بعد توقیت جبرئیل علیہ السلام بدان تفضل وعنایت فرمودہ واما ثانی یعنی در شہور پس او تعالی صوم رمضان فرض گردانیدہ وتعلیق او بماہ کردہ بر زبان رسول خود صلعم وقت دخول وخروج او آشکارا ساختہ چنانکہ بیاید وہمچنین حج را بماہ آویختہ وفرمودہ الحج اشهر معلومات وہمچنین غالب زکوات نقدیہ واموال تجارات را بدان معلق نمودہ وچون عباد خود را بدان تکلیف دادہ اوقات این تکالیف موجبہ ہم بر وجہی تعیین کردہ کہ ہر عالم وجاہل وقروی وبدوی وحر وعبد وذکر وانثی آنرا یکسان بشناسد بلا تفاوت فاشترک فیہ ہولاء علی حد سواء پس وقت نماز بامداد ظہور صبح منتشر ست وآنحضرت صلعم آنرا باشفی بیان واضح ساختہ وگفتہ کہ طالع می شود فجر معترض در افق ونیست فجر آنکہ بیاض او ہچو دم گرگ نمایان می

شود این چیزی ست کہ ابصار صغار وکبار یکسان آنرا ادراک میکنند وحق تعالی فرمودہ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ پس لفظ تفعل مفید آنست کہ نیست کافی درین امر مگر تبین واضح یعنی ظاہر شود اندک اندک تا آنکہ آشکارا گردد چہ تمام نمی شود تبین وظہور او مگر بعد کمال ظہور زیرا کہ اول تباشیر ضو طالع میگردد پس ذنب سرحان وآن فجر کاذب ست پستر آشکار میشود نور صباح کہ بقدرت خالق الاصباح نمایان گشتہ ولہذا شاعر گفتہ ؎ وازرق الصبح یبدو قبل ابیضہ ٭ واول الغیث قطر ثم ینسکب ٭ وبرای نماز ظہر زوال الشمس مقرر کردہ آنرا باخضرار جدار سوی جہت شرق بیان فرمودہ واین را ہر ذی عینین می شناسد و وقت نماز عصر صیرورت ظل یک مثل وآخرش دو مثل وی معین ساختہ وبرای مغرب سقوط قرص وبرای عشا غروب شفق مقرر داشتہ واین علامات آن اوقات ست ومعلم اول آن برای امت جبریل علیہ السلام ومعلم ثانی آن محمد رسول اللہ صلعم ست ودر تکلیف شہری تعلیق معرفت وقتش برویت ہلال دخولا وخروجا یا اکمال عدت سی یوم فرمودہ فہل فی الاکوان اوضح من ہذہ البیان وتکلیف سنوی را دائر بر عدد اشہر داشتہ وفرمودہ ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہرا ودر کتاب کریم کہ برای ہدایت کافہ ناس نازل شدہ ست گفتہ کہ آنرا مقدر بمنازل ساختہ ست بلکہ ایشان را برویت اہلہ حوالہ نمودہ ہمچنین در معرفت عدت غیر حائض از جہت صغر یا کبر فرمودہ وَاللَّائِی یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَائِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللَّائِی لَمْ یَحِضْنَ وکذلک آجال دیون وغیرہا را بران محول ساختہ ووفات شریف نبوی صلعم بعد نزول کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا اتفاق افتادہ تمامی اہلبیت واصحاب وی رضی اللہ عنہم ہمبرین معرفت بودند وہرگز منازل زیادت ونقصان نمی شناختند ونہ انچہ متاخران آنرا میزان قرار دادہ اند میدانستند ونہ چیزی را ازین امور کہ تکلیف موقت بران دائر ست معلوم داشتند بلکہ این توقیت در ایام وشہور وسنوات بحساب منازل قمریہ بدعت ست باتفاق امت عالمی از علمای دنیا نمی تواند کہ دعوی بودن او دران عصر برکت اثر یا عصر خلفای راشدین نماید بلکہ احداث بحت وضلالت صرف وبدعت محض ست وشاید کہ ظہورش در عہد مامون نزد اخراج کتب فلاسفہ وتعریب آن بودہ ومنجملہ اش یکی علم منطق ونجوم ست واین علم کسانیست کہ حق تعالی در حق شان فرمودہ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ پس اقل احوال متقرین بحساب منازل آنست کہ ایشان بالبینات کہ ایشان مبتدع وہر بدعت ضلالت ست واین بدعت در حرمین شریفین زاد شرفہما خیلی عظیم گشتہ تا آنکہ در مکہ مکرمہ جز بران وبر ساعات اعتماد نمیکنند وشان را در وی انواع

مؤلفات ست مثل بدیع مجیب و نحو آن کہ درس آن میکنند ومیخوانند و بران معتمد بودہ اند با آنکہ این علم ازان قبیل ست کہ دربارہٗ آن رسول خدا صلعم فرمودہ علم لا ینفع وجہل لا یضر و در واقع از علوم اہل کتاب ست زیرا کہ دوران اعیاد شان و نحو آن برحساب سیر شمس میرود و شاید کہ دخل او بر مسلمانان از علم یونان واہل کتاب بودست و آنکہ نسائی و ابوداؤد از حدیث ابن مسعود روایت کردہ اند کہ کان قدر صلوۃ رسول اللہ صلعم فی الصیف ثلاثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام وفی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام پس این اثر مقدوح فیہ ست زیرا کہ از روایت عبد بن حمید طبی کوفی از ابی مالک سعد بن طارق از کثیر بن مدرک از اسود آمدہ و در عبد و شیخ او سعد خلاف ست در میزان الاعتدال در ترجمہٗ سعد گفتہ وثقہ احمد و ابن معین وقال العقیلی لا یتابع علی حدیثہ فی القبول و در ترجمہٗ عبد گفتہ وقد ضعف عبد الحق حدیث تقدیر صلوۃ رسول اللہ صلعم بالاقدام فی الشتاء والصیف انتہی وعجب از حافظ ابن حجرؒ در تلخیص ست کہ بر لفظ و سند این حدیث کلام نکردہ ہمچنان بگذشت و آنکہ ابن العربی المالکی در کتاب القبس فی شرح موطا مالک بن انس حمل آن برابر کردہ وتبعہ السیوطی پس سید محمد بن اسماعیل امیرؒ در یواقیت فی المواقیت بابطال آن پرداختہ و عدم صحت حمل بران بیان ساختہ فلیرجع آری در ایام تابستان یعنی تاخیر در ظہر مستحسن ست تا آنکہ گمان شود کہ اگر آفتاب در کبد سماء بود الآن زوال پذیرفتہ زیرا کہ ہمچنین این معنی بحس د مشاہدہ مدرک میگردد اگر از طرف جہت جنوب باشد چہ سایہ اش در جہت شرق بسیار زائد میشود لیکن نہ بآن حد کہ اندازہ اش باقدام کنند غایت آنکہ نظر در امارات محصلہ ظن زوال نمایند وبا اہل اقدام جز ظن دیگر ہیچ نیست و احدی مخاطب بظن غیر خود بلکہ بظن نفس خود ہم نبودہ ست و آنکہ بدان خطاب بلکہ مکلف ست صرائح کتاب عزیز و سنت مطہرہ ست پس بس کہ باوجود او ہیچ سخن و کتاب را وقعی واعتبارے و در برابرش کدام رای و اجتہاد و اگر می بازاری نیست ولنعم ما قیل ؎

امع الصبح للنجوم تجلی ام مع الشمس للظلام ضیاء

وبہذا تم الجواب ولو بسط السائل فی السوال لبسطنا الکلام فی ہذا المقال وفی ہذا کفایۃ ایضا لمن بجعلہ اللہ من اہل الہدی وحسن المآل۔

بدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل صہ ۲۲۵

سوال:۔ عشاء کی نماز کا وقت کب تک ہے اور ہر روز اخیر وقت میں نماز ادا کرنے سے ثواب زیادہ حاصل ہونے کی بابت کیا حکم ہے۔ جبکہ نماز باجماعت اول وقت پر ہو جاتی ہے۔

السائل حکیم محمد یعقوب عثمانی۔ عثمان والا ضلع لاہور

جواب:۔ عشاء کی نماز کا وقت از روئے دلیل صحیح وارجح نصف رات تک ہے۔ تاہم ثلث رات تک اگر جماعت کا اہتمام ہو سکے تو افضل ہے۔ بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو ورنہ جس صورت میں نمازیوں کی اکثریت کو باجماعت نماز ادا کرنے میں سہولت ہو وہی صورت افضل ہے اس بارے میں ساری روایات کا خلاصہ بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی

الاعتصام جلد ۱۳ شمارہ نمبر ۵

سوال:۔ نماز کا وقت پہچاننا ضروری ہے یا نہیں۔ ہمارے یہاں مسمیٰ عبدالبصیر کی ایک مسجد کے امام حنفی المذہب ہے، مغرب کی اذان دیر میں کہنے پر بحث ہو گئی اس پر پیش امام صاحب نے کہا کہ وقت کا پہچاننا کوئی ضروری، اگر ہے تو پیش کرو اب آپ سے گذارش یہ ہے کہ اس کے متعلق شرعی فیصلہ فرماویں۔

(سائلان عبدالشکور نفیس و محمد یعقوب بادل والے از بمبئی)

جواب:۔ اوقات نماز کا معلوم کرنا شرعاً لازمی و لابدی امر ہے۔ خود جبرئیل علیہ السلام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوقات نماز کی تعلیم دی۔ قرآن مجید میں ہے إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا یعنی نماز ایمان والوں پر وقت بوقت فرض ہے۔

ہر ایک نماز اس کے وقت معینہ پر ادا کرنی چاہیئے، کتب حدیث میں جابجا محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اوقات صلوٰۃ کے متعلق ابواب منعقد فرمائے ہیں، کتب فقہ میں بھی اپنے مذہب کے مطابق اوقات صلوٰۃ کی تعیین وتقیید موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام مذکور کتب حدیث و کتب فقہ دونوں سے نابلد ہے۔ جس شخص کو نماز کے وقت کا پتہ نہیں اس کی نماز کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے چاہیئے کہ پہلے اوقات نماز کی تعلیم موافق شرع حاصل کرے پھر کہیں نماز پڑھانے پر مقرر ہو ورنہ بے وقت نماز پڑھنا منافقین کا کام ہے۔

سوال :۔ جب فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو فجر کی سنت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص فجر جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے سنت نہ پڑھ سکے تو کیا بعد ادا فرض سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

(منشی کمال الدین، موضع رتی پنڈی ڈاک خانہ کوٹ رادھاکشن، ضلع لاہور)

جواب :۔ اس سوال کی دو شقیں ہیں۔ شق اول یہ ہے کہ جب فجر کی جماعت ہو رہی ہو، سنت فجر پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوئے سنت پڑھنا منع ہے ارشاد خداوندی ہے۔ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ (سورہ بقرہ رکوع ۵) یعنی رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ اس آیت قرآنی سے اس بات کی صاف وضاحت ہو جاتی ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوئے سنت پڑھنا منع ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد، احمد) یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جماعت کھڑی ہو جائے (یعنی اقامت ہو جائے) پھر کوئی نماز نہیں سوائے نماز فرض کے یعنی وہی نماز جس کی تکبیر کہی جائے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت اس وقت اور کوئی نماز نہیں ہے سوائے اس نماز کے کہ جس کی تکبیر کہی گئی ہے۔

ابن احبان میں ایک حدیث ان الفاظ سے مروی ہے :۔ اذا اخذ المؤذن بالاقامۃ الا المکتوبۃ۔ جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ کی تشریح :۔ اذا عموم زمان کے لئے ہے اور فلا صلوٰۃ میں صلوٰۃ نکرہ ہے جو کہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ حدیث شریف کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جس وقت کسی نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو بجز نماز مکتوبہ مقام لہا کے اور کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے نہ فرض اور نہ غیر فرض بلکہ جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے۔ یہ تمام حدیثیں عام ہیں جیسے اور نمازوں کو شامل ہیں، ویسے ہی نماز فجر کو شامل ہے۔ بلکہ ایک روایت ابن عدی میں تو خاص طور سے نماز فجر کی جماعت ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی و سندہ حسن۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر کوئی نماز نہیں مگر وہی فرض نماز (جس کے لئے تکبیر کہی گئی) صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا نہ پڑھیں دو رکعت سنت فجر کی بھی، آپ نے فرمایا نہ پڑھو دو رکعت سنت فجر کی بھی ابو داود طیالسی میں ہے۔ حضرت ابن عباس رض روایت کرتے ہیں —— قال کنت اصلی واخذ المؤذن فی الاقامۃ فجذبنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتصلی اربعاً حضرت ابن عباس رض نے فرمایا۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مؤذن نے تکبیر کہنی شروع کر دی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچ کر فرمایا کیا تو فجر کی چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ — آپ نے دیکھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رض سے فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے وقت سنتیں تڑوا دیں۔

طبرانی میں ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رض روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی رکعتی الغداۃ والمؤذن یقیم فاخذ منکبیہ وقال الا کان ھذا قبل ھذا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ دو رکعتیں سنت فجر کی پڑھتا ہے اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دونوں کندھے پکڑے اور فرمایا، الا کان ھذا قبل ھذا" خبردار اس نماز کا وقت اس سے پہلے تھا — یعنی سنت فجر پڑھنے کا وقت جماعت کے کھڑے ہونے سے پہلے ہوتا ہے جب جماعت کھڑی ہو جائے اس وقت نماز فرض کے سوائے کوئی نماز نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں نماز فجر کی جماعت ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھنے والوں کو بطور تعزیر مارا کرتے تھے۔ بیہقی میں ہے — انہ کان اذا رای رجلاً یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ۔ حضرت عمر فاروق رض جب کسی آدمی کو دیکھتے کہ نماز پڑھتا ہے حالانکہ تکبیر سن چکا ہے تو آپ اس کو مارتے۔

امام احمد بن حنبل رح اور شافعی کے نزدیک فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنی منع ہے۔ ملاحظہ ہو جامع ترمذی —— اور امام مالک رح کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ محلی شرح مؤطا سے واضح ہوتا ہے —— اور امام ابو حنیفہ رح کا صحیح مسلک اس مسئلہ میں معلوم نہ ہو سکا، البتہ فقہ کی مشہور ترین کتاب ہدایہ اور فتح القدیر میں ہے کہ تکبیر کے وقت مسجد میں سنت پڑھنی مکروہ ہے اور مسجد سے باہر پڑھنی جائز ہے بشرطیکہ دونوں رکعت فرض کے فوت نہ ہو جائیں

آپ نے دیکھا کتب فقہ میں بھی سنت فجر جس طرح ہمارے حنفی بھائی پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے ـــ اور مسجد میں ممنوع لکھا ہے ـــ ان حضرات کے دلائل جو جماعت ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھنے کے قائل ہیں۔

۲ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر (بیہقی) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز جماعت کھڑی ہو جائے تو سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں مگر دو رکعت سنت فجر ـــ امام بیہقی نے اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

هٰذه الزيادة لا اصل لها وفی اسناده الحجاج بن نصیر وعباد بن کثیر وهما ضعیفان (فوائد مجموعہ ص ۲۴) یعنی اس زیادتی کا کوئی ثبوت نہیں اور حدیث کی سند میں حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر ہیں اور دونوں ضعیف ہیں۔

اور اس حدیث کے متعلق حضرت مولانا سلام اللہ صاحب حنفی رحمہ اللہ محلی شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں لکھتے ہیں ایک حدیث میں کسی شخص نے یہ لفظ زیادہ کر دیئے ہیں: اِلَّا رکعتی الصبح یعنی تکبیر ہو جانے کے بعد دو رکعت سنت صبح کی پڑھے۔

اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب حنفی رحمہ اللہ دیوبندی نے بھی اِلَّا رکعتی الفجر" کی زیادتی کو حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ" میں درج تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو العرف الشذی ص ۱۹۳

اور حضرت مولانا عبد الحی صاحب حنفی لکھنوی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں اپنی رائے یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

لکن لا یخفی علی الماھر ان ظاھر الاخبار المرفوعۃ ھو المنع (تعلیق الممجد ص ۸۸) یعنی جو شخص حدیث میں مہارت رکھتا ہے، اس پر پوشیدہ نہیں ہے کہ احادیث صحیح مرفوعہ ظاہر طور سے وقت تکبیر ہونے کے سنت فجر پڑھنے کو منع کر رہی ہیں۔

بعض آثار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جماعت ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھنے کے جواز میں پیش کئے جاتے ہیں جو کہ بوجہ صحیح حدیثوں کے مخالف ہونے کے نا قابل استدلال ہیں علاوہ ازیں وہی صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کہ جن سے جماعت ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھنے کا جواز پیش کیا جاتا ہے انہیں سے بغیر سنت فجر پڑھے جماعت میں شامل ہونے کا اور پھر امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد سنت فجر ادا کرنے کا بھی ثبوت موجود ہے۔

سوال شق ثانی یہ ہے کہ جو شخص سنت فجر جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے نہ پڑھ سکا تو بعد نماز فرض پڑھ سکتا ہے ـــ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے۔ حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلاتان معًا قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذن۔

ترجمہ:۔ فرمایا قیسؓ صحابی نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز فرض کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز فرض پڑھی۔ بعد سلام پھیرنے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ قیس کیا تو دو نماز اکٹھی پڑھتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا تو اب کوئی حرج نہیں یعنی ایسی حالت میں سنت فجر بعد سلام پھیرنے کے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔ عن قیس ابن عمرو قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلوٰۃ الصبح رکعتین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ صلوٰۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلھما فصلیتھما الان فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ روایت ہے حضرت قیس سے کہ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بعد نماز صبح کے دو رکعت نماز پڑھ رہا تھا نبی کریمؐ نے فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے دو رکعت سنت فجر نہیں پڑھی تھیں۔ سو اس وقت میں نے ان دونوں رکعتوں کو پڑھا ہے اس پر آپ چپ رہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔ وقال ابن الملک سکوتہ یدل علی قضاء سنۃ الصبح بعد فرضہ لمن لم یصلیھما قبلہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کی سنت فجر رہ گئی ہوں وہ بعد نماز فرض کے سنت فجر پڑھ لے اور سنت فجر کی قضاء بعد طلوع آفتاب کے بھی جائز ہے۔ غرض سنت فجر جو جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے رہ گئی ہوں دونوں طرح پڑھنی جائز ہے قبل از طلوع آفتاب بھی اور بعد از طلوع آفتاب بھی۔

الاعتصام لاہور جلد ۹ شمارہ ۸

سوال:۔ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اگر نماز شروع کردی جائے یا نماز کے ممنوع اوقات میں اس سے پہلے نماز شروع کردے اور پھر دوسرا غیر ممنوع وقت صلوٰۃ شروع ہوجائے تو ایسے وقت میں کیا کرنا چاہئے۔ اگر دو نمازیں جمع کرنی ہوں۔ پچھلی نماز کی جماعت کے کھڑے ہونے کا وقت قریب ہو۔ اول نماز کی نیت بندھی۔ اور نماز پوری کرنے سے قبل پچھلی نماز کھڑی ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے۔ صحابہ رضؓ کا اس میں کیا عمل درآمد تھا۔

جواب:۔ حدیث میں ہے من ادرک رکعۃ من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر متفق علیہ (مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ)

"جو شخص طلوع شمس سے پہلے ایک رکعت صبح کی پالے، اس نے صبح کی نماز پالی۔ اور جو عصر کی ایک رکعت پائے غروب آفتاب سے پہلے اس نے عصر کی نماز پالی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جو شخص وقت ختم ہونے سے پہلے ایک رکعت پالے وہ بقیہ نماز پڑھ لے اور جماعت کھڑی ہونے کے وقت پہلی نماز کی اخیری رکعت کے رکوع میں جا چکا ہو تو پوری کرلے ورنہ توڑ کر جماعت کے ساتھ شامل ہوجائے کیونکہ حدیث میں ہے۔

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت لھا۔

"یعنی جب اقامت ہوجائے تو پھر کوئی نماز نہیں مگر وہی جس کی اقامت ہوئی ہے۔"

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔

ایک یہ کہ اس حدیث میں اقامت کے بعد نماز کی نفی کی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز کا اقل درجہ ایک رکعت ہے جیسے وتر ایک ہی رکعت ہے۔ اور بعض صورتوں میں صلوٰۃ خوف بھی ایک ہی رکعت ہے۔ ایک رکعت سے کم کو نماز نہیں کہتے پس ایک رکعت سے کم پڑھ سکتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ:

"اخیر رکعت کے رکوع میں جا چکا ہو تو پوری کرلے ورنہ توڑ دے۔"

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اقامت کے بعد الگ کوئی نماز نہ ہونی چاہئے خواہ فرض ہو یا نفل۔ بلکہ امام کے ساتھ شامل ہوجائے۔

رہی یہ بات کہ نیت کونسی نماز کی کرے۔ مثلاً عصر کی نماز ہو رہی ہو تو اس کی ظہر باقی ہے تو کیا امام کے

ساتھ شامل ہو کر ظہر کی نیت کرے یا عصر کی۔

عصر کی نیت کرنے کی دلیل اس حدیث کے ظاہر الفاظ ہیں کہ اقامت کے بعد وہی نماز ہے جس کی اقامت ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اقامت ہوئی ہے۔ پس عصر کی نیت کرنی چاہیے۔ نیز اگر اتفاقیہ امام کو نماز میں دیر ہو گئی اور اس نے اخیر وقت میں نماز پڑھائی تو اس صورت میں اگر یہ ظہر کی نیت کرے تو اس کی دو نمازیں ظہر و عصر قضا ہوں گی۔

ظہر اس لئے کہ وہ اپنے وقت پر نہیں پڑھی گئی۔ بلکہ عصر کے وقت پڑھی گئی ہے۔

اور عصر اس لئے کہ امام کے پڑھاتے پڑھاتے عصر کا وقت بھی ختم ہو گیا۔ تو وہ بھی قضا ہو گئی۔ اگر امام کے ساتھ عصر کی نیت کرے تو عصر اپنے وقت پر ادا ہو گی۔ صرف ظہر قضا رہی۔

نیز اگر عشا کی اقامت ہو تو مغرب کی نماز کی نیت کرنے میں خلل واقع ہو گا۔ وہ اس طرح کہ امام کے ساتھ چوتھی رکعت پڑھے تو مغرب کی چار ہو جائیں گی۔ اگر تیسری پڑھ کر بیٹھا رہے اور جب امام چوتھی پڑھ کر سلام پھیرے تو اس صورت میں سلام سے پہلے درمیان میں امام کی مخالفت لازم آئے گی جو سوا مجبوری کے ٹھیک نہیں۔

ظہر کی یا مغرب کی نیت کرنے کی دلیل یہ ہے کہ:

عصر اور فجر کی نماز کے بعد وقت مکروہ ہے اگر امام کے ساتھ عصر کی نیت کرے تو ظہر مکروہ وقت میں پڑھنی پڑے گی۔ اگر دیر کرے تو خطرہ ہے موت واقع ہونے سے کہیں فرض ہی ذمے نہ رہ جائیں۔ نیز اگر ظہر کی نیت کرے یا مغرب کی کرے تو اس میں ترتیب محفوظ رہتی ہے۔ اگر عصر یا عشا کی نیت کرے اور ظہر عصر کے بعد اور مغرب عشا کے بعد پڑھے تو پہلی نماز پیچھے رہ جائے گی اور پچھلی پہلے۔ حالانکہ پہلی پہلے فرض ہے اور پچھلی پیچھے اگر بالفرض پچھلی نماز پڑھتے ہی مر جائے تو پہلی کا گناہ اس کے ذمے باقی رہا اور اگر پہلی پڑھ کر مر جائے تو پچھلی کے بدلے اس کو مواخذہ نہیں کیونکہ اس کا وقت اکثر باقی ہوتا ہے

غرض دونوں طرف کچھ کچھ دلائل ہیں اس لئے اختیار ہے کہ پہلی کی نیت کرے یا پچھلی کی۔

نوٹ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ:۔

عصر یا فجر کے بعد فرضوں کی قضا نہ دینی چاہیئے کیونکہ ان وقتوں میں نماز منع ہے۔

مگر یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کیونکہ مکروہ وقتوں میں قضا منع نہیں ہے۔ ظہر کی سنتوں کی قضا عصر کے

بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ۔ اور فجر کی سنتیں رہ جائیں تو وہ بھی فجر کی نماز کے بعد پڑھنی ثابت ہیں ۔ چنانچہ ہم نے رسالہ " امتیازی مسائل " میں اس کی تفصیل کی ہے ۔ تو فرضوں کی قضا بطریق اولیٰ جائز ہوگی ۔ کیونکہ ان کا معاملہ اہم ہے ۔ نیز خدانخواستہ دیر کرنے کی صورت میں مرگیا تو فرض ذمے رہ گئے یہ کتنے بڑے خطرہ کا مقام ہے اس لئے فرضوں کی قضا میں بہت جلدی کرنی چاہیئے ۔

تنظیم اہل حدیث جلد ۱۳ شمارہ ۲۷

سوال :۔ رات کو ایک آدمی تھکاوٹ کی کثرت سے سوجاتا ہے تو پھر وہ عشا کی قضا شدہ نماز کو کب پڑھے کیا قضا نماز پڑھے یا پوری نماز پڑھے ۔

جواب :۔ عشا کی نماز سے پہلے سونا حدیث شریف میں منع آیا ہے ۔ لیکن اتفاقیہ کہیں سوجائے تو جب جاگ آوے نماز پڑھ لے ۔ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے ۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ وغیرہ ۔ اور نماز پوری پڑھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر کی نماز ایک مرتبہ اسی طرح سوئے سوئے رہ گئی تھی تو سورج نکلنے کے بعد با جماعت پوری نماز پڑھی یعنی سنتیں بھی ساتھ ادا کیں ۔ ملاحظہ ہو فصل رابع مشکوٰۃ وغیرہ ۔

تنظیم اہل حدیث جلد ۲۲ شمارہ ۱۲

سوال :۔ کسی وقت مثلاً ٹرین میں ، مجلس میں ، بازار میں بر وقت صرف فرض نماز پڑھ لی جائے اور سنت نفل دوسرے وقت ادا کرلئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں ۔

جواب :۔ ایک ہی وقت میں اس نماز کی تکمیل کی سو فیصد کوشش کرنی چاہیئے یہی تقویٰ ہے یہی افضل ہے اگر کبھی کبھار مجبوراً ترکیب بالا پر عمل ہو جائے تو درجہ جواز میں ہوگا عادت نہ بنا لینا چاہیئے ۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۱۷

سوال :۔ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ اگر حیض والی عورت اگر دن میں پاک ہو تو ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں پڑھے اور اگر رات میں پاک ہو تو مغرب اور عشا دونوں نمازیں ادا کرے ۔ اس عبارت کا کیا مطلب ہے ۔

جواب :۔ جو کچھ ظاہر سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ اس حکم کی بنا دونوں وقتوں کے اشتراک پر ہی احتیاط

پر عمل کرنے کو یعنی آخر دن سے مراد اول وقت عصر کا ہے کہ ظہر کا آخر وقت ہے اور رات سے مراد عشا کا اول وقت ہے کہ مغرب کے وقت کا آخر ہے پس جو عورت ان وقتوں میں پاک ہوا احتیاطاً دونوں نمازیں ادا کرے کیونکہ شرکت وقتین کے خیال سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے دونوں کو پالیا تو دونوں وقتوں کی نماز ادا کرنی چاہیے اور حدیثوں سے ظاہر یہی بات ہے کہ اس نماز کو ادا کرے جس نماز کے وقت میں پاک ہوئی۔

فتاوی نواب صدیق حسن خاں جلد ۲ صد ۲۶

سوال:۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ نماز جان بوجھ کر فوت کرنے کے بعد فوت کرنے والے سے قبول نہیں ہوتی اور نہ اس فعل حرام یعنی فوت کرنے کا گناہ اس سے ساقط ہوتا ہے اگرچہ قضا بھی کرے اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے اس عبارت کا مطلب بیان فرمادیں۔

جواب:۔ نماز فوتی کی قضا کرنے میں جو بلا عذر فوت ہو گئی ہو علماء کا اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں قضا واجب ہے اور داؤد ظاہری اور ابن حزم اور بعض شافعیہ کا مذہب قضا نہ کرنا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں جو بلا عذر جان بوجھ کر قضا کرے وہ گنہگار ہے اس نماز کے ترک کرنے میں اور حضرت ابن تیمیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ظاہریہ کا مذہب ظاہر ہے کیونکہ جمہور کے پاس کوئی دلیل صریح قضا کے واجب ہونے پر نہیں ہے۔ شوکانی نے شرح مختصر میں کہا میں جمہور کی کوئی دلیل قرآن اور حدیث سے نہیں پاتا مگر خثعمیہ کی حدیث جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَدَيْنُ اللهِ اَحَقُّ اَنْ يُّقْضٰى اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں عموم ہے جو مصدر مضاف سے نکلتا ہے اور وہ عموم اسباب کو بھی شامل ہے انتہے۔ غرضکہ جمہور کے پاس اس حدیث کے سوا کوئی اور دلیل نہیں اور اہل اصول میں خلاف ہے کہ وجوب قضا کے لئے وہی دلیل کافی ہے۔ جس سے مقضی کا جواب نکلتا ہے۔ یا نئی دلیل کی ضرورت ہے جس سے قضا کا وجوب ثابت ہو اور حق یہ ہے کہ نئی دلیل ہونی چاہئے کیونکہ قضاء کا وجوب مستقل تکلیف ہے علاوہ تکلیف ادا کے فتائل واللہ اعلم۔

فتاوی نواب صدیق حسن خاں جلد ۲ صد ۱۸

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں نماز مغرب ہو چکی ہے۔ جب وقت قضا ہوا اور عشا کی نماز کا وقت آگیا تو دو شخص اس مسجد میں آئے اور مغرب کی نماز قضا با جماعت مع اذان و اقامت کے

پڑھی ایسی صورت میں ان کو نماز قضا با جماعت پڑھنی چاہئے ساتھ اذان و اقامت کے یا بغیر جماعت کے بینوا توجروا۔

جواب:۔ کسی مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ہو چکی تھی تو اس میں پھر اس نماز کو یا اس کی قضا کو جماعت سے پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہے بلکہ جواز ثابت ہے۔ ابوداؤد و ترمذی میں ابوسعید سے مروی ہے ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم فصلی معہ۔ نیل الاوطار میں ہے وقد استدل الترمذی بھذا الحدیث علی جواز ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ قال وبہ یقول احمد واسحاق اھ۔ تعلیق المغنی علی الدار قطنی میں ہے ان تکرار الجماعۃ فی المسجد الذی قد صلی فیہ مرۃ واحدۃ او اثنتین او ثلاثۃ او اکثر من ذلک بلا کراھۃ جائز وعمل علی ذلک الصحابۃ والتابعون ومن بعد ھم و اما القول بالکراھۃ فلم یقم دلیل علیہ بل ھو قول ضعیف انتہی۔ پس صورت مسؤلہ میں ان کو نماز باجاعت پڑھنی چاہیے رہی یہ بات کہ اذان و اقامت ہو یا نہ ہو سو واسطے جماعت ثانیہ کے لئے اذان کا ہونا اس مسجد میں جس میں پہلی جماعت کے لئے اذان ہو چکی ہو کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہوتا ہاں فعل حضرت انسؓ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہونا چاہیے صحیح بخاری میں ہے جاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ رواہ البخاری معلقا یعنی حضرت انس ایک مسجد میں آئے جس میں نماز ہو چکی تھی پس اذان دی اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔ اور قضا فوائت کی جماعت کے لئے اذان کا ہونا حدیث مرفوع سے ثابت ہے چنانچہ حدیث لیلۃ التعریس و حدیث یوم الخندق میں مصرح ہے فامر بلالا فاذن واقام۔ نیل الاوطار میں ہے۔ استدل بالحدیث علی مشروعیۃ الاذان والاقامۃ فی الصلوٰۃ المقضیۃ وقد ذھب الی استحبابھا فی القضاء الھادی و القاسم والناصر وابوحنیفۃ واحمد بن حنبل وابوثور۔ عالمگیریہ میں ہے من فاتتہ صلوٰۃ فی وقتھا فقضاھا اذن لھا واقام واحدا کان او جماعۃ کذا فی المحیط اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ جس مسجد میں قضا فوائت ہوتی ہے اذان ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو تا کہ یہ نماز قضا موافق ادا کے ہو واللہ تعالیٰ اعلم حررہ عبدالحق ملتانی عفی عنہ۔ فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۲۷۵ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ عیدالاضحیٰ کی نماز ہندوستانی مروجہ وقت کے لحاظ سے کتنے بجے کے اندر پڑھنا مسنون ہے۔ زیادہ دیر کر کے نماز عیدالاضحیٰ ادا کرنا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

جواب:۔ عیدالفطر کی نماز کا مسنون وقت وہ ہے جب آفتاب افق سے تقریباً سوا نیزہ بلند۔ اور عیداضحیٰ کی نماز کا مسنون وقت جب آفتاب افق سے ایک نیزہ بلند ہو۔ اس سے زیادہ دیر کر کے عیداضحیٰ کی نماز ادا کی جائے تو نماز تو ہو جائے گی مگر مسنون وقت وہی ہے جو لکھا گیا۔

ترجمان دہلی جلد ۷ شمارہ ۱۷

سوال:۔ بارش کے موقع پر۔ دو وقتوں کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں مثلاً ظہر و عصر یا مغرب و عشاء۔

جواب:۔ بارش کے وقت دو نمازیں کبھی کبھی جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم شریف میں آیا ہے۔

ترجمان دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۵

سوال:۔ تراویح کی نماز کھڑی ہے ایک شخص آیا جس نے ابھی عشا کے فرض پڑھنے ہیں کیا وہ تراویح میں مل جائے۔ یا فرض الگ پڑھ لے۔

جواب:۔ اس کی دونوں صورتیں جائز ہیں اگر فرض الگ پڑھ لے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ جماعت فرضوں کی نہیں نفلوں کی ہو رہی ہے۔ اور فرض جماعت کے پاس الگ نفل یا سنت پڑھنا ممنوع ہے دوسری صورت یہ ہے کہ تراویح میں شامل ہو جائے اور جب امام چار تراویح کے بعد درمیانی وقفہ کرے تو وہ اس وقفہ میں اپنے فرض پڑھ لے۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ شمارہ ۲۸

سوال:۔ نماز جنازہ بعد عصر پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ جائز ہے۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۵

سوال:۔ نماز قضا ہو سکتی ہے یا نہیں۔ وہ کب اور کس وقت پڑھی جائے۔

جواب: ۔اگر آدمی بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد آئے یا بیدار ہو تو اسی وقت پڑھ لے وہی اس کا وقت ہوگا۔ اگر قضا سے یہی مراد ہے تو قضا ادا ہو گئی۔ اور اگر قضا سے مراد سال دو سال کی نمازیں ہوں تو ان کے دھرانے اور بطور قضا عمری پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۶

سوال: ۔اگر کسی شخص کی نماز تہجد رہ جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے۔ بعض کہتے ہیں ایک رکعت وتر پڑھ لینا چاہیئے اور بعض کہتے ہیں کہ سورج نکلنے کے بعد گیارہ رکعت پڑھنی چاہیئے۔ اس میں سے صحت پر کون ہے۔

جواب: ۔ بعد طلوع آفتاب پڑھنے والا فریق صحت پر ہے۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۱۱

سوال: ۔نماز جمع کرنے کا طریق کیا ہے اور کب جمع کرنی جائز ہیں۔

جواب: ۔نماز سفر میں جمع کی جاسکتی ہے یا جب بارش ہو رہی ہو اور عوام کا دوبارہ مسجد میں جمع ہونا مشکل ہو یا باعث تکلیف ہو ایسی حالت میں ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشا جمع ہو سکتی ہیں۔ اگر ظہر کے ساتھ عصر پڑھ لی جائے تو جمع مقدم کہلائے گی۔ اور اگر ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں تو جمع مؤخر، شارع علیہ السلام نے دونوں صورتوں کو جائز رکھا ہے اور اسے ہماری سہولت پر چھوڑا ہے۔ سفر میں تو سنن ویسے ہی معاف ہیں صرف دوگانہ فرض پڑھتے ہوں گے۔ مگر حضر میں جب نماز جمع کی جائیں گی تو درمیانی سنتیں معاف ہو جائیں گی۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۶

سوال: ۔ صبح کی جماعت ہو رہی ہے اور کوئی شخص آکر جماعت میں شریک ہو کر نماز ادا کرے لیکن فجر کی سنت باقی رہ گئی ہوں تو یہ سنت کب ادا کرے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جماعت سے علیحدہ ہو کر سنت پڑھ لے پھر جماعت میں شریک ہو۔

جواب: ۔ جب کوئی شخص مسجد میں اس حال میں پہنچے کہ جماعت ہو رہی ہو یا اقامت شروع ہو

چکی ہے تو سنت پڑھنی جائز نہیں نہ صف کے ساتھ مل کر نہ صف سے الگ اور نہ کھمبے کی آڑ میں نہ مسجد کے اندر مسجد سے متصل کسی حجرے یا برآمدے میں نہ مسجد سے باہر اس کے دروازے پر کر فرض کے بجائے اس سے کم درجہ کی چیز سنت میں مشغول ہونا معمولی عقل کے بھی خلاف ہے۔ سنت کی طرح کوئی دوسری چھوٹی ہوئی فرض بھی پڑھنی اس وقت جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا اقیمت الصلوٰۃ وفی روایۃ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ التی اقیمت (احمد وغیرہ) پس فجر کی اقامت شروع ہو جانے کے بعد فجر کی سنت نہیں پڑھنی چاہیے۔ قال الحافظ وزاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی هذا الحدیث قیل یارسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی فی ترجمۃ یحیی بن نصر بن حاجب واسنادہ حسن انتہی قال شیخنا فی شرح الترمذی والحدیث یدل علی انہ لا یجوز الشروع فی النافلۃ عند اقامۃ الصلوٰۃ من غیر فرق بین رکعتی الفجر وغیرھما انتہی اور صحیح مسلم ابوداؤد ونسائی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن سرجس سے مروی ہے قال دخل رجل المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلاتین اعتددت ابصلاتک وحدک ام بصلاتک معنا۔ جس شخص کی فجر کی سنت جماعت میں شامل ہو جانے کی وجہ سے چھوٹ جائے وہ اس سنت کو فرض سے فارغ ہو کر قبل آفتاب طلوع ہونے کے پڑھ سکتا ہے (ابن حبان۔ ابن خزیمہ۔ بیہقی۔ ترمذی۔ ابوداؤد عن قیس بن عمرو بن سہل الانصاری)

محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۲

سوال:۔ وقت نماز جمعہ کا نزدیک اہل حدیث کے کب تک رہتا ہے۔ اور جمعہ کی نماز میں خطبہ کس قدر اور نماز کس قدر چاہیئے۔ اور ایک شخص نے بارہ بجے سے خطبہ شروع کیا اور دو بجے خطبہ ختم کیا۔ اور کل بارہ منٹ میں نماز و دعا کو ختم کیا یہ موافق سنت کے ہوا یا خلاف۔

جواب:۔ وقت نماز جمعہ بعینہ وقت ظہر ہے پس جب تک وقت ظہر کا باقی رہتا ہے اسی وقت تک جمعہ کا وقت بھی باقی رہتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے ان مالکا یقول ببقاء وقتها الی

الغروب قال ویجاب بان شرعیۃ الجمعۃ مقام الظہر علی خلاف القیاس لانہ سقوط اربع برکعتین فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بہا اھ۔ اور امام شوکانی دربہیہ میں فرماتے ہیں د وقتہا وقت الظہر لکونہا بدل لاعنہ۔ پس ثابت ہوا کہ سوائے سایۂ اصلی کے ایک مثل تک نماز جمعہ کا وقت رہتا ہے۔ اور نماز جمعہ کا لمبا کرنا اور خطبہ کا مختصر ہونا حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے مسلم شریف میں عمار بن یاسر سے مروی ہے۔ ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقہہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ الحدیث۔ پس ثابت ہوا کہ صورت مذکورہ فی السوال بالکل مخالف حدیث و مناقض سنت سنیہ ہے۔ فالحذر الحذر۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ا ص ۳۶۲

نماز جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہے:۔

امام بخاری در صحیح خود نوشتہ باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس و دریں باب حدیث انس بن مالک آوردہ[1] ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعۃ حین تمیل الشمس علامہ سندھی در حاشیہ بخاری نوشتہ وصیغۃ المضارع تدل علی الاعتیاد والاستمرار بعد کان ولہذا حافظ ابن حجر در فتح الباری زیر حدیث مذکور نوشتہ فیہ اشعار بمواظبتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ الجمعۃ اذا زالت الشمس و مؤید ایں معنی ست حدیث جابر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زالت الشمس صلی الجمعۃ رواہ الطبرانی قال الحافظ ابن حجر فی التلخیص اسنادہ حسن یعنی خواندن صلوٰۃ جمعہ نبویہ مشروط بود بزوال شمس وعن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال کنا نجمع مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زالت الشمس رواہ البخاری و مسلم

---

[1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ باب ہے اس بیان میں کہ وقت جمعہ کا سورج ڈھلنے کے بعد ہے اور اس باب میں حدیث انسؓ بن مالک کی لائے ہیں کہ تحقیق رسول اللہ جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے تھے علامہ سندھی نے بخاری شریف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صیغہ مضارع کا جب کَانَ کے بعد ہو تو اس کام کی عادت اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے رسول اللہ صلعم کا جمعہ کی نماز ہمیشہ سورج ڈھلنے کے بعد پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور جابرؓ کی حدیث جو طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلعم جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے تھے بھی اس مضمون کی تائید کرتی ہے حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ مطلب اور مراد اس عبارت مذکورہ بالا سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جمعہ پڑھنا سورج ڈھلنے کے ساتھ مشروط تھا یعنے بغیر سورج ڈھلنے کے جمعہ نہ پڑھتے

وعن انس بن مالك قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اشتد البرد بكر بالصلوٰة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰة يعني الجمعة رواه البخاري وعن عائشة قالت كان الناس مهنة انفسهم وكانوا اذا راحوا الى الجمعة راحوا في هيئتهم فقيل لهم لو اغتسلتم رواه البخاري ورواح نزد اہل لغت ذہاب بعد از زوال ست واخرج مالك في الموطا عن مالك بن ابي عامر قال كنت ارى طنفسة لعقيل بن ابي طالب تطرح يوم الجمعة الى جدار المسجد الغربي فاذا غشيها ظل الجدار خرج عمر قال الحافظ ابن حجر اسناده صحيح واخرج ابن ابي شيبة من طريق سويد بن غفلة انه صلى مع ابي بكر وعمر حين زالت الشمس قال الحافظ ابن حجر اسناده قوي وفي حديث السقيفة للبخاري عن ابن عباس فلما كان يوم الجمعة وزالت الشمس خرج عمر فجلس على المنبر واخرج ابن ابي شيبة من طريق ابي اسحاق انه صلى خلف علي الجمعة بعد ما زالت الشمس قال الحافظ ابن حجر اسناده صحيح واخرج ايضا من طريق ابي رزين قال كنا نصلي مع علي الجمعة فاحيانا نجد فيئا واحيانا لا نجد ومراد از فیئ سایہ است کہ استظلال میکردند باں نہ نفی اصل ظل چنانچہ درروایتے از بخاری است وليس للحيطان ظل نستظل به ودرروایتے از مسلم است وما نجد فيئا نستظل به واخرج ابن ابي شيبة باسناد صحيح عن سماك بن حرب قال

بخاری اور مسلم میں سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ اور بخاری شریف میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز سخت سردیوں میں اول وقت پڑھتے تھے۔ اور سخت گرمیوں میں ٹھنڈی کرکے اور عائشہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم مزدوری کیا کرتے تھے اور جب جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے تو اسی حالت میں دگرد وغبار میں لبڑے ہوئے) چلے جاتے (اس لئے) ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم نہا لیا کرو (تو تمہارے لئے بہت اچھا ہو) اور رَوَاح لغت میں زوال کے بعد جانے کو کہتے ہیں۔ اور امام مالکؒ نے مؤطا میں مالک بن ابی عامر سے روایت کی ہے کہ میں دیکھتا تھا کہ عقیل بن ابی طالب کا مصلےٰ جمعہ کے دن غربی دیوار کے ساتھ بچھایا جاتا تھا جب اس دیوار کا سایہ مصلےٰ کو ڈھانک لیتا (یعنے اتنا قدر سایہ لنبا ہوجاتا) تو اس وقت عمرؓ جمعہ کی نماز کے لئے نکلتے۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ اس نے ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ کی نماز پڑھی۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو قوی کہا ہے۔ اور بخاری شریف کی حدیث میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا اور سورج ڈھل جاتا تو اُس وقت عمرؓ تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھتے اور ابن ابی شیبہ نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ اُس نے علیؓ کے پیچھے جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھی۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے اور ابن ابی شیبہ نے رزین سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا ہم علیؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ تو کبھی سایہ پاتے کبھی نہ پاتے اور مراد اس سایہ سے وہ سایہ ہے جس سے وہ اپنے آپ کو سایہ کرتے (یعنے بہت سایہ نہ ہوتا تھا کہ جس سے ہم سایہ کریں) مطلق سایہ کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ دیواروں کا اس قدر سایہ نہ ہوتا کہ ہم اس کے ساتھ سایہ کریں۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ہم اس قدر سایہ نہ پاتے کہ جس سے ہم سایہ کریں۔ اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ سماک بن حرب سے روایت کی ہے

کان النعمان بن بشیر یصلی بنا الجمعۃ بعد ما تزول الشمس واخرج ایضا ابن ابی شیبۃ من طریق الولید بن العیزار قال ما رایت اماما کان احسن صلوۃ للجمعۃ من عمرو بن حریث فکان یصلیھا اذا زالت الشمس قال الحافظ ابن حجر اسنادہ صحیح غرض کہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ از خلفاء راشدین وغیرہم بریں اند کہ صلوٰۃ جمعہ بعد از زوال ست و روایاتے کہ برخلاف ایں وارد اند ہمہ ضعاف یا محتمل اند کہ مقابلہ محکمات نمی تواند چنانچہ تفصیل ضعف آن در ادلہ مجوزین ذکر خواہم نمود۔ فتاویٰ غزنویہ ص ۵۳

قبل زوال نماز جمعہ پڑھنے والوں کے دلائل:۔

عن[۱] جابر بن عبد اللہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الجمعۃ ثم نذھب الی جمالنا فنریحھا زاد عبد اللہ فی حدیثہ حین تزول الشمس رواہ مسلم احتمال وارد کہ حین ظرف نریح باشد وایں احتمال نریح باشد وایں احتمال مؤید قول مجوزین جمعہ قبل از زوال ست و احتمال دارد کہ ظرف یصلی باشد وایں موافق قول جمہور ست و مطابق احادیث صحیحہ و احتمال راجح و احتمال اول مرجوح مخالف احادیث صحیحہ وعن سھل قال ما کنا نقیل ولا نتغذی الا بعد الجمعۃ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ مسلم

کہ نعمان بن بشیر سورج ڈھلنے کے بعد ہم کو جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے اور ابن ابی شیبہ نے ولید ابن عیزار سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں نے عمرو بن حریث سے بڑھ کر کوئی امام جمعہ کی نماز اچھی طرح پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور عمرو بن حریث جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے تھے حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے غرض یہ کہ صحیح حدیثیں اور چاروں خلیفوں اور ما سوا ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اسی پر ہیں کہ جمعہ کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد ہے اور جو روایتیں اس مضمون کے برخلاف آئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف یا محتمل ہیں جو صحیح روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے ضعف کی تفصیل جمعہ کی نماز کو زوال سے پہلے جائز جاننے والوں کی دلیلوں کے باب میں بیان کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

[۱] جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے پھر ہم اپنے اونٹوں کو جیسے پھر چرانے کو لے جاتے تھے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حدیث میں یہ لفظ زیادہ کیا ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔ سو اس جگہ ایک احتمال یہ ہے کہ لفظ حین فعل نریح کا ظرف ہو (یعنے ہم اپنے اونٹوں کو سورج ڈھلنے کے وقت چرانے کے لئے لے جاتے تھے تو معلوم ہوا کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھتے تھے) یہ احتمال نماز جمعہ زوال سے پہلے پڑھنے کو جائز جاننے والوں کے قول کا مؤید ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ (لفظ حین) فعل یصلی کا ظرف یعنے مفعول فیہ ہو (تو معنے یہ ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے تھے) اور یہ معنی موافق قول جمہور اور مطابق احادیث صحیحہ کے ہے اور یہی احتمال راجح ہے اور پہلا احتمال مرجوح اور صحیح حدیثوں کے مخالف ہے اور مسلم شریف میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز جمعہ کے بعد ہی کھانا کھاتے اور بعد ہی

یعنی قیلولہ وغدا بعد از جمعہ بود و بودن جمعہ قبل از قیلولہ و غدا دلیل بین ست بر بودن جمعہ قبل از زوال این ست آنچہ میگویند دریں حدیث مگر جمہور میگویند کہ مقصود حدیث این ست کہ صحابہ کرام برائے تحصیل اجر جزیل قبل از خوردن غدا و کردن قیلولہ بروز جمعہ بمسجد میرفتند و منتظر جمعہ مشغول بذکر و دعا و صلوٰۃ می بودند نماز جمعہ بعد از زوال خوانده من بعد غدا و قیلولہ فائتین می نمودند و ما فات از وقت اگرچہ در غیر وقت کردہ شود تسمیہ آن بہمان اسم در ہر لغت جاری و ساری ست ۔ وعن عبد اللہ بن سیدان السلمی رضی اللہ عنہ قال شهدت الجمعة مع ابی بکر فکانت خطبته وصلاته قبل نصف النهار ثم شهدتها مع عمر فکانت صلاته وخطبته الی ان اقول انتصف النهار وشهدتها مع عثمان فکانت صلاته وخطبته الی ان اقول زال النهار فما رأیت احدا عاب ذلك ولا انكر رواه الدار قطنی والامام احمد فی روایة ابنه عبد الله قال النووی فی الخلاصة اتفقوا علی ضعف ابن سیدان وقال البخاری لا یتابع علی حدیثه وقال ابن عدی یشبه المجهول كذا فی النیل وقال اللالكائی مجهول لا حجة فیه قال الذهبی فی المیزان واخرج ابن ابی شیبة من طریق عبد الله بن سلمة قال صلی بنا عبد الله یعنی ابن مسعود الجمعة ضحی وقال خشیت علیکم الحر قال شعبة عن عمرو بن مرة سمعت عبد الله بن سلمة یحدثنا وانا لنعرف وننكر وكان قد كبر وقال البخاری لا یتابع علی حدیثه وقال ابو حاتم والنسائی یعرف وینكر كذا فی المیزان للذهبی وقال الحافظ فی التقریب صدوق تغیر حفظه

قیلولہ کرتے یعنے قیلولہ کرنا اور کھانا کھانا نماز جمعہ پڑھنے کے بعد میں ہوتا تھا اور نماز جمعہ کو قیلولہ اور کھانا کھانے سے پہلے پڑھنا نماز جمعہ زوال سے پہلے پڑھنے پر صاف کھلی دلیل ہے (جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھنے والے اس حدیث کا یہی معنے کرتے ہیں مگر جمہور (رحمہم اللہ) یہ کہتے ہیں کہ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سا ثواب حاصل کرنیکی غرض سے جمعہ کے دن کھانا کھانے اور قیلولہ کرنے سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز جمعہ کے انتظار میں ذکر اور دعا اور نماز میں مشغول رہتے ۔ جمعہ کی نماز زوال کے بعد پڑھ کر کھانا اور قیلولہ جو رہ گئے تھے پیچھے ادا کرتے اور جو چیز اپنے وقت پر ادا نہ ہو سکے وہ اگرچہ اپنے غیر وقت میں ادا کی جائے اس کا اپنے پہلے نام سے نامزد ہونا ہر زبان میں مستعمل ہے اور عبد اللہ بن سیدان السلمی ؓ سے روایت ہے کہ اس نے کہا میں نے ابو بکر ؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی تھی تو آپ کا خطبہ اور نماز دن ڈھلے سے پہلے ہوتے تھے میں نے حضرت عمر ؓ کے ساتھ پڑھی تو آپ کا خطبہ اور نماز بھی دن ڈھلے سے پہلے ہوتے تھے اور حضرت عثمان ؓ کے ساتھ بھی پڑھی تو آپ کا خطبہ اور نماز بھی زوال سے پہلے ہوتے تھے پس میں نے کسی ایک کو اس بات پر عیب لگاتے اور انکار کرتے نہیں دیکھا روایت کیا اس حدیث کو دار قطنی نے اور امام احمد ؒ نے اس روایت میں جس کا راوی اس کا بیٹا عبد اللہ ہے امام نووی ؒ نے خلاصہ میں کہا ہے کہ ابن سیدان کے ضعیف ہونے پر علماء نے اتفاق کیا ہے اور امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اس کی حدیث کی کسی نے متابعت نہیں کی ۔ اور ابن عدی نے کہا کہ یہ مجہول جیسا ہے ۔ نیل الاوطار میں بھی اسیطرح ہے اور ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ لالکائی نے اسکو بالکل مجہول کہا ہے اور کہا کہ یہ حجت پکڑنے کے لائق نہیں ہے ۔ اور ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن سلمہ سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے ہم کو جمعہ کی نماز چاشت کے وقت پڑھائی ۔ اور کہا کہ میں تم پر گرمی کا خوف کرتا ہوں ۔ شعبہ نے عمرو بن مرہ سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن سلمہ ہم کو حدیث سنایا کرتا تھا اور ہم اسکی بعض حدیثیں مان لیتے اور بعض سے کھٹکتے اس لئے کہ وہ بڈھا ہو گیا تھا اور امام بخاری ؒ نے کہا کہ اس کی حدیث کی کسی نے متابعت نہیں کی ۔ اور ابو حاتم اور نسائی نے کہا کہ اس کی بعض حدیثیں مانی جاویں اور بعض نہ مانی جاویں ذہبی کی میزان میں بھی اسیطرح ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ یہ سچا تو ہے مگر اس کے حافظہ میں خلل آ گیا ہے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

واخرج ابن ابی شیبۃ من طریق سعید بن سوید قال صلی بنا معاویۃ الجمعۃ ضحی وسعید بن سوید ذکرہ ابن عدی فی الضعفاء قال البخاری لایتابع فی حدیثہ وانچہ بصیغہ تمریض از جابر وسعید امام احمد بروایت پسر او عبداللہ دریں باب روایت نمودہ پس تعلیق ست وتعلیقات غیر بخاری نزد اہل حدیث قابل احتجاج ولائق استناد نیستند۔ فتاویٰ غزنویہ ص 55

سوال:۔ مسنون جمعہ پڑھ لینے کے بعد پھر ظہر پڑھنا شرعاً کیسا ہے۔

جواب:۔ اسے ظہر احتیاطی کہتے ہیں، اور یہ بدعت سیئہ ہے، جس کا اسلام میں نام ونشان نہیں ہے اسلام قرآن کریم سے شروع ہوا اور قرآن کریم نے صاف کہہ دیا، إِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ نماز جمعہ ختم ہوتے ہی حصول معاش وغیرہ کے لئے بکھر جایا کرو، لیجئے سب معاملہ سے چھٹی مل گئی۔ نماز پڑھوانے والا ہی نہیں پڑھنے دیتا، ہم خواہ مخواہ کیوں پڑھتے پھریں۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد 12 شمارہ 30

سوال:۔ خطبہ جمعہ کے دوران میں سنتیں پڑھنی کیسی ہیں اور کتنی پڑھنی چاہئیں۔

جواب:۔ بہتر یہی ہے کہ آرام سے بیٹھ کر خطبہ وغیرہ سن لے، کیونکہ خطبہ کو دو فرضوں کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ اور سکون سے نماز بھی ادا نہ ہو سکے گی۔ فرض جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ لے، عموماً یہ سنتیں چار ہی پڑھی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دوران خطبہ نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ جس پر علماء کا فرمان ہے کہ وہ بزرگ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے کے عادی تھے اس لئے اجازت ملی۔ واللہ اعلم

اہل حدیث سوہدرہ جلد 15 شمارہ 19

سوال:۔ نماز تہجد سفر یا بیماری یا نیند کی غفلت وغیرہ سے چھوٹ جائے اور وتر کا وقت بھی نہ ہو تو کیا

اور ابن ابی شیبہ نے سعید بن سوید سے روایت کی ہے کہ معاویہ رض نے ہم کو جمعہ کی نماز چاشت کے وقت پڑھائی اور سعید بن سوید (راوی) کو ابن عدی نے ضعیفوں میں بیان کیا ہے اور امام بخاری رح نے کہا کہ اس کی حدیث کی کسی نے متابعت نہیں کی اور وہ جو امام احمدؒ نے اس روایت میں جس کا راوی اس کا بیٹا عبداللہ ہے جابر اور سعیدؓ سے مجہول طور پر روایت کی ہے وہ تعلیق ہے اور امام بخاریؒ کی تعلیقات کے سوا جتنی تعلیقات ہیں وہ اہل حدیث کے نزدیک دلیل پکڑنے کے لائق نہیں ہیں۔

کرے؛ نماز قضا کرنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں۔ وتر نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا تو کیا کرے سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے یا دھرادے۔

جواب:۔ سفر یا بیماری یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے تہجد کی نماز چھوٹ جائے تو بہتر یہ ہے کہ دن میں قضا کیے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا (قرآن کریم) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کی تہجد کی نماز بیماری اور درد و تکلیف یا نیند کی وجہ سے چھوٹ جاتی تو دن میں بارہ رکعت ادا فرماتے (مسلم، ترمذی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا رات کا وظیفہ اور ورد (تہجد کی نماز۔ تلاوت قرآن) نیند کی وجہ سے فوت ہوگیا اور اس نے ظہر کی نماز سے پہلے اس کی قضا کرلی تو گویا رات میں اپنے وقت میں ادا کیا۔ (مسلم)

وتر کی نماز کا وقت نکل جائے تو اس کی قضا ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من نام عن الوتر او نسیہ فلیصل اذا ذکر و اذا استیقظ (ترمذی، ابوداؤد وغیرہ) بلا عذر شرعی فرض نماز کو وقت سے مؤخر کر دینا گناہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ نے تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو باقاعدہ وضو کرکے پورے خضوع اور تعدیل ارکان کے ساتھ ان نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادا کریگا اللہ تعالےٰ اس کو بخش دے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور جو ایسا نہیں کریگا وہ مشیت الٰہی کے ماتحت ہے معاف کردے یا عذاب میں مبتلا کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد، موطا مالک)

واجب کو بھول کر چھوڑ دینے سے صرف سجدہ سہو واجب ہوتا ہے نماز کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور رکن (فرض یا شرط) کے چھوڑ دینے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور نماز لوٹانی پڑتی ہے۔ دعائے قنوت نہ واجب ہے اور نہ رکن اس لئے اس کو بھول کر چھوڑ دینے کی صورت میں نہ سجدہ سہو ضروری ہے اور نہ نماز لوٹانے کی ضرورت ہے۔　　محدث دہلی جلد ۸ شمارہ ۳

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں فجر کی نماز جماعت بہت دیر کرکے شروع ہوتی ہے۔ تقریباً آفتاب طلوع ہونے سے دس منٹ پہلے ہوتی ہے کیا یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے۔

جواب:۔ اتنی دیر کرکے فجر کی جماعت شروع کرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دائمی طریقے کے خلاف ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہمیشہ غلس (تاریکی)

میں فجر کی نماز پڑھتے رہے اور اس قدر دیر کر دینی تو حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔ مولوی انور شاہ کہتے ہیں۔
وحد الاسفار عندنا ان یفرغ عنہا وقد بقی علیہ من الوقت مالو اعاد فیہ صلوتہ لعارض وسعہ قبل الطلوع مع رعایۃ السنن (فیض الباری ص۱۳۲ ج۱)
محدث دھلی جلد ۹ شمارہ ۵

وقت نماز عیدین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ عیدین کی نماز کا وقت کس وقت سے کس وقت تک ہے۔ بعض علماء نیزے کی قید سے صرف ۷ یا ۸ بجے تک جائز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زوال تک عیدین کا وقت ہے کونسا قول ٹھیک ہے؟ اگر ۷ یا ۸ بجے کے پیچھے نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھے یا اپنی الگ جماعت کرائے کہ یہ امام تو دیر سے نماز پڑھاتا ہے۔ بلینوا توجروا۔

جواب:۔ هُوَ الْمُوَفِّقُ لِلسَّدَادِ وَالصَّوَابِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ صورت مرقومہ بالا کا جواب ہے کہ اس ملک راجپوتانہ میں جنوری مہینہ میں آفتاب ساڑھے (۷½) بجے نکلتا ہے اور آخری ماہ میں آج کل سات بجکر بیس منٹ پر نکلتا ہے تو جس گروہ علماء نے سات بجے تک وقت رکھا ہے ان کے نزدیک تو نماز عیدین کی بالکل جاڑوں میں نہیں ہو سکتی۔ یہ ان کی عقل مندی کی نشانی ہے اور ان کے علم کا ناپ تول ہے۔ اور حدیث عمرو بن عبسہ میں ایک نیزہ کا اور دو نیزہ کا بھی ذکر آچکا ہے تو اس صورت میں بھی آٹھ بجے تک وقت ہی دشوار ہے اور گرمی کے موسم میں پانچ بجے آفتاب نکلتا ہے تو تین گھنٹہ تک عیدین کا وقت ان علماء کے نزدیک رہتا ہے۔ یہ دین محمدی نہیں بلکہ انگریزی دین ہے۔ دین محمدی تمام ملکوں میں تمام موسموں میں وقتوں میں ایک ہے۔ حدیث عمرو بن عبسہ کے یہ الفاظ ہیں اِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَاقْصُرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا اطَّلَعَتْ فَلَا تُصَلِّ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطٰنٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ قِيْدَ رُمْحٍ اَوْ رُمْحَيْنِ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ وَّمَحْضُوْرَةٌ آخر حدیث تک۔
یہ حدیث شریف صاف ہے کہ مجرد آفتاب کے نکلنے سے نماز درست نہیں جب تک ایک

یا دو نیزے نہیں نکل چکے اس کے بعد اس کو نماز پڑھنی چاہئے۔ تو اس حدیث کے لحاظ سے آٹھ بجے تک جاڑوں میں وقت نہیں داخل ہوتا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَاَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّیْثِیَّ مَا کَانَ یَقْرَأُ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْاَضْحٰی وَالْفِطْرِ فَقَالَ کَانَ یَقْرَأُ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ رَوَاہُ مَالِکٌ فِی الْمُوَطَّا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کی قرأت دونوں رکعتوں عیدین میں سو آیت تھیں تو اسی حساب سے جب آفتاب جاڑوں میں ساڑھے سات بجے نکلے اور دو نیزے باہر آنے کے بعد نماز شروع کرے اور سو آیت دونوں رکعتوں میں پڑھے اور مطابق سنت کے رکوع سجدہ کرے اور بارہ تکبیریں کہے۔ تو کسی صورت میں آٹھ بجے سے پہلے نماز ختم نہیں کر سکتا۔

معلوم نہیں مولوی صاحبان نے کیا سمجھ کر یہ فتویٰ دیا ہے۔ کیا نماز کو بھی انگریزی بنانے والے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب مقرر کیا ہے بَابٌ اِذَا فَاتَہُ الْعِیْدُ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَکَذٰلِکَ النِّسَاءُ وَمَنْ کَانَ فِی الْبُیُوْتِ وَالْقُرٰی بِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا عِیْدُنَا یَا اَھْلَ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ مَوْلَاہُ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَ یَوْمَ الْعِیْدِ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَرِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحِ (مجمع الزوائد)

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ اصلی مقصد خطبہ سے نصیحت کا کرنا ہے مجرد رسم ادا کرنا نہیں تو جس جگہ سے خطیب کی آواز تمام لوگوں تک پہنچے وہاں پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے۔ اگر ایسی جگہ خطبہ پڑھا ہے کہ تمام کو آواز نہیں پہنچی تو جن کو آواز نہیں پہنچی تو ان کو وہاں پر جا کر پھر خطبہ سنا وے۔ کوئی روایت ہم کو آج تک نظر نہیں آئی۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ جس جگہ امام نے نماز پڑھی ہے اس جگہ پر خطبہ پڑھے جب کہ شریعت سے جگہ مقرر نہیں تو اپنے قیاس سے کیوں قیاس کی بنیاد ڈال کر شریعت میں نیا رستہ قائم کرے۔ شریعت پوری ہو چکی ہے اسی قدر بہت ہے زیادہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط راقم عبدالحکیم نصیر آبادی

فتاویٰ ستاریہ جلد اول صنہ ۲

سوال : اذان دیتے وقت دونوں انگلیاں کانوں میں دینا چاہیئے، یا ایک کان میں انگلی دے لی اور دوسرا کھلا چھوڑ دیا۔

الجواب : دونوں کانوں میں انگلیاں دینا چاہیئے، ایک کان کھلا چھوڑنے والا اپنی کسی مقامی رسم کی پابندی کرتا ہوگا۔ جس کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے۔ قوانین فطرت جلد ۷ شمارہ ۵

سوال : کیا مؤذن کے سوا کوئی دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ (عبدالحفیظ لاہور)

الجواب : اگرچہ تکبیر کہنے کا حق مؤذن ہی کو حاصل ہے۔ یا جسے وہ اجازت دے یا جسے امام حکم دے، تاہم اگر کوئی بلا اجازت کہہ دے، تو جائز ہے۔ عون المعبود میں ہے: واتفق اھل العلم فی الرجل یؤذن ویقیم غیرہ ان ذلک جائز۔ واختلفوا فی الاولویۃ فقال اکثرھم لا فرق (جلد ۱ صہ ۲۰۱)

الحدیث سوہدرہ جلد ۸ ش ۲۸

سوال : کیا ننگے سر اذان ہو جاتی ہے؟ یا نہیں؟ (فضل کریم)

الجواب : ہو جاتی ہے۔ الحدیث سوہدرہ جلد ۶ ش ۳۶

سوال : اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور مؤذن اذان کہہ دے تو کیا نمازی بحالتِ نماز حضور کا نام مبارک محمد الرسول اللہ سن کر صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتا ہے؟ عبدالحلیم کوئٹہ

الجواب : بحالتِ نماز کہنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، جو چیز مشروع نہ ہو اس سے اجتناب اولیٰ ہے۔ الحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۲۲

سوال: اذان ہو رہی ہے یا خطیب خطبہ کر رہا ہو تو اس حالت میں السلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: خطبہ میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی ہرج نہیں، کیوں کہ اس کے جواب سے خطبہ کا سماع فوت نہیں ہوتا۔ پھر اشارہ بھی جواب ہو سکتا ہے۔ حالتِ وضو میں بات چیت کا بھی یہی حکم ہے۔ کیوں کہ کسی حدیث میں ممانعت نہیں آئی، ہاں فضول باتوں سے ضرور پرہیز چاہیئے۔

رہا اذان کے وقت السلام علیکم تو اس کے جواب میں بھی کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ اذان کے جواب کا ذکر آیا ہے۔ اذان کے سماع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ مؤذن کلمات کھینچ کر کہتا ہے۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۶ شمارہ ۱۷

سوال: آذان ہو رہی ہے۔ اور کوئی شخص آئے اور سلام کرے، تو کیا سلام کر سکتا ہے؟

الجواب: آذان ہوتے ہوئے سلام کہنا کسی حدیث سے منع نہیں ہے۔

(حضرت مولانا) ثناء اللہ

فتاوی ثنائیہ جلد اول

ص ۳۲۳

سوال: میت کے دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے اکثر برادران احناف کا یہ معمول ہے۔ کہ مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد اذان دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ چنانچہ موجدانِ جدید نے بھی اپنے رسالہ میں بابت جواز اذان بعد دفن میت کے حوالہ امام شافعی کا دیا ہے۔ بینوا توجروا (سائلان، میاں جیون جی و عبدالقادر ساکنان ڈیڈوانہ

ریاست جودھپور

الجواب: کسی میت کے دفن کے بعد اذان کہنا جیسے کہ طریق اہل بدعت فی زمانا مروج ہے، ہرگز جائز و ثابت نہیں، مدار ثبوت ہر شئے کا امتِ محمدیہ میں دلیل شرعی پر ہوتا ہے اور وہی حجت عند الامت ہے۔ لہذا ہر امر کے اثبات کے لئے دلیل شرعی ہونی چاہیئے اور وہ یہاں کلیتہً مفقود ہے۔ پس بعد انزالِ میت در قبر اذان کہنا صریح بدعت و گمراہی ہے۔ لقولہ علیہ السلام من احدث فی امرنا

ھذا ما لیس منہ فھو رد جو کام بغرضِ استحسان واحتساب کیا جائے، اور شریعت محمدیہ میں (قرآن وحدیث) اس کا ثبوت نہ ہو، وہ مردود و ناقابلِ قبول ہے (بخاری ومسلم)

جن برادران احناف کا یہ معمول ہے اُن کا بھی کوئی مذہب ودین ہے۔ کبھی حنفی بنتے ہیں کبھی شافعی بن جاتے ہیں۔ حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس اذان بدعیہ کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور پھر امام شافعی رح کوئی نبی نہیں، جو ان کا ہر قول وفعل قابلِ حجت ہو۔ نبی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہاں امام شافعی وغیرہ ائمہ سے جو مسائل موافق کتاب وسنت کے ثابت ہیں، مثلاً آمین بالجہر و رفعیدین، قرأت فاتحہ خلف الامام وغیرہ ان کو تو یہ برادرانِ احناف مانتے نہیں اور جو امور بدعیہ مثلاً اذان علی المیت (تیجہ، دسواں، چالیسواں) وغیرہ اُن سے ثابت نہیں وہ لپک کر کرتے ہیں۔ فیا للہ العجب وضیعۃ العلم والادب

نیز یہ موجدانِ جدید کیا بلا ہے۔ آیا اس سے مراد کوئی فرقہ ہے اور اس کا رسالہ کونسا ہے۔ کیا نام ہے ہمیں معلوم نہیں۔ بظاہران الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت نے اپنا یہ نام رکھا ہے۔ جس کے معنی ہوئے احداث فی الدین کے مرتکب، دینِ الٰہی میں نئے کام ایجاد کرنے والے، نئی نئی بدعتیں قائم کرنے والے، سو ایسے فرقے اور ایسے رسالوں سے خدا مسلمانوں کو پناہ دے، آمین۔ ہمارا دین تو محفوظ و مکمل ہے ہمیں کیا ضرورت کہ نئے نئے کام ایجاد کر کے بدعتی بنیں۔

الغرض موجدانِ جدید کا اپنے رسالہ میں بابت جواز اذان بعد دفن میت کے امام شافعی رح کا حوالہ دینا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر صریح بہتان وافتراء ہے، ہاں بعض جہلا شافعیہ کا یہ قول ہے۔ جس کو علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح شافعی نے شرح عباب میں بتصریح تمام رد کر دیا ہے۔ چنانچہ تفہیم المسائل مطبع مطیع الرحمٰن کے صلا میں مرقوم ہے۔ " واذانِ قبر بعض شافعیہ مسنون گفتہ بودند ابن حجر رح در شرح عباب بردا قوال ایشاں پرداختہ وخیر رملی درحاشیہ بحرمی گویدرایت فی کتب الشافعیۃ انہ قد سن الاذان لغیر الصلوٰۃ کاذان المولود والمھموم والمفزوع الی قولہ قیل وعند انزال المیت القبر قیاساً علی اول خروجہ من الدنیا لکن ردہ ابن حجر رح فی شرح العباب۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مسلک ومذہب امام شافعی رح کا نہیں ہے اور بعض شوافع مقلدین جو بوجہ لاعلمی کے اس طرف گئے ہیں۔ اُن کے اقوالِ رکیکہ حافظ ابن حجر رح نے صاف رد کر دیا ہے۔ تو یہ مسئلہ مذہب شافعی میں بھی مردود و باطل ٹھہرا۔ جن برادرانِ احناف نے اس بارے میں قلادہ حنفیت گردن سے نکال کر قلادہ

شافعیت و موجدان جدید کا پہنا تھا وہ بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوا، کسی نے خوب کہا ہے۔

ے نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ؎ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ایسے لوگ حنفی رہے نہ شافعی، کیوں کہ کتبِ حنفیہ میں اس کی تردید بالوضاحت و بالصراحت موجود ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی رد المحتار میں لکھا ہے انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة وقال من ظن انه سنة قیاسا علی ندبه المولود الحاقا بخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب الا یعنی میت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت اذان مروج کہنا قطعاً ثابت نہیں، علامہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کے بدعت ہونے پر تصریح کی ہے اور فرمایا کہ جو شخص بچہ کی پیدائش پر قیاس کر کے اس کی سنیت کا گمان کرے وہ صائب نہیں۔ اس کا گمان غلط و نادرست ہے (ملاحظہ ہو صواحق الٰہیہ مطبع احمدی صفحہ ۲۴)

بعض کتب میں ہے من البدع التی شاعت فی بلاد الهند الاذان علی القبر بعد الدفن یعنی ہندوستان میں جتنی بدعتیں مروج ہیں، ان میں سے بعد دفن میت کے قبر پر اذان کہنا بھی ہے (تفہیم المسائل صفحہ ۱۶[ھ]) عمود بلخی توشیح شرح تنقیح میں فرماتے ہیں۔ الاذان علی القبور لیس بشیء یعنی قبر پر اذان کہنا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

الحاصل اس کے بدعت ہونے پر کسی مسلمان کو شک و شبہ نہیں۔

اذان علی القبر نہ شرعی معنی کی رو سے مفید و مطلوب ہے۔ نہ لغوی معنی کی رو سے، کیوں کہ اذان کا معنی شرع میں اعلان کرنا واسطے آنے نماز کے وقت پر ساتھ الفاظ مخصوص کے ہے۔ اور یہ معنی اذان علی القبر پر مفقود ہے۔ کما لا یخفی۔ اور معنی اذان کا لغت میں دانا نیدن اور خبر کردن کا ہے اور یہ معنی بھی یہاں موافق و راست نہیں آتا۔ کما لا یخفی علی الوجدان السلیم والرای المستقیم۔ فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۴۹

سوال: فجر سے پہلے اذان درست ہے یا نہیں۔ کیا غیر رمضان میں بھی سحری کے وقت اذان ہو سکتی ہے؟ اگر غیر رمضان میں سحری کے وقت اذان ناجائز ہے۔ تو اس حدیث کا مطلب کیا ہوگا؟

عن ابن مسعودؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یمنعن احدکم اذان بلال من سحره فانه یؤذن او قال ینادی بلیل لیرجع قائمکم ویوقظ نائمکم رواه الجماعة الا الترمذی۔

ھ شاہ محمد اسحاقؒ کی تصنیف ہے۔ جو شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی کے نواسے اور سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شیخ تھے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلال رضؓ کی اذان تم سے کسی کو سحری کھانے سے نہ روکے، کیوں کہ وہ رات میں اذان دیتا ہے، تاکہ تمہارے قیام کرنے والے کو لوٹائے اور سونے والے کو جگائے، اور امام ترمذی نے جو باب باندھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے۔؟ باب ماجاء فی الاذان باللیل" بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ محمد سعید ازدھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوہاب

بلوغ المرام میں حدیث ہے، کہ عن ابن عمر و عائشۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم وکان رجلا اعمیٰ لا ینادی حتی یقال لہٗ اصبحت اصبحت متفق علیہ وفی آخرہ ادرج۔

ابن عمرؓ اور عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلال رات کو اذان دیتا ہے، پس سحری کھاؤ پیو! یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان دے، اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھا۔ اذان نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا، صبح ہو گئی، صبح ہو گئی۔ اور اخیر کا کلام (وکان رجلا اعمیٰ) اخیر تک راوی کا قول ہے۔

اس حدیث پر سبل السلام نے لکھا ہے۔

وفی شرعیۃ الاذان قبل الفجر لا لما شرع الاذان فان الاذان کما سلف للاعلام بدخول الوقت ولدعاء السامعین لحضور الصلوٰۃ وھذہ الاذان الذی قبل الفجر قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شرعیۃ بقولہ لیوقظ نائمکم ویرجع قائمکم رواہ الجماعۃ الا الترمذی والقائم ھو الذی یصلی صلوٰۃ اللیل ورجوعہ عودہ الی نومہ او قعودہ عن صلوٰتہ اذا سمع الاذان فلیس للاعلام بدخول وقت ولا لحضور الصلوٰۃ۔ ________ فذکر الاختلاف فی المسئلۃ والاستدلال للمانع وللمجیز لا یلتفت الیہ من ھمہ العمل بما ثبت (سبل السلام ص۱۲۰ ج۱)

اس میں فجر سے پہلے اذان دینے کا ثبوت ہے۔ مگر یہ اذان اس خاطر نہیں، جو اذان کی اصل غرض ہے۔ کیوں کہ اصل غرض اذان کی وقت نماز کا اعلان اور سامعین کو حضور نماز کی دعوت ہے، اور اور ایک اذان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سوئے ہوئے کو جگانے کی خاطر اور

اور قائم کو لوٹانے کی خاطر ہے۔ اس کو ترمذی کے سوا باقی جماعت نے روایت کیا ہے اور قائم سے مراد جو رات کو نماز پڑھتا ہے اور اس کے لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سوجائے یا نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے جب کہ اذان سُنے۔ پس یہ اذان نہ وقتِ نماز کی اطلاع کے لئے ہے نہ حضورِ نماز کی خاطر ہے۔ پس اس مسئلہ میں جواز عدم جواز کے جھگڑے میں اور مانع اور مجوز کے استدلال کی بحث میں وہ شخص نہیں پڑ سکتا، جس کا مقصد ثابت شدہ شئے پر عمل ہے۔

اس بیان سے ایک تو سحری کی اذان ثابت ہوئی۔ دوم یہ معلوم ہوا کہ اس اذان کی غرض وہ نہیں جو عام اذان کی ہے، بلکہ جیسا حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔ یہ اذان اس خاطر ہے کہ رات کو نماز پڑھنے والا ذرا آرام لے کر نماز فجر کے لئے تیار ہو جائے۔ اور سویا ہوا اٹھ کر نماز کی تیاری کر سکے، کیوں کہ اکثر انسان رات کی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو پہلے نیند کی سستی میں اٹھتے اٹھتے کچھ وقت صرف ہوتا ہے، پھر اس کی کئی طرح کی حاجتیں ہوتی ہیں، مثلاً پاخانہ، پیشاب یا غسل وغیرہ اور صبح کے وضو کے لئے بھی کچھ وقت زیادہ چاہیئے، بوجہ لمبی نیند، منہ، ناک وغیرہ میں جو فضلات جمع ہو جاتے ہیں، مسواک وغیرہ سے ان کی صفائی، ان کاموں کے لئے کافی وقت چاہیئے، اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے، سحری کے وقت کی اذان اسی غرض کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف رمضان کے لئے مخصوص نہیں بلکہ بارہ ماہ کے لئے ہے۔ اور رمضان کی بجائے دوسرے مہینوں میں زیادہ مناسبت رکھتی ہے، کیوں کہ رمضان میں لوگ کھانے پکانے کے لئے پہلے ہی بیدار ہوتے ہیں، بخلاف غیر رمضان کے، ہاں رمضان شریف میں اس کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے۔ کہ اس کے ذریعے لوگوں کو سحری کے وقت اطلاع ہو، اور معلوم ہو جائے کہ صبح قریب ہے، کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تمہیں بلال کی اذان، کھانے پینے سے نہ روکے، اس سے یہ مقصد نہیں کہ، یہ اذان رمضان ہی کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ لوگ پہلی اذان سُن کر کھانے پینے سے رُک نہ جائیں۔ اس لئے آپ نے اس اشتباہ کو دور فرمایا۔ اسی بنا پر حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں: وادعی ابن القطان ان ذالک کان فی رمضان خاصة وفیه نظر (فتح الباری جز ۳ صہ ۳۴۶) "ابن قطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اذان رمضان شریف سے مخصوص ہے۔ لیکن ان کے پاس دعویٰ میں کلام ہے۔"

نیل الاوطار میں ہے۔

وقد اختلف فی اذان بلال بلیل ھل کان فی رمضان فقط ام فی جمیع الاوقات فادعیٰ ابن القطان الاول. قال الحافظ فیہ نظر (نیل الاوطار جلد ۲) بلال کی اذان جو رات کو ہوتی تھی اس میں اختلاف ہے۔ کہ رمضان شریف کے لئے خاص تھی یا تمام اوقات میں ہو سکتی ہے؟ ابن قطان اوّل کا دعویٰ کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ابن قطان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں اذانوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ اگر پہلی اذان بہت پہلے ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر اشتباہ کا خطرہ نہ ہوتا کہ یہ فجر کی اذان ہے اور نہ آپ کو اس اعلان کی ضرورت پیش آتی، کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے، کیوں کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ خود ہی سمجھ جاتے کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔

اس کے علاوہ بعض روایات میں تصریح آگئی ہے کہ سحری اور نماز فجر کی اذان میں فاصلہ تھوڑا ہوتا تھا، فتح الباری میں بحوالہ نسائی اور طحاوی حضرت عائشہ صدیقہ رض سے روایت ہے:

ولم یکن بینھما الا ان ینزل ھذا ویصعد ھذا (فتح الباری جزء ۳ صـ ۳۴۷) یعنی دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا کہ ایک اترتا اور دوسرا چڑھتا تھا۔

یہ روایت بخاری شریف کتاب الصیام میں بھی ہے، مگر وہاں حضرت عائشہ رضی کے شاگرد قاسم کی طرف اس کی نسبت کی ہے، لیکن نسائی اور طحاوی کی روایت سے معلوم ہو گیا، کہ قاسم نے اپنی طرف سے نہیں کہا۔ بلکہ حضرت عائشہ رض سے سن کر کہا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، فمعنیٰ قولہ فی روایۃ البخاری قال القاسم ای فی روایتہ عن عائشۃ (فتح الباری جز ثالث صـ ۳۴۷)

"قال القاسم کا معنیٰ بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رض سے روایت کرتے ہوئے کہا نہ کہ اپنی طرف سے۔"

یاد رہے کہ حدیث کے یہ الفاظ کہ ایک اترتا اور دوسرا چڑھتا، یہ ظاہر پر محمول نہیں، بلکہ یہ مبالغہ ہے۔ کیوں کہ اگر الفاظ کا ظاہری معنیٰ مراد ہو، تو پھر پہلی اذان کا فائدہ ہی کوئی نہیں، حالانکہ پہلے بحوالہ حدیث بیان ہو چکا ہے: کہ اس اذان کی غرض تہجد پڑھنے والے کو لوٹانا اور سوئے ہوئے کو جگانا ہے تاکہ وہ نماز

فجر کے لئے پوری تیاری کرے۔

اور رمضان شریف میں اس کی غرض یہ بھی ہے کہ کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔ لہٰذا ہر دو اذانوں میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ جس میں ان ضروریات سے فارغ ہو سکے۔ اس کا اندازہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ فاصلہ تھوڑا تھا۔ تو جو لوگ اس کو تہجد کی اذان سمجھتے اور تہائی رات باقی رہتے کے وقت یا اس سے بھی پہلے دیتے ہیں، وہ غلطی کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تہجد پڑھنے والے کو فارغ کرنے کے لئے ہے "تاکہ وہ کچھ آرام لے کر نماز فجر کے لئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ حدیث کا لفظ لیرجع قائمکم اسی طرف اشارہ ہے۔

فاصلہ تھوڑا ہونے کی وجہ سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے لئے الگ اذان نہ دی جائے، اسی پر اکتفا کیا جائے تو درست ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی آئی ہے۔

فتح الباری میں ہے: حدیث زیاد بن الحارث عند ابی داؤد یدل علی الاکتفاء فانہ فیہ انہ اذن قبل الفجر بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ استأذنہ فی الاقامۃ فمنعہ الی ان طلع الفجر فامرہ فاقام (فتح الباری ج ۳ ص ۳۳۶) زیاد بن حارث کی حدیث اذان قبل الفجر کے لئے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زیاد ابن الحارث نے اذان دی اور اس نے اقامت کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو روک دیا، یہاں تک کہ پو پھٹی، پھر آپ نے اس کو اقامت کا امر فرمایا، تو اس نے اقامت کہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان پو پھٹنے سے پہلے دی اور اسی پر کفایت کی دوبارہ اذان نہیں دلائی، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ فی اسنادہ ضعف وایضاً فہی واقعۃ عین وکانت فی سفر (فتح الباری جز ۳ ص ۳۴۶) اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، نیز یہ خاص واقعہ ہے جو سفر میں پیش آیا۔"

اور اصول کا قاعدہ ہے۔ کہ خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں، کیونکہ خاص واقعہ میں کئی احتمال ہوتے ہیں جو مانع استدلال ہیں۔

مالکیہ شافعیہ کیطرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ اگر واقعہ خاص ہے مگر اس میں کوئی

ایسا احتمال نہیں جو مانع استدلال ہو۔

رہا ضعف سند، تو یہ مسلّم ہے، مگر عمل اہل مدینہ وغیرہ اس کے موافق ہے۔ اور عمل سلف اہل مدینہ امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک مستقل حجت ہے، تقویت تو مستقل حجت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہو جاتی ہے، مگر ایسے بڑے ائمہ کے نزدیک مستقل حجت ہونے سے مزید تقویت ہو گئی، پس ضعف سند سے جو اس حدیث میں کمی آگئی تھی وہ اس عمل سے رفع ہو گئی۔ ہاں اس پر دو ڈبل اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔

(اوّل)، یہ کہ اگر پہلی اذان کافی ہو سکتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو اذانیں کیوں دلاتے، ایک اذان بلال رضؓ دیتے اور دوسری اذان ابن ام مکتوم رضؓ۔

(دوسرا اعتراض)، یہ کہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے، حضرت بلال رضؓ نے فجر کی اذان ایک مرتبہ غلطی سے پہلے دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضؓ کو حکم دیا کہ اعلان کر دے۔ الا ان العبد نام خبردار! بندہ سو گیا۔ یعنی مجھے نیند آگئی صبح کا پتہ نہیں چلا، بندہ سونے لگا ہے۔ اس اذان کو معتبر نہ سمجھا جائے۔ اگر قبل الفجر اذان معتبر ہوتی تو پھر اس اعلان کی کیا ضرورت تھی؟ یہ مالکیہ اور شوافع کے اختلافات ہیں۔

احتیاط اختلاف سے نکل جانے میں ہے وہ یہ کہ: اگر پہلی اذان دی جائے، تو اس پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ جیسے جمعہ کی دوسری اذان دی جاتی ہے خواہ پہلی ہو یا نہ۔ اسی طرح یہاں بھی دوسری اذان ضرور ہونی چاہیئے۔ گویا پہلی اذان سنّت ہے اور دوسری ضروری۔

اور دونوں کا فاصلہ کا اندازہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا ہے اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی اذان الفاظ کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ویسے اعلان تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذان کا حقیقی معنیٰ شرعًا انہی الفاظ کے ساتھ اعلان ہے۔ پس یہی مراد ہوگا۔

ط۱ اس حدیث کے متعلق اگرچہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ اس طرح غلط ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضؓ کے زمانے کا ہے۔ ان کے مؤذن سے ایسی غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے متعلق حضرت عمر رضؓ نے اعلان مذکورہ کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت عمر رضؓ کے زمانہ کا واقعہ ہی سمجھ لیا جائے تو پھر عمل اہل مدینہ وغیرہ حدیث زید بن حارث کے موافق نہ رہا۔ کیوں کہ حضرت عمر رضؓ اہل مدینہ ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رضؓ نے فتح الباری جز ۳ صفحہ ۳۳ میں اس کو کئی سندوں سے ذکر کیا ہے۔ جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع کی بھی کچھ اصل ہے بہر صورت یہ اعتراض

دوم ، اگر اذان کے الفاظ نہ ہوتے تو بلال رضی کی اذان سے اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا، حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اشتباہ کا خطرہ ہوا " اسی بنا پر آپ نے فرمایا : بلال رضی رات کو اذان دیتا ہے۔ پس کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم رضی اذان دے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۳ ص ۳۴۶ پس پہلی اذان سنت ہے اگر دی جائے تو مسنون الفاظ سے دی جائے اپنی طرف سے کوئی بدعت قائم نہ کی جائے ۔ ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان اٹھانا ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۲۸

سوال : رمضان المبارک میں جو سحری کی اذان کہی جاتی ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر اذان کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر کے لوگوں کو بیدار کیا جائے تو کیا یہ جائز ہوگا ؛ قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر فرمادیں۔

الجواب : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے، حضرت بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ سحری کے لیے یا فجر کے لئے ؛ صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لئے تھی ، کیوں کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اذان سال بھر چلتی تھی ، لہٰذا سحری خاص کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں ہے ۔ لوگوں کو سپیکر کے ذریعہ بیدار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ امر بالمعروف کے ضمن میں آجاتا ہے ۔ (اہلحدیث لاہور جلد ۱ شمارہ ۴۷)

تشریح : سائل کا سوال تھا کیا سحری کی آذان کا ثبوت ہے یا نہیں ؟ قرآن و سنت کی روشنی میں بیان فرمادیں سائل کو دلائل سے مطمئن کرنے کی بجائے مفتی صاحب نے خود خلل میں ڈال دیا ۔

سائل سے مودبانہ گذارش ہے کہ اگر آپ با دلائل اس مسئلہ کو دیکھنا چاہیں تو حضرت العلام حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کا فتویٰ جو پہلے گذر چکا ہے ۔ مطالعہ فرمائیں ۔

فقط

علی محمد سعیدی

مہتمم جامعہ سعیدیہ ۔ سعیدیہ کالونی خانیوال

مسئلہ تثویب

سوال : اذان اور اقامت کے درمیان ان الفاظ میں تثویب (اعلام بعد اعلام) ہر نماز کے لئے پکارنا " الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ، الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ، الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ جائز ہے یا ناجائز ؟ لغت اور اصطلاح شرعیہ میں تثویب کے کیا معنی ہیں ؟

(از نمازیان مسجد جانی بریلی)

الجواب : ناجائز ہے بدعت ، کیوں کہ زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا ، تثویب لغت میں اعلان کرنا ہے ۔ اور اصطلاح شرع میں اذان نماز مکرر پکارنا ہے ۔ یہ رسوم زمانہ صحابہ میں خال خال ہو گئی تھی اس لئے صحابہ کبار نے اس کو بدعت قرار دیا ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں بعد اذان تثویب کی آواز سُنی تو کہا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو ، ایسا ہی ابن عمر رضی اللہ عنہم نے تثویب کی آواز سُنی تو کہا کہ چلو اٹھو ہم اس بدعتی کے پاس سے نکل چلیں ۔

(حاشیہ سنبھلی بر ہدایہ ص۵ نمبر ۱۳)

ایک تثویب صبح کے وقت ہے ۔ یعنی " الصلوٰۃ خیر من النوم " یہ جزو اذان ہے الگ نہیں اور اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ کیوں بلال رضی اللہ عنہ باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ایسا ہی کہتے تھے (ہدایہ حاشیہ سنبھلی نمبر ۱۱) اس کے سوا باقی ہر قسم کی تثویب بدعت ہے ۔ اس میں اہل تسنن کے کسی فرقہ کا اختلاف نہیں ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صـ ۳۰۱)

سوال : ولد الزنا بچہ پیدا ہوا ، اس کے کان میں اذان کہنا نیز اگر وہ مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا قانون شریعت میں جائز ہے یا نہیں ؟ (حافظ محمد خالد چک نمبر ۴۰/۱۴ ایل معرفت قمر الدین)

الجواب بعون الوھاب ۔ قصور زانی اور زانیہ کا ہے ۔ بچہ بے گناہ ہے اس لیئے اس کے کان میں اذان اور تکبیر کہی جائے گی ۔ مر جائے تو جنازہ پڑھا جائے گا ۔ قبور اہل اسلام میں دفن

بھی کیا جائے گا۔ حافظ عبدالقادر روپڑی تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۱ ش ۱۹

سوال: جب کسی کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہو تو کیا اُن کے کان میں اذان یکساں ہی دی جائیگی، یا لڑکے کی الگ اور لڑکی کی اذان الگ ہوگی، ایک صاحب کہتے ہیں الگ الگ ہوتی ہے۔

الجواب۔ دونوں کی اذان میں کوئی فرق نہیں، دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہنی چاہیئے یہی مسنون ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ ش ۳۷)

سوال: مدرسین مبلغین ائمہ مساجد و مؤذنین کو اپنے عہدوں پر تنخواہ لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو قرآن واحادیث صحیحہ سے تصریح دکھائی جاوے۔

الجواب: مدرسین ومبلغین وائمہ مساجد و مؤذنین کو مفت بلامعاوضہ یہ کام کرنے چاہئیں، لیکن اگر ان کو کوئی شخص یا اشخاص پابند کریں کہ تم فلاں وقت سے فلاں وقت تک یہ کام بطورِ ملازمت کرنا ہوگا۔ کچھ بھی ہو تم کو ہماری اجازت بغیر ناغہ نہ کرنا ہوگا اور بلا ہماری اجازت اور کوئی کام بھی ان اوقات میں نہ کرنا ہوگا۔ خصوصاً تم کو مسجد کی حفاظت جھاڑو بھارو پانی بھرنا یا گرم کرنا لازم ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر اس صورت میں یہ لوگ صرف مؤذن و مدرس وغیرہ نہ رہے بلکہ ان لوگوں کے نوکر ہوگئے اس صورت میں وہ برابر تنخواہ کے مستحق ہیں۔ جیسے اور قسم کے نوکر و ملازم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تعلیم مفت لازم مگر یہ کہاں ہے۔ کہ فلاں شخص کے مکان یا مدرسہ میں اتنے وقت تک روزانہ جاکر درس دینا لازم ہے۔ ایسے ہی اور امور بھی، اور جب حضرت صدیق اکبرؓ وحضرت عمرؓ نے بہ پابندی خلافت بیت المال سے وظیفہ لیا جس میں دینی تعلیم بھی تھی تو مدرسین وغیرہ کو کیوں ناجائز ہو؟ حابس پر محبوس کا نان نفقہ لازم ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے تو بعض اعمال کو لکھا تھا اعط الناس علی تعلیم القرآن۔

(ازالۃ الخلفاء بروایۃ بیہقی جلد دوم صفحہ ۱۱۸)

پس مدرسین کو مشاہرہ لینا ثابت ہوا۔ واللہ اعلم الراقم ابوسعید شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ وصدر مؤتمر اہلحدیث ہند دہلی۔ الجواب صحیح محمد یونس غفرلہ مفتی مؤتمر اہل حدیث ہند وصدر مدرس مدرسہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی۔ اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۸

عذر کیا ہے؟ فرمایا خوف اور مطر. عون المعبود جلد اوّل صہ ۲۱۶ میں تحت حدیث ہذا مرقوم ہے۔ وفی ھذا دلیل علی ان حضور الجماعۃ واجب ولو کان ذلک ندبا لکان اولی من یسعہ التخلف عنھا اھل الضرر والضعف ومن کان فی مثل حال ابن ام مکتوم وکان عطاء ابن ابی رباح یقول لیس لاحد من خلق اللہ فی الحضر والقریۃ رخصۃ اذا سمع النداء فی ان یدع الصلوٰۃ جماعۃ وقال الاوزاعی لاطاعۃ للوالد فی ترک الجماعۃ والجماعات یسمع او لم یسمع وکان ابو ثور یوجب حضور الجماعۃ واحتج بہ ھو وغیرہ بان اللہ عز وجل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی جماعۃ فی صلوٰۃ الخوف ولم یعذر فی ترکھا فعقل انھا فی حال الامن اوجب۔ یعنی حدیث ہذا دلیل ہے اس امر پر کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اگر یہ مندوب و مستحب ہوتا تو عبداللہ بن ام مکتوم جیسوں معذور و مجبور اشخاص کے لیے جماعت سے پیچھے رہنے کی شرعاً گنجائش ہوتی۔ حضرت عطاء بن ابو رباح (جو بڑے جلیل القدر تابعی و فقیہ ہیں) فرمایا کرتے تھے، کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی شخص کے لیے اذان سنکر نماز باجماعت کے ترک کی رخصت نہیں۔ امام اوزاعی تو یہاں تک فرماتے تھے کہ انسان کو چاہیئے جمعہ جماعت کے ترک کرنے میں اپنے سگِ باپ کی بھی نہ مانے۔ اسی واسطے حضرت ابو ثور جماعت میں حاضر ہونے کو واجب کہتے تھے۔ اور دلیل پکڑی ہے ان لوگوں نے اس بات سے کہ عزوجل نے جب اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان جنگ میں صلوٰۃ خوف کے باجماعت ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو حالت امن میں بدرجۂ اولیٰ نماز باجماعت واجب ہوئی۔

الغرض احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم و اقوال سلف سے نماز باجماعت کی تاکید اکید اور تخلف عن الجماعت کی وعید شدید بالتصریح ثابت ہے۔ مسلمانوں کو اسکا اہتمام چاہیئے۔ بعض روایات میں ترکِ جماعت پر لَضَلَلْتُمْ اور لَکَفَرْتُمْ کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ رَاَیْتُنَا وَمَا یَتَخَلَّفُ عَنْھَا اِلَّا مُنَافِقٌ بَیِّنُ النِّفَاقِ اَلْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤٗدَ یعنی بغیر عذر شرعی کے ہم متخلف عن الجماعت کو کھلم کھلا منافق سمجھتے تھے۔ اعاذ نا اللہ واخلافنا من النفاق امین۔

فتاویٰ ستاریہ جلد دوم صہ ۱۶-۱۷

سوال: جو کہ بوقت عید کے خطبہ شروع ہونے سے پیشتر اذان کہی جاتی ہے۔ اس کا از روئے شریعت کیا حال ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ بوقت عید کے جب خطبہ شروع ہو یا نماز اس سے پیشتر اذان یا اقامت کا کہنا بالکل ناجائز و نادرست بلکہ بدعت ہے۔ کیوں کا اس ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ثبوت واضح طور پر پایا جاتا ہے چنانچہ اس بات کی حدیث ابن عباس خود شاہد ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الْعِیْدَ بِلَا اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَۃٍ (اَخْرَجَہٗ اَبُوْدَاؤدَ وَ اَصْلُہٗ فِی الْبُخَارِیِّ) یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق نماز پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھائی (یہ حدیث ابوداؤد میں ہے) اور اصل اس کی صحیح بخاری میں ہے۔ فتاوی ستاریہ جلد اول ص ۱۳۸

سوال: اگر مؤذن امام ہو تو وہ خود تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ بمع ثبوت تحریر فرمائیں۔

الجواب ھوالموفق بالصواب۔ بوقت ضرورت جب اذان کہہ سکتا ہے تو ضرورت کی بنا پر تکبیر بھی کہہ سکتا ہے ممانعت پر کوئی دلیل نہیں حدیث شریف میں ترکتمونی ما ترکتکم واللہ اعلم۔

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال۔

سوال: ایک شخص اپنے شوق سے مسجد میں اذان اور تکبیر کہتا ہے، اس مسجد میں امام و مؤذن دونوں موجود ہیں۔ لیکن وہ شخص اُن سے اجازت لے لیتا ہے اور مؤذن اس کو اجازت بھی دے دیتا ہے۔ اگر شخص مذکور اذان سے رہ جاتا ہے۔ تو اجازت لے کر تکبیر پڑھ دیتا ہے۔ لیکن مسجد کا متولی جو ہے وہ اس بات کو جبراً منع کرتا ہے۔ کہ سوائے مؤذن کے نہ کوئی اذان کہے نہ تکبیر کہے از روئے شرع متولی ٹھیک کرتا ہے یا غلط؟

الجواب۔ متولی مسجد کا منتظم ہے۔ اس کا حکم ماننا چاہیئے۔ ہاں اگر مؤذن اول کی اجازت کے ساتھ مؤذن ثانی کے اذان دینے میں کوئی نقصان یا بدانتظامی پیدا نہ ہو تو متولی کو بھی سختی نہ کرنی چاہیئے آواز کا کمزور یا کریہ ہونا بھی ایک باعث ہے۔ کہ ثانی کو روکا جائے۔ لحدیث (اندا لی صوتاً)

(فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۲۷۹)

سوال: کیا عورت اذان پڑھ سکتی ہے یا نہیں اور کیا عورت مرد کی طرح سجدہ کرے یا اس کی اور صورت ہے؟

الجواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ المرأۃ کلھا عورۃ۔ عورت تمام کی تمام پردہ میں رہنی چاہیئے۔

اس لیے اس کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیئے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صفحہ ۳۲۹

سوال: نماز کی تکبیر کیسے کہنی چاہیئے، اکہرے لفظوں کا زیادہ ثواب ہے۔ یا دوہرے لفظوں کا۔ جس تکبیر کی نبی علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرمائیں۔ مسئلہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ کیوں نظام آباد میں تکبیر کے متعلق بہت جھگڑا رہتا ہے۔ بعض اہلحدیث بھی دوہرے لفظوں کی تکبیر کا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔

الجواب: "تکبیر کے ہر ایک کلمہ کو ایک ایک مرتبہ کہنا سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے افضل ہے۔ زید بن عبدالبر کے تلقین شدہ الفاظ ایسے ہی ہیں منقول۔ بروایت احمد منتقی میں یہ روایت موجود ہے۔ ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ یہ روایت صحاح میں مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آیا ہے، انما کان الاذان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین والاقامۃ مرۃ غیران یقول قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ۔ (ابوداؤد، نسائی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صفحہ ۳۲۹

سوال: ایک فریق تو صبح کی اذان ہوتے ہی دو رکعت سنّت ادا کر کے جماعت کرا دیتا ہے اور دوسرا گروہ تھوڑی دیر انتظار کر کے درمیانی وقت میں نماز پڑھتے ہیں۔ اس واسطے دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا کون سا فریق راستی پر ہے۔ اور آج کل اذان کتنے بجے کہی جاوے۔ اور انتظار کتنے عرصہ ہونا چاہیئے کہ اتفاق رہے۔

الجواب: اذان صبح صادق طلوع ہوتے ہی کہی جاوے، پھر کچھ دیر انتظار کرنا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے اس قدر انتظار کرتے تھے، کہ سویا ہوا شخص نیند سے اُٹھ کر وضو کر کے جماعت سے ساتھ شریک ہو سکے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صفحہ ۳۳۵

سوال: زید کہتا ہے کہ بغیر اجازت مؤذن کے اذان کہنی درست نہیں ہے، چاہے وقت میں دیر ہو جائے۔

الجواب: ایسا کہنے کی دلیل زید کے پاس کوئی نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام کے ہوتے ہوئے امامت کوئی نہ کرائے۔ مؤذن مقرر ہوتے ہوئے اذان کوئی نہ کہے، لیکن وقت پر کوئی موجود نہ ہو تو دوسرا کوئی

شخص یہ کام کرے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ کسی کام میں دیر ہوئی تو ایک صحابی نے جماعت کرائی اور آپ دوسری رکعت میں اس کے پیچھے کھڑے ہوئے۔

تشریح: یہ واقعہ سفر کا ہے، صبح کی نماز تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف نے جماعت کرائی، آپ نے ایک رکعت اس کے پیچھے پڑھی، صحیح مسلم شریف مشکوٰۃ ص ۱۵۳ ھ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۳۱۷

سوال۔ جمعہ کے دن اذان قبل زوال دینی چاہیے یا بعد میں؟

الجواب: علی اختلاف الروایات وقت جمعہ بعد از زوال کی روایات مرفوع صریح صحیح قوی ہیں۔ اس لیے اذان جمعہ بعد از زوال ہی چاہیے۔ واللہ اعلم فتاویٰ ستاریہ جلد اول صفحہ ۵

سوال: جو اذان وقت خطبہ کہی جاتی ہے وہ خطیب کے سامنے کہنی چاہیے یا دائیں بائیں مؤذن کھڑا ہو کر کہدیوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوھاب: اذان سے مقصود اعلام ہے۔ خواہ پہلی ہو یا خطبہ کی، پس جو موضع اعلام کے زیادہ مناسب ہو، وہاں ہونی چاہیے، اگر امام کے سامنے موزوں جگہ ہو تو سامنے دی جائے، ورنہ کوئی اور موزوں جگہ دیکھ لی جائے، خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر اور خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں۔ مسجد نبوی میں سامنے موزوں جگہ تھی، اس لیے سامنے ہوتی تھی۔ جگہ کی تعین کو اذان میں داخل کرنا اذان کے منشا کے خلاف ہے۔ اس طرح کوئی کہنے والا کہہ دے گا کہ تم نے امام کے سامنے ہونے کی شرط کی ہے۔ ہم یہ شرط کرتے ہیں۔ کہ مسجد کے دروازے پر ہو۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی، اگر مسجد کا دروازہ سامنے نہ ہو کنارے پر ہو تو اس صورت میں مشکل پڑے گی۔ ایک اور اٹھے گا اور کہے گا کہ منارے پر ہونی چاہیے کیوں کہ امام مالکؒ سے روایت ہے۔ انہ فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بین یدیہ بل علی المنارۃ۔ "آپ کے زمانے میں اذان آپ کے سامنے نہ تھی، بلکہ منارہ پر تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد سامنے کی نفی کرنے سے یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہ تھی۔ جو عام طور پر نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ ورنہ دوسری روایتوں میں سامنے ہونے تصریح ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ

اس لیے اس کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیئے۔ فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۲۹

سوال: نماز کی تکبیر کیسے کہنی چاہیئے، اکہرے لفظوں کا زیادہ ثواب ہے۔ یا دوہرے لفظوں کا۔ جس تکبیر کی نبی علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرمائیں۔ مسئلہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ کیوں نظام آباد میں تکبیر کے متعلق بہت جھگڑا رہتا ہے۔ بعض اہلحدیث بھی دوہرے لفظوں کی تکبیر کا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں

الجواب: تکبیر کے ہر ایک کلمہ کو ایک ایک مرتبہ کہنا سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے افضل ہے۔ زید بن عبدالبر کے تلقین شدہ الفاظ ایسے ہی ہیں۔ منقول۔ بروایت احمد منتقی میں یہ روایت موجود ہے۔

ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ یہ روایت صحاح میں مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا ہے،

انما کان الاذان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین والاقامۃ مرۃ غیران یقول قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ۔ (ابوداؤد، نسائی) فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۲۹

سوال: ایک فریق تو صبح کی اذان ہوتے ہی دو رکعت سنت ادا کر کے جماعت کرا دیتا ہے اور دوسرا گروہ تھوڑی دیر انتظار کر کے درمیانی وقت میں نماز پڑھتے ہیں۔ اس واسطے دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا کون سا فریق راستی پر ہے۔ اور آج کل اذان کتنے بجے کہی جاوے۔ اور انتظار کتنے عرصہ ہونا چاہیئے کہ اتفاق رہے۔

الجواب: اذان صبح صادق طلوع ہوتے ہی کہی جاوے، پھر کچھ دیر انتظار کرنا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے اس قدر انتظار کرتے تھے، کہ سویا ہوا شخص نیند سے اٹھ کر وضو کر کے جماعت سے ساتھ شریک ہو سکے۔ فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۳۵

سوال: زید کہتا ہے کہ بغیر اجازت مؤذن کے اذان کہنی درست نہیں ہے، چاہے وقت میں دیر ہو جائے

الجواب۔ ایسا کہنے کی دلیل زید کے پاس کوئی نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام کے ہوتے ہوئے امامت کوئی نہ کرائے۔ مؤذن مقرر ہوتے ہوئے اذان کوئی نہ کہے، لیکن وقت پر کوئی موجود نہ ہو تو دوسرا کوئی

شخص یہ کام کرے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ کسی کام میں دیر ہوئی تو ایک صحابی نے جماعت کرائی اور آپ دوسری رکعت میں اس کے پیچھے کھڑے ہوئے۔

تشریح: یہ واقعہ سفر کا ہے، صبح کی نماز تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف نے جماعت کرائی، آپ نے ایک رکعت اس کے پیچھے پڑھی، صحیح مسلم شریف مشکوٰۃ ص ۵۳ ۱۱۵ ھ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۷۱

سوال: جمعہ کے دن اذان قبل زوال دینی چاہیئے یا بعد میں؟

الجواب: علی اختلاف الروایات وقت جمعہ بعد از زوال کی روایات مرفوع صریح صحیح قوی ہیں۔ اس لیے اذان جمعہ بعد از زوال ہی چاہیئے۔ واللہ اعلم فتاویٰ ستاریہ جلد اول صفحہ ۵

سوال: جو اذان وقت خطبہ کہی جاتی ہے وہ خطیب کے سامنے کہنی چاہیئے یا دائیں بائیں مؤذن کھڑا ہو کر کہدیوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوھاب: اذان سے مقصود اعلام ہے۔ خواہ پہلی ہو یا خطبہ کی، پس جو موضع اعلام کے زیادہ مناسب ہو، وہاں ہونی چاہیئے، اگر امام کے سامنے موزوں جگہ ہو تو سامنے دی جائے، ورنہ کوئی اور موزوں جگہ دیکھ لی جائے، خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر اور خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں۔ مسجد نبوی میں سامنے موزوں جگہ تھی، اس لیے سامنے ہوتی تھی۔ جگہ کی تعین کو اذان میں داخل کرنا اذان کے منشا کے خلاف ہے۔ اس طرح کوئی کہنے والا کہہ دے گا کہ تم نے امام کے سامنے ہونے کی شرط کی ہے۔ ہم یہ شرط کرتے ہیں۔ کہ مسجد کے دروازے پر ہو۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی، اگر مسجد کا دروازہ سامنے نہ ہو کنارے پر ہو تو اس صورت میں مشکل پڑے گی۔ ایک اور اٹھے گا اور کہے گا کہ منارے پر ہونی چاہیئے کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ انہ فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بین یدیہ بل علی المنارۃ۔" آپ کے زمانے میں اذان آپ کے سامنے نہ تھی، بلکہ منارہ پر تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد سامنے کی نفی کرنے سے یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہ تھی۔ جو عام طور پر نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ ورنہ دوسری روایتوں میں سامنے ہونے تصریح ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا دروازہ سامنے تھا اور وہیں منار تھا، اس پر اذان ہوتی تھی، تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اذان کے لیے تینوں شرائط ضروری ہیں۔ سامنے بھی ہو، دروازہ پر بھی اور منار پر بھی ہو،

ایک اور اٹھے گا وہ اس سے بھی زیادہ تنگی کرتا ہوا کہہ دے گا۔ کہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی شرط ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منبر سے جتنے فاصلے پر اذان ہوتی تھی اتنے ہی فاصلے پر اب ہونی چاہیے مثلاً منبر ایسی جگہ بچھایا جائے کہ فاصلہ اس سے کم و بیش نہ ہو بلکہ کوئی منار کی بلندی کے اندازے کی بھی پابندی کرنے لگ جائے گا۔ غرضیکہ اس طرح سے خصوصیتیں پیدا کرنی شروع کردیں، تو احکام میں بہت تنگی ہوجائے گی، بلکہ ان پر عمل بھی ناممکن ہوجائے گا، اس لیے ضروری ہے کہ ہر حکم کے حسب حال کوئی خصوصیت ہو۔ اذان کے مقصود جب اعلان ہے تو خصوصیت موضع کس طرح سمجھ لی جائے، ہاں مسجد کے متعلقات میں ہوتی ضروری ہے، تاکہ لوگ اس طرف آئیں اور اونچی جگہ بھی اس کے حسب حال ہے کیوں کہ آواز دور جاتی ہے۔ اسی بنا پر امام ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ مدخل میں فرماتے ہیں، ان السنۃ اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبران یکون المؤذن علی المنار۔ یعنی مسنون طریقہ اذان جمعہ یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منار پر ہو۔

اس عبارت میں دو خصوصیتیں ذکر کی ہیں ایک منار پر ہونا، ایک امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت ہونا اسی طرح مؤذن کا بلند آواز ہونا یا خوش آواز ہونا۔

اسی قسم کی تمام خصوصیات اذان کے حسب حال ہیں۔ اگرچہ واجبات سے نہیں، مگر کسی نہ کسی طریق سے اذان کے لیے مفید شے ہیں۔ لیکن امام کے سامنے ہونا، دروازہ پر ہونا، یا دائیں بائیں ہونا یا اتنے فاصلے پر ہونا یا اندر ہونا یا باہر ہونا۔ یہ تو کوئی ایسی اشیاء نہیں جو اذان کے حسب حال ہوں تو پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ کہ شرع میں یہ معتبر ہیں۔

دیکھئے حج خاص کر مواضع سے تعلق رکھتا ہے۔ کیوں کہ اس میں ہوتا ہی یہ ہے کہ کسی جگہ گزرنا، کسی جگہ ٹھہرنا، کسی جگہ دوڑنا، کسی جگہ پر چکر کاٹنا، کسی جگہ کچھ پڑھنا، وغیرہ)

اس میں اپنے وطن کو واپسی کے وقت محصب وغیرہ کے نزول میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے، تو اذان وغیرہ جس کو موضع سے تعلق نہیں، کس طرح فیصلہ ہوسکتا ہے۔ کہ اندر ہے باہر یا آگے ہے یا دائیں بائیں، وغیرہ لبسا اوقات عمارت کی رو سے ایک جگہ موزوں ہوتی ہے۔ دوسری جگہ میں دوسری، پس مسجد

نبوی میں سامنے ہونے سے یہ مراد لینا کہ سب جگہ ایسا ہی چاہیئے، ڈبل غلطی ہے اور اسرار اور حکم شرعیہ سے کوسوں دور ہے۔ فقط (مولانا) عبداللہ امرتسری روپڑی تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۰

سوال: کیا جمعہ میں دو اذانیں سنت ہیں؟

الجواب: عرصہ سے میرے دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ جمعہ کے روز دو اذان سنت ہیں یا ایک اذان بوقت خطبہ امام سنت ہے؟

آج بطور مذاکرہ علمیہ اس کے بارہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اور علمائے اہل حدیث واحناف سے عرض کروں گا، کہ اس مسئلہ میں اپنی اپنی تحقیق انیق سے بذریعہ جریدہ الاعتصام علماء و عوام الناس کو مطلع فرمائیں ــــ میرے نزدیک بروز جمعہ دو آذان سنت ہیں۔ ایک وقتی اذان اور ایک زائد اذان جو بوقت خطبہ امام کہی جاتی ہے۔ کیوں مسجد نبوی ونیز جس جس مسجد میں نماز جمعہ و دیگر فرائض نماز باجماعت اب تک بلا اذان ہوا کرتی تھی، وہاں پر تقریباً ۱۱ھ کے وسط سے ہر فرض نماز کے لیے اذان وقتی بھی ہوتی تھی، اور جمعہ بھی، پنجوقتہ نمازوں میں ایک فرض نماز ہے اور ہر ساتویں روز وہ ظہر کی جگہ ادا کی جاتی ہے۔ چنانچہ جمعہ کی نماز کا وقت بھی وہی ہے، جو ظہر کی نماز کا ہے۔ یعنی بعد زوال! جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے وقت جمعہ کا بعد زوال فرمایا ہے۔ اور جمعہ کی نماز جب کسی سے فوت ہو جائے تو وہ نماز ظہر کی ادا کرتا ہے۔ تو جیسے اذان وقتی ظہر نماز کے لیے ہے۔ ویسے ہی نماز جمعہ کے لیے بھی اذان وقتی ہے

رہا یہ سوال کہ احادیث میں صرف اذان منبری یوم الجمعہ کا ذکر ہے۔ اذان وقتی کا ذکر نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ اذان بروز جمعہ سنت ایک ہی اذان ہے، دو آذان سنت نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ایک چیز ثابت تھی تو اس کا ذکر نہیں کیا گیا، دوسرے عدم ذکر عدم شیٔ کو مستلزم نہیں ہے۔ آذان منبری چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دروازہ پر کہی جاتی تھی، اس کا ذکر احادیث میں خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔ اور جو وقتی اذان ہوتی ہے، اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا، دوسرے اذان وقتی سے قصداً مراد اعلام برائے نماز ہے۔ تاکہ ہر مسلمان اذان سن کر نماز کی تیاری کرے اور جماعت میں شریک ہو، یہ صورت اذان منبری میں اس کو حاصل نہیں ہو سکتی، وہاں تو جو شخص اذان منبری سن کر مسجد میں حاضر ہوگا، ثواب جمعہ سے بھی وہ محروم ہو جائے گا۔ اور جو ثواب اس کو نوافل پڑھنے سے قبل نماز جمعہ حاصل ہوتا ہے،

اس سے بھی اس کو محرومی ہوئی، اب وہ صرف دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے، نوافل نہیں پڑھ سکتا، اور نوافل قبل جمعہ ہیں، بعد ہونے وقت جمعہ کے نہیں، جن کا تعلق بھی اذان وقتی پر موقوف ہے، پس وقتی اذان جیسے نماز ظہر کے لیے ضروری ہے، ویسے ہی وقتی اذان نماز جمعہ کے لیے بھی ضروری ہے رہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان مقام زوراء پر خارج مسجد کے تو وہ اوّلاً تو اذان معہود نہ تھی اور اگر بالفرض وہ اذان معہود ہی ہو تو وہ محض مزید اعلان کے لیے تھی تاکہ جو لوگ بروز بہت مشغول ہوتے ہیں۔ اور مسجد سے دور رہتے ہیں۔ ان کو بھی جمعہ کے دن اور نماز کی خبر ہو جائے اور وہ غافل نہ رہیں، اس لیے اس اذان کا اہتمام صرف جمعہ کو کیا جاتا تھا مگر باوجود اس کے حضرت عبداللہ بن عمر نے اس اذان عثمانی کو بدعت کہہ دیا۔ نیز امام مسلم و بیہقی میں جابرؓ سے مروی ہے۔ کان بلال یؤذن اذا دحضت الشمس فلا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (مسلم صفحہ ۲۲۱ ج ۱ و بیہقی صفحہ ۱۹ ج ۲) یہ حدیث بھی عام ہے۔ نماز ظہر و جمعہ دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے الاصح ان المعتبر فی وجوب السعی وکراھیۃ البیع ھو الاذان الاول اذا کان بعد الزوال لحصول الاعلام بہ لانہ لو انتظر الی الاذان عند المنبر یفوتہ ادا السنۃ وسماع الخطبۃ۔ اس سے بھی معلوم ہوا، یہ اذان اولیٰ بعد زوال اذان وقتی تھی نہ اذان منبری، پس آیت کریمہ آیت جمعہ میں اختلاف ہے، آیا یہ اذان وقتی ہے، یا اذان منبری! وقتی اذان کی نفی کسی روایت صحیحہ سے ثابت نہیں اور وقتی اذان جیسے نماز ظہر کے لیے ہوتی ہے، ویسے ہی وقتی اذان بروز جمعہ ہونی چاہیے، لہذا بروز جمعہ دو اذانیں سنت ہیں۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی الاعتصام جلد ۷ ش نمبر ۵

جمعہ کی پہلی اذان کا کیا حکم ہے؟

جمعہ کے روز ایک اذان کا خطبہ کے وقت ہونا مسنون ہے۔ دو اذان کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر کسی جگہ ضرورت اعلان ہو، جب کہ بستی کے اطراف میں مسلمانوں کے کھیت وغیرہ ہوں، تو وہاں پر دوسری اذان بطور اعلان، خارج مسجد کسی اونچی جگہ پر دے سکتے ہیں، یہ سنت عثمانی ہے، مگر زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی و فاروقی میں صرف ایک اذان منبری ہی دروازہ پر مسجد پر ہوتی تھی، دوسری اذان نہیں ہوتی تھی، اور دوسری اذان کی ابتدا زمانہ حضرت عثمانؓ سے

ہوئی، اور زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں بھی یہ دوسری اذان جو کہ پہلی اذان کہلاتی ہے، خارج مسجد زوراء کے مقام پر ہوتی تھی، مسجد میں نہیں ہوتی تھی، دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۳ باب الخطبہ والصلوٰۃ مسجد میں اس اذان کو بنی امیہ کے زمانہ میں کر دیا گیا، لہٰذا اذان عثمانی جس کو پہلی اذان کہا جاتا ہے، اس کو مسجد میں کہلوانا بدعت ہے۔ الاعتصام جلد ۲ ش ۸

جمعہ کی دوسری اذان کیسے کہنی چاہیئے؟

یہ اذان وقت خطبہ دروازہ مسجد یا امام کے سامنے کسی بلند جگہ پر کہلوانی چاہیئے، جیسے اور اذانیں بلند آواز سے کہی جاتی ہیں، ویسے یہ اذان بھی کہلانا چاہیئے۔ منبر کے نزدیک اس اذان کو کہلانا خلاف سنت ہے۔ بلکہ بدعت ہے، بنی امیہ کی سنت ہے۔ مقصد اذان کا نماز کی حاضری ہے، جو لوگ کسی کاروبار میں مشغول ہیں، وہ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر مسجد میں حاضر ہو جائیں، ورنہ جمعہ کے روز اذان سے قبل ہی آنا مناسب ہے۔ ثواب جمعہ کا اسی شخص کو ملے گا، جو اذان سے جب کہ امام خطبہ کے لیے کھڑا نہیں ہوا ہے۔ حاضر مسجد ہو، دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۲ باب التنظیف والتکبیر۔ الاعتصام جلد ۲ ش ۸

سوال:۔ جمعہ اور عید کے پہلے نقارہ بجانا کیا ہے (مسائل مذکور)

جواب: جو کہ قبل جمعہ اور عید کے نقارہ بجایا جاتا ہے یہ بھی بالکل بدعت ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے اور یہ تمام بدعتیں کٹ ملاؤں نے بسبب اپنی کم علمی کے مروج کی ہوئی ہیں ورنہ ان کا ثبوت اس سچے دین میں ہے کہ جس کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے تھے ہرگز ہرگز نہیں ہے بلکہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ میں داخل ہے کما لا یخفی علی ماھر الکتب والسنہ۔

فتاویٰ ستاریہ جلد اول صفحہ ۱۳۸

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دفعہ اذان کو ٹیپ ریکارڈ کر لیا جائے اور پھر ٹیپ ریکارڈ اذان کو نمازوں کے اوقات کے لئے استعمال کرنا کیسا ہے۔ جواب تحریر کر کے ممنون فرمائیے۔

سائل سید ظہور الحسن امام مسجد ۲۹ بلوچ رجمنٹ ہربنس پورہ لاہور

الجواب بعون الوھاب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ اقول وباللہ التوفیق۔ ٹیپ ریکارڈ کی اذان ازروئے شرع شریف ناجائز اور بدعت سیئہ ہے اور اس کے ناجائز اور بدعت ہونے کی متعدد وجوہ ہیں۔

وجہ اول:۔ یہ اذان مسنون اذان کی ہیئت کذائی کے خلاف ہے۔ اور اذان کی ہیئت کذائی ایک واجب۔ چند سنن اور کچھ مستحبات پر مشتمل ہے جو یہ ہیں۔ اذان میں مؤذن کا قیام واجب ہے۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کی ایک لمبی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ فاخبرتہ بما رائیت فقال انہا لرؤیا حق انشاء اللہ قم مع بلال۔ عون المعبود صہ ۱۸۸ جلد ا۔ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ خواب حق ہے۔ لہٰذا تم بلال رض کے ساتھ کھڑے ہو کر اذان کہلواؤ" اور اسی طرح عبداللہ بن عمر رض کی حدیث میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ۔ مسلم مع نووی صہ ۱۶۴ جلد ا۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رض کھڑے ہو کر نماز کے لئے اذان پڑھو" حضرت قاضی عیاض اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فیہ حجۃ یشرع الاذان من قیام فانہ لایجوز الاذان قاعدا وھو مذھب للعلماء کافۃ الا ابو ثور صہ ۱۶۴ جلد ا۔ "ابو ثور کے علاوہ تمام علماء کا مذہب ہے کہ اذان پڑھتے وقت مؤذن کا کھڑا ہونا واجب ہے۔ اور بیٹھ کر اذان پڑھنا جائز نہیں اور یہ حدیث قیام کی واضح دلیل ہے۔" نیز بیہقی۔ دار قطنی۔ ابو شیخ نے وائل سے یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ قال حق وسنۃ ان لا یؤذن الرجل الا وھو طاھر ولا یؤذن الا وھو قائم۔ تحفۃ الاحوذی صہ ۱۷۹ جلد ا۔ "یعنی اذان کا صحیح اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ اذان کھڑے ہو کر باوضو پڑھنی چاہئے۔" اور الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں ہے اصل الحدیث عند مسلم من حدیث ابی قتادۃ مطولا فی آخرہ یا بلال قم فاذن۔ حاشیہ ہدایہ صہ ۸۹۔ واضح ہو کہ لفظ "قم" امر کا صیغہ ہے اور امر بلا کسی قرینہ وجوب کے لئے ہوتا ہے لہٰذا قیام واجب ہے۔

اذان کی سنتیں:۔ (۱) استقبال قبلہ:۔ حضرت معاذ بن جبل کی حدیث ہے کہ فرشتے نے قبلہ رخ ہو کر اذان دی تھی۔ ملاحظہ ہوں اصل الفاظ فاستقبل القبلۃ: قال اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔

عون ص۱۹۶ ۔ فقہ حنفی کی آخری درسی کتاب "ہدایہ اولین" میں ہے۔ ویستقبل القبلۃ بھما لان النازل من السماء اذن مستقبل القبلۃ ۔ ہدایہ ص۸۸ جلد ۱۔ یعنی اذان اور تکبیر قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھنی چاہیئے کیونکہ آسمان سے اُترنے والے فرشتے (جبرئیل) نے قبلہ کی طرف رُخ کر کے اذان پڑھی تھی۔

۲۔ کانوں میں انگلیاں ڈالنا:۔ اذان کی ایک بھی مشہور سنّت ہے کہ مؤذن اذان پڑھتے وقت کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان پڑھے۔ عن ابی جحیفۃ قال رأیت بلالا یؤذن ویدور ویتبع فاہ الی ھٰھنا وھٰھنا واصبعاہ فی اذنیہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبۃ لہ حمراء (تحفۃ الاحوذی ص۱۷۶ جلد ۱) حضرت ابو جحیفہ رض فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال کو اذان پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی انگلیوں کو کانوں میں ڈالے ہوئے دائیں بائیں رُخ پھیرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سُرخ قبہ میں تشریف فرما تھے۔

نیز حضرت سعد رض مؤذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالا ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ الخ (ابن ماجہ تحفۃ الاحوذی ص۱۷۶ جلد ۱) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان پڑھیں۔

۳۔ دائیں بائیں رُخ پھیرنا:۔ یعنی حیعلین پر دائیں بائیں منہ کرنا بھی اذان میں سنت ہے جیسے کہ بخاری شریف میں ہے۔ عن ابی جحیفۃ انہ رای بلالا یؤذن فجعلت اتتبع فاہ ھٰھنا وھٰھنا بالاذان (بخاری شریف ص۸۸ جلد ۱) "حضرت ابی جحیفہ فرماتے ہیں کہ اس نے بلال کو اذان پڑھتے ہوئے دیکھا چنانچہ میں بھی (ان کے منہ کے ساتھ) اِدھر اُدھر اذان میں منہ پھیرنے لگا۔

ہدایہ میں ہے ویحوّل وجھہ للصلوٰۃ والفلاح یمنۃً ویسرۃً لانہ خطاب للقوم فیواجھھم ص۸۸ جلد ۱ یعنی مؤذن "حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح" کہتے وقت اپنا رُخ دائیں بائیں پھیرے کیونکہ یہ قوم کو خطاب ہے۔ لہٰذا ان کی طرف بھی رُخ کرنا چاہیئے۔

اذان کے مستحبات:۔ علماء نے مؤذن کے لئے باوضو ہونا مستحب لکھا ہے۔ جیسے کہ ترمذی شریف میں ہے۔ قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔ لاینادی بالصلوٰۃ الا متوضیا (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۱۷۸ جلد ۱) کہ اذان صرف باوضو آدمی کو پڑھنی چاہیئے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت وائل سے اوپر گذر چکی ہے۔ نیز امام بخاری اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ وہ مؤذن کے لئے وضو مستحب قرار دیتے ہیں۔

ابو شیخ نے ابن عباس سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے فلا یؤذن احد کم الا وھو طاھر۔ بہر حال علماء کا اتفاق ہے کہ مؤذن کا باوضو ہونا مستحب ہے اور ایسے کئی اور بھی مستحبات ہیں جنہیں تفصیلاً بیان کرنا اس وقت مشکل ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب حنفی نے عورت کی اذان کو غیر مسنون قرار دیتے ہوئے ہدایہ کے بین السطور میں لکھا ہے کہ وھو کون المؤذن رجلا۔ یعنی مؤذن کا مرد ہونا مسنون ہے۔

بہر حال ان مذکورہ عبارتوں سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ شرعی اذان کے لیئے ان امور مسنونہ کا ہونا ضروری ہے اور ہر وہ اذان جس میں یہ امور مسنونہ نہ ہوں وہ شرعی اور مسنون اذان نہیں ہو گی۔ نتیجہ اس طرح نکلے گا ٹیپ کی اذان (صغریٰ) میں یہ امور نہیں ہیں اور جس اذان میں یہ امور نہ ہوں وہ شرعی (کبریٰ) نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ٹیپ کی اذان شرعی نہیں ہو سکتی۔ وَلِلّٰہِ الحمد۔

وجہ ثانی:۔ ٹیپ ریکارڈ اذان کے ناجائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان اسلامی شعاروں میں سے ایک شعار ہے اور اس کا شعار ہونا اس حدیث سے بالکل نمایاں ہے۔ عن انس ابن مالك قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يُغير اذا طلع الفجر۔ كان يستمع الأذان فان سمع امسك والا اغار (مسلم مع نووی ص۱۶۲ جلد۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم دشمن پر صبح کے وقت حملہ آور ہوا کرتے تھے (حملہ سے قبل) گوش بر اذان رہتے۔ اگر اذان سن پاتے تو حملہ آور نہ ہوتے ورنہ دشمن پر دھاوا بول دیتے۔

رسالہ شرح تراجم بخاری میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لعل الحكمة فی ذهاب الشیطن عند الاذان دون الصلوٰة لانه شعار الاسلام يجهر فيه بذكر الله ويصير به الدار دار لسلام ص۲۳

یعنی بخلاف نماز کے اذان سنکر شیطان کے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ اذان اسلام کا شعار ہے۔ کیونکہ اذان کی وجہ سے دارالحرب دارالسلام بن جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے شعار میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں دیا بلکہ اس کا احترام و لحاظ رکھنا اور تعظیم و تکریم کرنا واجب اور ضروری ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ شروع سورۃ مائدہ میں فرماتے ہیں:۔

وَلَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللهِ الخ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ شعاروں کی بیحرمتی نہ کرو۔

دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورۃ حج رکوع ۱۱) جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کو پورا لحاظ و تعظیم کرے گا۔ تو ان کا یہ لحاظ (خدا تعالیٰ سے) دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے

اور اذان کی تعظیم و تکریم صرف اس میں ہے کہ اس کو اسی ہیئت کذائی (جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے) کے ساتھ باقی رکھا جائے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مند میں اور زمانہ مَشْهُوْدٌ لَهَا بِالْخَيْرِ میں پائی جاتی تھی۔

وجہ ثالث:۔ تیسری وجہ اس اذان کے ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اذان بذات خود ایک مستقل عبادت ہے دین اسلام کا خلاصہ اور مغز ہے۔ کیونکہ اذان اسلام کے تمام بنیادی عقائد اور اساسی مضامین کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جیسے کہ چھ کلمات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، برتری اور توحید ایسے بنیادی عقائد کا بیان ہے۔ ساتویں آٹھویں کلمات میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے اور نانویں دسویں کلمات میں اسلامی زندگی اور عمل صالح پر زور دیا گیا ہے۔ گیارھویں بارھویں کلمے عقیدہ حیات بعد الممات یعنی دوبارہ جی اٹھنے پر مشتمل ہیں۔ اور باقی کلمات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور برتری اور توحید کا اعادہ ہے۔ جس میں لطیف نقطہ یہ ہے کہ مرد مسلمان کو ہر وقت توحید پر کاربند رہنا چاہیے۔ تاکہ خاتمہ بھی عقیدہ توحید پر ہو۔ بہر حال اذان بلاشبہ ایک اہم عبادت ہے اور عبادت کی قبولیت کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) اخلاص جیسے وَاعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور ایسی بیسیوں آیات میں بیان کیا گیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ اخلاص حیوان ناطق یعنی زندہ مسلم انسان کا وصف ہے نہ کہ ٹیپ ریکارڈ کا جو محض بے جان چیز ہے۔

(۲) اور اس عبادت پر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھاپ کندہ ہو ورنہ بصورت دیگر وہ عبادت اگرچہ بذات خود کتنی بھی اہم اور کیسی بھی جاذبیت کی حامل ہو بدعت ہوگی اور اس کا پرچار کرنے والا بدعتی ہوگا۔ ملاحظہ ہو۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۲۷ جلد۱) "جو شخص ہمارے اس دین میں (جو کامل اور مکمل) ایسی نئی چیز (بدعت) لگاتا ہے جو اس دین میں نہیں وہ چیز بلاشبہ مردود ہے۔" اور اس حدیث کی رو سے ٹیپ کی اذان بدعت قرار پائی ہے اور کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار کے تحت اس کو جائز کرنے والا قابل مواخذہ ہے۔

وجہ رابع:۔ اگر ٹیپ ریکارڈ کی اذان کو شرعی اذان تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ تمام ذخیرہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس میں مؤذن کے فضائل و مناقب اور محامد و محاسن بیان ہوئے ہیں بوجہ مصداق نہ ہونے کے مہمل اور اکارت ہو جائیگا۔ لہٰذا اگر ٹیپ کی اذان کو شرعی اذان مان لیا جائے تو ان احادیث صحیحہ کا عملی انکار لازم آتا ہے اور انکار سنت باتفاق امت کفر بواح ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

وجہ خامس: پانچویں وجہ یہ ہے کہ ملحدین اور معاندین اسلام صدیوں کے تلخ تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلامیان میں جب تک روحانیت موجود ہے وہ ہم سے کسی میدان میں مار نہیں کھا سکتے اور یہ حقیقت بھی ان ناعاقبت اندیش اور نام نہاد مفکرین کے لیئے اب راز نہیں رہی کہ جب تک بوریا نشین علمائے حق کا اسلامیان میں اثر ونفوذ باقی اور قائم ہے اس وقت تک اسلامی قدروں اور روحانی قدروں کو مضمحل اور کمزور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مسلم عوام کو علماء حق سے برگشتہ اور بے نیاز کرنے والی دلفریب اور گمراہ کن چالوں میں سے نہایت سادہ اور پرکشش یہ بھی ایک چال ہے جسے ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی اذان کے ذریعے علماء حق سے محراب و منبر چھیننے کے لیئے اسلامی عبادت گاہوں میں بطور تجربہ لایا جا رہا ہے۔ تاکہ کامیابی کی صورت میں جمعہ، پنجگانہ، عیدین اور دوسری اسلامی تقریبوں میں اسلامی تبلیغ کے بہانوں سے علمائے حق کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خطبوں کی جگہ پر چند خرید کردہ علمائے سُور کی پسند کردہ ٹیپ شدہ تقریروں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور بتدریج اسلام پسند عوام کے رگ و پے سے اسلامی حمیت اور دینی غیرت کو چھانٹ چھانٹ کر نکال دیا جائے اور اس طرح مذہب کے بندھنوں کو ڈھیلا کر کے اپنے الحاد زدہ نظریات کو گمراہ کن افکار کو اور اپنی دوسری دسیسہ کاریوں کو عروج و دوام بخشا جائیگا۔ گویا يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ لہٰذا ایسی اسلام دشمن اسکیموں کو کبھی اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔ اور انہیں جائز قرار دینا اسلامی حصار کی نیو کو کھوکھلا کرنا ہے بلکہ یہ مداہنت فی الدین۔ استہزاء بالاسلام اور تجاوز من حدود اللہ ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان زیر نظر تصریحات کی روشنی میں ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی اذان کو نمازوں کے اوقات پر استعمال کرنا قطعی ناجائز اور خلاف سنت ہے اور بدعت سیئہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی شوکت و تمکنت کو نیچا دکھانے والی ایک بھونڈی چال ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ علمائے حق اور مفتیان دین حنیف سے پورے ادب و احترام کے ساتھ نہایت دلسوزی سے ہماری گذارش ہے کہ اب وہ اپنے گروہی اختلافات اور فروعی مشاجرات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے حقیقی دشمن اور اس کی ان باریک چالوں اور کارستانیوں کا نوٹس لیں جو اسلام کے نام سے اسلام ہی کے خلاف بروئے کار لائی جا رہی ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیئے شب و روز پا بہ رکاب رہیں۔ **فقط والسلام**

(الراقم میاں محمد عبید اللہ بن الشیخ محمد حسین تغمد ہما برحمۃ رب الثقلین۔ صدر مدرس جھنیانوالی لاہور)

اہل حدیث لاہور شمارہ ۱۸ جلد ۱

باب الامامۃ

سوال:۔ بحضور حضرت ہادی دین متین امام المسلمین مولانا مولوی عبدالجبار صاحب دام اللہ فیوضکم۔
جس شخص کے پاس زمین گرو ہو اور مرتہنوں کو منافع نہ دیتا ہو اور کاغذ بیاجی لکھتا ہو اس کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

جواب وھو الموفق للصواب:۔ جو شخص اراضی مرہونہ کا نفع کھاتا ہے اور سود کے کاغذات لکھتا ہے تو ایسا شخص لائق امامت کے نہیں ہے۔ ایسا شخص اگر امام ہو تو امامت سے معزول کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی بات (قبلہ کی طرف نماز میں تھوک ڈالنے پر) ایک شخص کو امامت سے معزول کر دیا تھا۔ ابوداؤد میں سائب بن خلاد صحابی سے روایت ہے ان[1] رجلا ام قوما فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم فاراد بعد ذلک ان یصلی لھم فمنعوہ واخبروہ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال نعم وحسبت انہ قال انک اذیت اللہ ورسولہ سکت علیہ ابوداؤد ثم المنذری یہ حدیث صریح دلیل ہے اور معزول کرنے امام غیر عادل کے تو ایسوں کا کیا ذکر۔ خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص کو جو عشرہ مبشرہ سے ہے بسبب بیجا شکایت اہل کوفہ کے امامت و امارت کوفہ سے بسبب خوف فتنہ و فساد کے یا رعایت قوم کے معزول کیا۔ دیکھو صحیح بخاری میں موجود ہے حق امامت افضل اور بہتر شخص کا ہے۔ حاکم نے ابی مرثد غنوی سے مرفوعاً روایت کی ہے ان[2] سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم بینکم وبین ربکم اور اس حدیث کی شاہد ابن عباس کی

---

[1] ایک شخص نے لوگوں کو نماز پڑھاتے وقت قبلہ کی طرف تھوک ڈالی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے لوگوں کو فرمایا کہ یہ شخص تمہیں پھر نماز نہ پڑھاوے اس شخص نے اس واقعہ کے بعد ان لوگوں کو پھر نماز پڑھانا چاہا تو انھوں نے اس کو روک دیا اور اسکو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتایا اس نے رسول اللہ کے پاس جاکر اس امر کا بیان کیا آپ نے فرمایا ہاں (لیعنے بیشک میں نے ان کو تیری امامت سے ردکا ہے) ورسائب بن خلاد راوی کہتا ہے) کہ مجھے یہ گمان ہے کہ آپ نے اس کو فرمایا کہ تحقیق تو نے اللہ تعالی اور اسکے رسول کو دکھ دیا ابوداود اور منذری نے اس حدیث پر سکوت کی ہے [2] اگر تمہیں اپنی نمازوں کا قبول ہونا پسند ہے تو چاہئے کہ تم میں سے بہتر اور پسندیدہ آدمی تم کو نماز پڑھائے اس لئے کہ امام تمہارے اور اللہ کے درمیان ایلچی ہے۔ ۱۲ علوی

حدیث ہے اجعلوا[1] ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم بینکم وبین ربکم۔ امام مالکؒ اور عترت کے نزدیک امام غیر عادل کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے اور کراہت میں تو کسی اہل علم کو خلاف نہیں ہے۔ شوکانی رح نے نیل الاوطار میں لکھا ہے واعلم[2] ان محل النزاع انما ھو فی صحۃ الجماعۃ بعد من لاعدالۃ لہ واما انہا مکروھۃ فلاخلاف فی ذلک انتہٰی۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما

فتاویٰ غزنویہ ص۴۵

سوال:۔ جس آدمی کا پیشہ سود پر روپیہ لے کر سوداگری یا ٹھیکہ داری کرنے کا ہو یا وثیقہ نویس سودی کاغذ لکھنے والا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ جو شخص سود پر روپیہ لے کر تجارت کرے اور تحریر کنندہ ہر دو گناہ میں سود خوار کے برابر ہیں۔ وہ امامت کے لائق نہیں امام نہ بنایا جاوے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما

فتاویٰ غزنویہ ص۴۶

سوال:۔ ظہر احتیاطی پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں خاص ایسے وقت جب اور جگہ جمعہ جماعت نہ ملے۔

الجواب:۔ اس کے پیچھے جمعہ جماعت درست ہے۔ فتاویٰ غزنویہ ص۴۷

سوال:۔ میاں بیوی مل کر جماعت کرلیویں تو سنت ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ میاں بیوی اگر جماعت کرلیویں جائز ہے مگر بیوی پیچھے کھڑی ہووے برابر کھڑی نہ ہو۔

فتاویٰ غزنویہ ص۴۷

سوال:۔ کسی صحیح شرعی عذر سے اگر امام تیمم کر کے جماعت کرا دیوے تو جائز ہے یا نہیں۔ اگر بھول کر امام قرآت بلند کی جگہ خفیہ پڑھے یا خفیہ کی جگہ بلند پڑھے تو سجدہ سہو پڑتا ہے یا نہیں۔

[1] جو تمہارے درمیان برگزیدہ اور بہتر ہو اس کو امام بنایا کرو کیونکہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان ایلچی ہے ۱۲ علوی
[2] جھگڑا تو امام غیر عادل کی جماعت کی صحت میں ہے کراہت میں تو کوئی خلاف ہی نہیں ۱۲ علوی

الجواب:۔ تیمم والے امام کی جب اپنی نماز صحیح اور درست ہے تو مقتدی کی کیوں نہ ہو جہریہ نماز کو خفیہ اور خفیہ کو جہریہ پڑھنے سے سجدہ سہو پڑ جاتا ہے۔ فتاویٰ غزنویہ ص۴۷

سوال:۔ ایک دفعہ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ عورتوں کو عید کی نماز کرانی جائز نہیں۔ تحریر فرمائیں کہ دوسری نماز کی جماعت جدا ان کو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ مطلق امامت اور جماعت کرانا عورتوں کو منع نہیں عورتوں کے واسطے عورت کی امامت جائز ہے۔ مگر آگے کھڑی نہ ہووے سب کے بیچ کھڑی ہووے عید عورتوں کو علیحدہ پڑھنی خلاف سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وسلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ یہی تاکید ہے کہ عورتیں بھی عیدگاہ میں حاضر ہو جاویں اور مردوں کی نماز میں شامل رہیں۔ حیض والی بھی دعا اور تکبیرات میں شامل رہیں مگر نماز کی جگہ سے جدا رہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں دیکھو۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ فتاویٰ غزنویہ ص۴۷

سوال:۔ ڈاڑھی کتری ہوئی والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ڈاڑھی کتری ہوئی والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے۔ جمعہ جماعت کو ترک کرنے سے یہی بہتر ہے کہ اس کے پیچھے پڑھ لے ہاں اگر اچھا امام ملے تو اس سے اس کے پیچھے نماز افضل ہے۔ فتاویٰ غزنویہ ص۴۸

سوال:۔ اگر کسی امام مسجد کے پاس زمین رہن ہو اور اس کا نفع بھی کھاتا ہو تو اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ایسے شخص کو امام نہ بنا دے اور اگر اپنے زور سے یا قوم کے اتفاق سے امام مقرر ہو گیا ہے اور کوئی صورت اس کے معزول کرنے کی نہ ہو سکے تو نماز اس کے پیچھے پڑھے بشرطیکہ اس شہر میں اور جگہ جمعہ جماعت نہ ہوتا ہو۔ فتاویٰ غزنویہ ص۴۸

سوال:۔ میلوں کے دیکھنے والا عرسوں پر حاضر ہونے والا امام ہو تو اسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: قبر یا درخت یا کسی اور چیز کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ قبروں پر میلہ کرنا اور عرسوں اور میلوں کو دیکھنا گمراہی ہے ایسے لوگوں کو امام بنانا ناجائز ہے اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[1] اور حدیث مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[2] یہ دو حدیثیں ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ عز و جل فرماتا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ[3]۔
پارہ ۵ رکوع ۱۶

فتاوی غزنویہ ص ۴۸

سوال: شیعہ سے محبت ظاہری اور باطنی اور رشتہ داری رکھنے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب: شیعہ سے محبت و تعلق رکھنے والے کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے ہاں اگر اس سے اس جگہ میں افضل امام نہ ہو اور وہ جبروت سے اس جگہ میں امام ہو اور معزول ہونا اس کا نہ ہو سکے تو پڑھ لے جمعہ جماعت کا تارک نہ بنے۔ حررہ عبدالجبار بن الشیخ العارف باللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما

فتاوی غزنویہ ص ۴۸

سوال: امامت ولد الزنا چہ حکم دارد[4]

الجواب: امامت ولد الزنا نزد جمہور صحیح است حافظ ابن حجر در فتح الباری شرح صحیح البخاری نوشتہ والی صحۃ امامۃ ولد الزنا ذهب الجمهور ایضا وکان مالك یکره ان یتخذ اماما راتبا۔[5]

فتاوی غزنویہ ص ۴۹

---

[1] جس کسی نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ ان ہی میں سے ہے ۱۲ [2] جس کسی نے کسی قوم کی جماعت کو بڑھایا وہ ان ہی میں سے ہے
[3] اللہ کتاب (قرآن مجید) میں تم پر یہ اتار چکا ہے کہ جب تم سنو اللہ تعالی کی آیتوں سے کفر اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ (جو کفر اور ٹھٹھا کر رہے ہوں) مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری کسی بات میں لگیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم بھی انہی کی طرح (کافر) ہو جاؤ گے ۱۲۔
[4] ولد الزنا کی امامت کا کیا حکم ہے۔ ۱۲
[5] ولد الزنا کی امامت جمہور کے نزدیک صحیح ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ جمہور بھی امامت ولد الزنا کی صحت کے قائل ہیں اور امام مالک اس کو ہمیشہ کے لئے امام بنانا مکروہ جانتے تھے ۱۲ علوی لودیانوی

باب لاتجوز الصلوۃ خلف اہل البدعۃ الذین بلغت بدعتہم الکفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ مولوی ثناء اللہ نے اپنے اخبار مسمی اہل حدیث مورخہ ۹ صفر ۱۳۲۶ھ مع ایک کارڈ کے احقر کے پاس بذریعہ ڈاک ارسال کی۔ جس میں مولوی صاحب کی عبارات متعلقہ امامت واقتدار کے مندرجہ ذیل ہیں۔

بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ چونکہ مرزائی وغیرہ فرقوں کے اعتقادات اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ انکو کفر لازم آتا ہے بلکہ علماء نے ان پر کفر کا فتوی بھی دیا ہے اس لئے ان کی تو اپنی نماز جائز نہیں پھر انکے پیچھے ہماری نماز کیونکر ہوگی۔ دراصل یہی ایک سوال ہے جس نے مسلمانوں کو اس حد تک پہنچایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خدا کے حضور میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بعض لوگ میرے اس فتوی سے یہ سمجھتے ہیں کہ مرزائیوں کے پیچھے جب نماز ہوگی تو انکے فتوے کفر میں بھی تخفیف آجائے گی۔ اس لیے میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جواز اقتدار سے نہ میں ان کے اعتقادات کا مصحح ہوں نہ ان کے فتوے میں تخفیف ہوتی ہے۔ میں ارکان صلوۃ میں امام اور مقتدی کا ربط مانتا ہوں مگر قبولیت اور عدم قبولیت میں ان دونوں کا کوئی تعلق نہیں سمجھتا۔ اس لئے جو شخص نماز کو فرض جان کر ارکان نماز ادا کرتا ہے اس کے پیچھے اقتدار کرنا میں جائز جانتا ہوں۔ گو اعتقادی فتور کی وجہ سے امام کی نماز قبول نہ ہو تاہم مقتدی کی قبول ہو جائے گی۔

احقر سے توافق وتخالف رائے مسئلہ مذکورہ میں پوچھا اور عہد موکد بشہادۃ اللہ لکھ بھیجا کہ جو کچھ آپ متعلق مسئلہ امامت واقتدار کے لکھیں گے بلاکم وکاست درج اخبار کروں گا۔ احقر نے احباب کے اصرار اور مولوی ثناء اللہ کے لکھنے سے اس بارے میں جو کچھ معلوم ہوتا تھا لکھا فان یك صوابا فمن اللہ وان یك خطأ فمنی ومن نفسی واللہ ورسولہ بریٔ منہ۔

خاکسار کو مولوی صاحب کے قواعد محدثہ اور اصول مخترعہ کے رو سے سروکار نہیں۔ علماء محققین خود وزن کر سکتے ہیں کہ صحیح ہیں یا غلط فقط اس مسئلہ کے متعلق کچھ لکھتا ہوں میں نہیں جانتا ہوں کہ اہل سنت میں بلکہ اہل اسلام میں کوئی صاحب علم اس بات کا قائل ہو کہ اہل بدعت وہو اگرچہ اس کی بدعت حد کفر و شرک تک پہنچتی ہو اور ضروریات دین سے منکر ہو اس کے پیچھے اقتدار جائز اور نماز پڑھنی صحیح ہے جس قدر اقوال سلف صالحین وکتب فقہیہ مذاہب اربعہ جو میری زیر نظر ہیں کلہم یک زبان اس پر

متفق ہیں کہ عقائد کفریہ والے کے پیچھے نماز پڑھنی صحیح نہیں اس جگہ پر نمونہ از خروارو یکی از ہزار نقل کرتا ہوں ۔ منصف مزاج و عدالت پسند کو اسی قدر کافی ہیں ۔

اقوال فقہاء حنفیہ

محقق ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں ۔ الاقتداء باهل الاهواء جائز الا الجهمية والقدرية[1] والروافض الغالية والقائل بخلق القرآن والخطابية والمشبهة وجملته ان من كان اهل قبلتنا ولم يغل حتى لم يحكم بكفره تجوز الصلوٰة خلفه وتكره ولا تجوز الصلوٰة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين لانه كافر ۔ محقق زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں قال المرغيناني تجوز[2] الصلوٰة خلف صاحب هوى وبدعة ولا تجوز خلف الرافضي والجهمي والقدري والمشبه ومن يقول بخلق القرآن حاصله ان كان هوى لا يكفر به صاحبه يجوز مع الكراهة والا فلا ممدوح حاشیہ شرح وقایہ میں ہے الكراهة[3] في تقديم الفاسق تحريمية وكذا المبتدع فانه اشد من الفاسق من حيث العمل لان فسقه اعتقادي فان كان اعتقاده البدعي منجرا الى الكفر لم يجز الاقتداء به مطلقا ۔

اقوال علماء شافعیہ

امام نووی منہاج میں لکھتے ہیں لا یصح[4] اقتداء بمن يعلم بطلان صلوته ۔ شارح منہاج اس عبارت منہاج پر لکھتے ہیں ۔ کحدثه بكفره وحدث ۔ اور منہاج میں ہے ولو[5] بان امامه بعد الصلوٰة امرأة او كافرا معلنا قيل او مخفيا وجبت الاعادة قلت الاصح المنصوص وقول الجمهور ان مخفي الكفر هنا كمعلنه ۔ شیخ محمد رملی شافعی عبارت مذکورہ کی شرح میں لکھتا ہے لان الكافر

---

[1] اہل ہوا کے پیچھے نماز جائز ہے سوائے قدریہ وجہیہ روافض غالیہ اور خلق قرآن کے قائل اور خطابیہ اور مشبہ کے غرض کہ اہل قبلہ کی بدعت اگر حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو ان کے پیچھے نماز مع الکراہۃ جائز ہے اور شفاعت دیدار الٰہی و کراما الکاتبین و عذاب قبر کے منکر کے پیچھے نماز ناجائز ہے ۔ اس لئے کہ وہ کافر ہے ۱۲ ۔

[2] اہل ہوٰی اور اہل بدعت کے پیچھے نماز مع الکراہۃ جائز ہے اگر اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو جیسا کہ رافضی و جہمی و قدری و مشبہ اور جو خلق قرآن کے قائل ہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ۱۲ [3] فاسق مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے اور اگر بدعتی کی بدعت کفر تک پہنچتی ہو تو اسکے پیچھے مطلقاً نماز جائز نہیں ۱۲ [4] جس کی نماز کفر یا حدث سے باطل ہو اسکے پیچھے نماز صحیح نہیں ۱۲

[5] اگر امام نماز پڑھانے کے بعد معلوم ہو جائے کہ امام عورت یا کافر معلن تھا تو نماز کا اعادہ واجب ہے ۔ کیونکہ کافر نماز کا اہل نہیں قول صحیح و مذہب جمہور یہی ہے کہ کافر معلن ہو یا مخفی اعادہ واجب ہے ۱۲

غیر اھل للصلوۃ بحال حافظ ابن قیم جیوش میں لکھتے ہیں قول[1] الشافعیۃ فی وقت الامام ابی بکر بن بن محمود فقیہ نیسابور لا اصلی خلف من ینکر الصفاۃ ولا خلف من یقول بقول اھل الفساد ولا خلف من لم یثبت القرآن فی المصحف ولا یثبت النبوۃ قبل الماء والطین الی یوم الدین ولا یقر بان اللہ تعالیٰ فوق عرشہ بائن من خلقہ قسطلانی شرح صحیح بخاری میں ہے۔ واستثنی[2] الشافعیۃ مما سبق منکری العلم بالجزئیات وبالمعدوم ومن یصرح بالتجسیم فلا یجوز الاقتداء بھم کسائر الکفار امام مالک اور مالکیہ کا مذہب تو مشہور ہے کہ امامت کے واسطے آپ عدالت کو شرط جانتے ہیں آپ تو فاسق کے پیچھے بھی جائز نہیں جانتے ہیں بتدع جس کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہو اس کا تو کیا ذکر ہے قسطلانی شرح صحیح بخاری میں لکھتا ہے۔ خلافا[3] للمالکیۃ حیث قالوا بعدم صحۃ الصلوۃ خلف الفاسق بالجارحۃ وقال ابن بزیزۃ منھم المشھور اعادۃ من صلی خلف صاحب کبیرۃ واما الفاسق بالاعتقاد کالحروری القدری فیعید من صلی خلفہ فی الوقت علی المشھور۔

اقوال حنابلہ

موفق الدین ابن قدامہ مقدسی مقنع میں لکھتے ہیں۔ وھل[4] تصح امامۃ الفاسق والاقلف علی روایتین شارح لکھتا ہے احدھما لا تصح امامۃ الفاسق لحدیث جابر مرفوعا لا تؤمن امراۃ رجلا ولا اعرابی مہاجرا ولا فاجر مؤمنا الا ان یقھرہ بسلطان یخاف سوطہ وسیفہ رواہ ابن ماجۃ ولا فرق بین ان یکون فسقہ من جھۃ الاعتقاد ومن جھۃ الافعال متی کان یعلن بدعتہ ویتکلم بھا ویناظر علیھا لم تصح والثانیۃ یصح مع الکراھۃ پھر ماتن لکھتا ہے۔

---

[1] اپنے وقت کے امام محمد بن محمود فرماتے ہیں جو شخص صفات سے منکر ہو یا اہل ہوئے کے قول کا قائل ہو یا قرآن شریف کو مصحف میں ثابت نہیں جانتا ہے یا نبوت کو پانی و کیچڑ کے قبل ثابت نہیں کرتا یا اللہ کی فوقیت علی العرش و بینونت عن المخلوقات کا قائل نہیں اسکے پیچھے میں نماز نہیں پڑھتا ہوں ۱۲ [2] جو شخص کہے کہ اللہ تم کو جزئیات و معدوبات کا علم نہیں یا اللہ کے واسطے جسم ہے شافعیہ اس کے پیچھے نماز کو ناجائز جانتے ہیں جیسا کہ اور کفار وں کے پیچھے ناجائز کہتے ہیں ۱۲ [3] مالکیہ کہتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز صحیح نہیں ابن بزیزہ مالکی نے کہا ہے کہ مالک کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ صاحب کبیرہ اور فاسق اعتقادی کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کا اعادہ کرے ۱۲ [4] فاسق کی امامت میں حنابلہ کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث مرفوع میں ہے کہ عورت مرد کی اور اعرابی مہاجر کی اور فاجر مؤمن کی امامت نہ کرے۔ مگر جب مجبور کرے اس کو ایسا بادشاہ کہ جس کی تلوار کا خوف ہو اور فسق عملی و اعتقادی میں فرق نہیں جب بدعتی بدعت کے ساتھ اعلان کرتا ہے اور اس پر بحث و مناظرہ کرتا ہے اس کی امامت صحیح نہیں اور ایک قول ہے کہ صحیح مع الکراہتہ ہے ۱۲

ولا تصح[1] الصلوٰۃ خلف کافر ولا اخرس اس پر شارح لکھتا ہے لانها[2] تفتقر الی النیۃ والوضوء وهما لا یصحان من الکافر علامہ موسی بن احمد مقدسی اقناع میں (جو حنابلہ کی فقہ میں معتبر کتاب ہے) لکھتے ہیں ولا یصح[3] امامۃ فاسق بفعل او اعتقاد ولو کان مستورا ولو بمثله اذا علم شارح لکھتا ہے اذا[4] علم فسق امامه واختار الشیخان البطلان مختصا بظاهر الفسق دون خفیه قال فی الوجیز لا تصح خلف الفاسق المشهور فسقه لکن ظاهر کلامه وهو المذهب مطلقا قاله فی المبدع پھر اقناع والا لکھتا ہے ولا[5] تصح خلف کافر ولو ببدعۃ مکفرۃ ولو اسره شارح لکھتا ہے ای الکفر فجهل المأموم کفره ثم تبین له لان صلوته لا تصح لنفسه فلا تصح لغیره ولعموم قوله علیه الصلوٰۃ والسلام لا یؤمن فاجر مؤمنا تقی الدین محمد بن شیخ الاسلام احمد حنبلی منتہی اور اس کا شارح شرح میں لکھتے ہیں۔ ولا تصح[6] صلوٰۃ خلف اخرس ولو باخرس لانه لم یات بفرض القراءۃ ولا بدله ولا تصح خلف کافر ولو مع جهل کفره ثم علم لانه لا تصح صلوته لنفسه فلا تصح لغیره سواء کان اصلا او مرتدا من جهۃ بدعته او غیرها۔ یہ روایات تو دریا سے قطرہ ہیں اگر کل نقل کی جاویں تو ایک بڑی کتاب بن جاوے گی۔ غرضکہ احقر کو آج تک معلوم نہیں کہ اہل سنت جماعت بلکہ اہل اسلام میں کوئی بھی اہل علم اس بات کا قائل ہو کہ اہل بدعت (اگرچہ اس کی بدعت حد کفر و ارتداد تک پہنچی ہو) ان کے پیچھے نماز جائز ہے تعجب ہے کہ اسلام جو صحت نماز وغیرہ اعمال کے واسطے شرط ہے اس کا تو کچھ اعتبار ہی نہ ہو اور پاکی بدن و جامہ پر نماز کا دارومدار ہو۔ نماز کی فرضیت کا اقرار تو صحت نماز کے واسطے شرط ہو اور اللہ تبارک و تعالے کی توحید و تقدیس و صفات کا اقرار شرط نہ ہو۔ امام کی نجاست بدن یا کپڑے سے تو مقتدی کی نماز فاسد اور باطل ہو۔ اور عقیدے کی نجاست و خباثت سے جو بحکم آیہ کریمہ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ

---

[1] گنگے اور کافر کے پیچھے نماز صحیح نہیں ۱۲ [2] کیونکہ نماز نیت اور وضو کی طرف محتاج ہے اور یہ دونوں کافر سے صحیح نہیں ۱۲ [3] عملی فاسق ہو یا اعتقادی اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں اگرچہ معلن نہ ہو مگر اس کا فسق معلوم ہو ۱۲ [4] شیخین نے بطلان نماز کو فاسق مطلق کے سا[تھ] خاص کیا۔ فاسق خفی کو نکالا ہے وجیز میں ہے فاسق مشہور کے پیچھے نماز صحیح نہیں مگر مذہب اور آپ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ مطلقا فاسق کے پیچھے صحیح نہیں اسی طرح کتاب مبدع میں ہے ۱۲ [5] کافر اگرچہ بدعت کفرہ سے ہو اگرچہ اپنا کفر پوشیدہ رکھتا ہو اسکے پیچھے نماز صحیح نہیں کیونکہ اس کی نماز اپنے واسطے صحیح نہیں دوسرے کے واسطے کیونکہ صحیح ہو سکتی ہے حدیث شریف میں ہے کہ فاجر مومن کی امامت نہ کرے ۱۲ [6] گونگے اور کافر کے پیچھے نماز صحیح [نہیں] گونگے کے پیچھے اس لئے صحیح نہیں کہ وہ قرات جو فرض ہے ادا نہیں کر سکتا۔ اور کافر کے پیچھے اس لئے صحیح نہیں کہ اس کے واسطے اپنی نماز صحیح نہیں تو غیر کے واسطے کیونکر صحیح ہو سکتی ہے اصلی کافر ہو یا بدعت وغیرہ سے کافر ہو گیا ہو ۱۲۔

جبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ موجب حبط اعمال ہے اس سے مقتدی کی نماز کو نقصان ہی نہ ہو۔ واللہ خاکسار نے کتب اسلامیہ کی کسی کتاب میں یہ فرق نہیں دیکھا کہ امام کے اعتقادات اگرچہ کفریہ ہی ہوں مقتدی کی نماز کو ضرر نہیں دیتے اور اگر افعال شرائط نماز میں قصور کرے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوتی بلکہ بالعکس روایات موجود ہیں۔ فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطاوا فلکم وعلیھم یہ حدیث بھی افعال نماز کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اعتقادیات کا یہاں ذکر ہی نہیں اسی واسطے تو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس حدیث پر یہ باب وضع کیا۔ باب اذا لم یتم الامام واتم من خلفہ۔ اور سیاق و الفاظ حدیث بھی اسی پر تصریح کرتے ہیں جیسا کہ احمد کی روایت میں ہے۔ فان صلوا الصلوۃ لوقتھا واتمو الرکوع والسجود فھی لکم ولھم وان اخطاوا فلکم وعلیھم غرضیکہ یہ حدیث جائز کہنے والے کی دلیل نہیں بلکہ اس پر رد اور ان کے اصل کو توڑنے والی ہے اور یہ آیہ کریمہ وتعاونوا علی البر والتقوی میں بھی مخاطب ایمان والے ہیں نہ منافق و مشرک یعنے ایمان والے باہم بر و تقویٰ پر معاون رہیں۔ نہ کہ مشرک و مومن باہم بر و تقوی میں شریک رہیں۔ آیہ کریمہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ و آیہ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۔ و حدیث شریف انا لا نستعین بمشرک میں منافق و مشرک بر و تقوی کی شمولیت سے کیوں روکے گئے امام حسن بصری نے جو فرمایا صل وعلیہ بدعتہ سے یا تو بدعت عملی مراد ہے جیسا کہ عید میں نماز پر خطبہ کو مقدم کرنا اور عید کے دن عیدگاہ پر ممبر کو لے جانا اور اذان کے بعد اعلان ثانی کرنا اور جنازے کے واسطے جماعت جماعت کا پکارنا وغیرہ وغیرہ یا بدعت اعتقادی غیر مکفرہ کیونکہ اگر بدعت مکفرہ مراد ہوتی تو کہتے صل وعلیہ کفرہ۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے قول میں اذا احسن الناس فاحسن معھم میں الف لام عہدی ہے آپ کی مراد ناس سے باغی لوگ ہیں کیونکہ آپ سے سوال باغیوں کا تھا جن کے پیچھے اس وقت کے لوگ نماز مکروہ جانتے تھے مگر عثمان رضی اللہ عنہ جائز جانتے جیسا کہ سیف کتاب الفتوح میں یوسف انصاری سے روایت کرتا ہے کرہ الناس الصلوۃ خلف الذین حصروا عثمان الا عثمان۔ کہاں بادشاہ سے باغی ہونا اور کہاں بدعت مکفرہ میں پہنچانا۔ وہ گناہ ہے اور یہ کفر و زندقت جائز کہنے والے کے پاس یہی چار دلیلیں ہیں۔ جو

پیش کرتا ہے مگر در حقیقت اس کے دعوے کی کوئی بھی مویدو مفید مطلب نہیں اور حدیث صلوا خلف کل بر وفاجر تو باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ چونکہ مبتدع بہ بدعات اعتقادیہ کے اعمال بحکم احادیث صحیحہ نبویہ کے غیر مقبول ہیں اور حدیث ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم رواہ الحاکم مقتدی کی قبولیت نماز کا مدار امام کی خیریت (اہل سنت ہونے) پر ہے اور حدیث لا یؤمن فاجر مومنا رواہ ابن ماجۃ وحدیث لا یؤمنکم ذوجراۃ فی دینہ رواہ ائمۃ اھل البیت فی کتبھم عن علی رضی اللہ عنہ مرفوعا اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت کے دلائل ہیں۔ ہر چند یہ روایات محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں، مگر اہل علم کا اتفاق مبتدع کے پیچھے اقتداء کی کراہت پر دلیل بین ہے کہ ان احادیث کے واسطے اصل ہے جیسا کہ شوکانی نیل میں لکھا ہے واعلم ان محل النزاع انما ھو فی صحۃ الجماعۃ بعد من لا عدالۃ لہ واما انھا مکروھۃ فلا خلاف فی ذلک کراہت بھی تحریمی ہے۔ عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔ الکراھۃ فی تقدیم الفاسق تحریمیۃ وکذا المبتدع فانہ اشد من الفاسق فی العمل سچ پوچھو تو دلائل کے رو سے امام مالک و محققین حنابلہ کا قول کہ اعتقادی مبتدع کے پیچھے نماز صحیح ہی نہیں۔ راجح اور قوی معلوم ہوتا ہے اور بہت سلف صالحین سے بھی یہی مروی ہے۔ اقناع اور شرح اقناع میں جو فقہ حنابلہ میں معتبر کتابیں ہیں لکھا ہے ولا یصح[1] امامۃ فاسق بفعل کزان وسارق وشارب خمر ونمام ونحوہ او اعتقاد کخارجی ورافضی ولو کان مستورا لقولہ تعالٰی اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ۔ اور منتہی اور اس کی شرح میں ہے ولا تصح[2] امامۃ فاسق مطلقا ای سواء کان فسقہ بالاعتقاد او الافعال المحرمۃ ویعید من صلی خلف فاسق مطلقا۔ اور اقناع اور شرح اقناع و مقنع اور اس کے شرح کی عبارات پہلے نقل کر چکا ہوں یہ سب مذہب حنابلہ میں معتبر کتابیں ہیں۔ امام بخاری خلق افعال العباد میں لکھتے ہیں وقال[3] علی بن عبد اللہ النقی ان کلام اللہ من قال انہ مخلوق فھو کافر لا یصلی خلفہ وقال

---

[1] فاسق عملی تند زانی و چور و شرابی و چغل خور وغیرہ فاسق اعتقادی تند خارجی و رافضی وغیرہ کے پیچھے نماز صحیح نہیں اگرچہ فسق اسکا مشہور نہ ہو کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مومن اور فاسق برابر نہیں ۱۲ [2] فاسق کی امامت مطلقا صحیح نہیں فسق اسکا عملی ہو یا اعتقادی جو کوئی فاسق کے پیچھے نماز پڑھے اس نماز کا اعادہ کرے ۱۲ [3] علی بن عبد اللہ نے کہا کہ قرآن شریف اللہ تبارک و تعالٰی کی کلام ہے جو کوئی اسکو مخلوق کہے وہ کافر ہے اسکے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے اور عبید اللہ بن عائشہ نے کہا جو کوئی قرآن شریف کو مخلوق کہے اسکی عزت نہیں اسکے پیچھے جو قرآن شریف کو مخلوق کہتا ہے نماز کا اعادہ کرے۔ عبد اللہ بن ادریس سے کسی نے جہمیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا ان کے پیچھے نماز پڑھی جاوے اور نکاح دیا جاوے ان پر توبہ لازم ہے ۱۲

عبید اللہ بن عائشۃ لا تصل خلف من قال القراٰن مخلوق ولا کرامۃ لہ وقال سیمان بن داؤد الھاشمی وسھل بن مزاحم من صلی خلف من یقول القراٰن مخلوق اعاد الصلوۃ وسئل عبد اللہ بن ادریس عن الصلوۃ خلف الجھمیۃ قال ھٰؤلاءِ لا یصلی خلفھم ولا ینا کحون وعلیھم التوبۃ امام بخاری فرماتے ہیں[1] ما ابالی صلیت خلف الجھمی والرافضی ام صلیت خلف الیھود والنصاری ولا یسلم علیھم ولا یعادون ولا ینا کحون ولا یشھدون ولا یوکل ذبائحھم۔ یہ سب عبارات امام بخاری کے خلق افعال العباد کی ہیں۔ ابوداؤد میں ربیع بن خالد سے روایت ہے[2] قال سمعت الحجاج یخطب فقال فی خطبتہ رسول احدکم فی حاجتہ اکرم علیہ ام خلیفتہ فی اھلہ فقلت فی نفسی للہ علیّ ان لا اصلی خلفک صلوۃ ابدا وان وجدت قوما یجاھدونک لاجاھدنک معھم ترمذی میں مجاہد سے روایت ہے[3] قال دخلت مع عبد اللہ بن عمر مسجدا وقد اذن فیہ ونحن نریدان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبد اللہ بن عمرؓ من المسجد وقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ۔ مسلم میں ہے جب مروان نے برخلاف سنت نبویہ کے خطبہ نماز عید سے پہلے سنانا شروع کیا ابوسعید خدری رضؓ کہتے ہیں ایک بار ایسا ہوا کہ میں مروان کے ساتھ عیدگاہ میں گیا تو وہ مجھ کو منبر کی طرف کھینچنے لگا اور میں اسے نماز کی طرف کھینچتا تھا۔ سو جب میں نے اسکو ایسا کرتے دیکھا تو میں نے اس کو کہا کہ نماز پہلے پڑھنا (جو سنت ہے) کہاں چلا گیا اس نے کہا[4] لا یا ابا سعید قد ترک ما تعلم قلت کلا والذی نفسی بیدہ لا تاتون بخیر مما اعلم ثلاث مرار ثم انصرف اس پر طیبیؒ شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں۔ ای قال ابو سعید ذلک ثم انصرف ولم یحضر الجماعۃ۔ ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب حررہ عبد الجبار غزنوی عفی عنہ۔ فتاویٰ غزنویہ ص ۴۸

---

[1] امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں جہمی رافضی کے پیچھے نماز پڑھنی اور یہودی نصرانی کے پیچھے پڑھنی برابر جانتا ہوں نہ ان کو سلام علیکم کہا جائے نہ بیمار پرسی کیجائے اور نہ ان سے نکاح کیا جاوے نہ گواہ بنایا جائے اور نہ انکے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا جاوے ۱۲ [2] میں نے حجاج سے سنا کہ اپنے خطبہ کہتا تھا کسی کا بھیجا ہوا اپنے کام میں بہت عزت والا ہوتا ہے اس پر یا جس کو اپنے گھر میں خلیفہ چھوڑے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نذر ہے مجھ پر کہ میں کبھی تیرے پیچھے نماز نہیں پڑھونگا اگر میں نے کسی قوم کو تیرے ساتھ لڑنے والا پایا میں انکے ساتھ ہو کر تیرے ساتھ لڑونگا [3] مجاہد نے کہا میں عبد اللہ بن عمر کے ساتھ مسجد میں گیا اور ہم اس میں نماز پڑھنے کو تھے جو مؤذن نے تثویب کہی (یعنے اذان کے بعد دوبارہ نماز کا اعلان کیا) تو عبد اللہ بن عمرؓ مسجد سے نکلے اور کہا ہمکو اس بدعتی کے پاس سے لے چلو اور وہاں نماز نہ پڑھی ۱۲ [4] مروان نے کہا اے ابوسعید نہیں جو باتیں آپ جانتے ہیں وہ جاتی رہیں میں نے کہا ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے جو کچھ میں جانتا ہوں تم اس سے بہتر نہیں لاؤ گے تین دفعہ یہ کہکر چلدئے اس پر طیبی شارح لکھتا ہے کہ ابوسعید تین یہ بات کہہ کر چل دیئے اور جماعت میں شامل نہ ہوئے ۱۲۔

باب امامۃ الرجل للنساء اذا لم یکن معہن رجل غیرہ

صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ مرد اگر عورتوں ہی کو نماز عید یا غیر ہا پڑھاوے جائز ہے۔ اور عورتوں کو اس وقت چادر اور برقعے کا پردہ کافی ہے روضۃ الندیہ میں ہے اخرج الاسمٰعیلی عن عائشۃ انہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجع من المسجد صلی بنا وکانت النساء تصلین خلف صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجدہ ولیس فی صلوٰۃ النساء خلف الرجال مع الرجال نزاع انما الخلاف فی صلوٰۃ الرجل بالنساء فقط ومن زعم ان ذلک لا یصح فعلیہ الدلیل اور منہاج السنہ میں ہے عن عرفجۃ[2] قال کان علی ابن ابی طالب یامر الناس بقیام شہر رمضان ویجعل للرجال اماما وللنساء اماما قال عرفجۃ فکنت انا امام النساء رواہ البیہقی فی سننہ اور در مختار میں ہے۔ تکرہ امامۃ الرجل لہن اذا لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم منہ کاختہ او زوجتہ او امتہ اما اذا کان معہن واحد ممن ذکر او امہن المسجد لا یکرہ۔ حررہ عبد الجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما۔ فتاوی غزنوی ص ۲۲۵

سوال:۔ مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا منع ہے؟

جواب:۔ مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی حدیث سے مسکوت عنہ ہے اور اصل مسکوت عنہ میں جواز و اباحت ہے پس جواز ثابت ہوگا۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۳۴۷

---

[1] اسمٰعیلی نے عائشہ رض سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے واپس آئے تو ہم کو نماز پڑھاتے اور عورتیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد میں بھی نماز پڑھا کرتی تھیں اور عورتوں کا مردوں کے ساتھ ہو کر مردوں کے پیچھے نماز پڑھنا اس میں کوئی نزاع نہیں اختلاف تو اس میں ہے کہ مرد صرف عورتوں ہی کو نماز پڑھاوے سو جو کوئی اسکو جائز نہیں کہتا وہ دلیل لاوے ۱۲ [2] امام بیہقی نے اپنی سنن میں عرفجہ سے روایت کی ہے کہ علی ابن ابی طالب لوگوں کو رمضان شریف کے قیام کا حکم دیتے تھے اور مردوں کے لئے علیحدہ اور عورتوں کے لئے علیحدہ امام مقرر کرتے تھے عرفجہ نے کہا میں عورتوں کا امام تھا ۱۲ [3] مرد کو عورتوں کی امامت تب مکروہ ہے جب ان کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور مرد نہ ہو اور نہ کوئی ان عورتوں میں سے امام کی محرم ہو جیسے امام کی بہن یا بیوی یا لونڈی اور جب ان کے ساتھ ان مذکورین میں سے ایک بھی ہو اور وہ ان کی مسجد میں امامت کراوے تو کوئی مکروہ نہیں ۱۲۔

سوال:۔ جذامی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں جذامی نماز میں شامل ہو سکتا ہے اور اسکو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جذام جسمانی بیماری ہے۔ شرعی عیب نہیں اس لئے اس کی امامت بھی صحیح ہے جماعت میں شرکت کر سکتا ہے۔ جبراً مسجد سے نہیں نکالا جائے گا ہاں کسی شخص کو اس سے طبعی نفرت ہو تو بحکم فرمن المجذوم فرارك من الاسد (مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو) ساتھ ملنے ملانے سے پرہیز کرے تو گناہ نہیں۔ (۵ رمضان ۱۳۵۵ھ)

فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۵

سوال:۔ کیا امام مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچا کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ امام کو مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہونا بجز کسی خاص اہم ضرورت کے جائز نہیں۔ دار قطنی میں روایت ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شئ والناس خلفه یعنی اسفل منه یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ امام مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہو۔ ۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰

سوال:۔ امام سر پر ٹوپی اوڑھ کر فرض باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ٹوپی پہن کر نماز جائز ہے۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۹

سوال:۔ امام نصف آستین والی قمیض سے نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایسی قمیض میں نماز پڑھا سکتا ہے جس سے کندھے ڈھکے ہوئے ہوں۔ حدیث شریف میں ہے لا یصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه منه شئ (بخاری) کوئی شخص ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھے جس کا کوئی حصہ کندھوں پر نہ ہو۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء

فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۹

سوال :۔ میرے پاس قمیض، پاجامہ، کوٹ وغیرہ ہے گرمی کی وجہ سے ایک رومال اوڑھ کر اور پاجامہ پہن کر نماز پڑھاتا ہوں۔ نصف حصہ پیٹ کا اور ناف کے نیچے چار انگل اور کبھی دو انگل کھلا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں نماز ہوتی ہے یا نہیں ؟۔

جواب :۔ ستر کی جگہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی، مگر افضل یہ ہے کہ کپڑے پہن کر نماز پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ عمل اسی پر رہا ہے اللہ اعلم ! (۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ء)

فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۳

سوال :۔ ایک حنفی مولانا صاحب کہتے ہیں کہ شافعی امام کے پیچھے حنفی کی نماز عیدین نہیں ہوتی۔ کیونکہ حنفی کے نزدیک واجب ہے اور شافعی کے نزدیک سنت موکدہ ہے اس لئے قرآن و حدیث سے جواب دیجئے

جواب :۔ عیدین میں بھی حنفی کو شافعی کی اقتدا جائز ہے جیسا کہ رمضان میں اقتدا شافعی کے پیچھے جائز ہے کیونکہ شافعیوں کے نزدیک وتر سنت ہیں یہ کوئی وجہ نہیں کہ کوئی فریق ایک نماز کو واجب کہتا ہے یا سنت اول تو اس لئے کہ یہ اصطلاحات زمانہ رسالت سے بعد کی ہیں۔ اس حد تک قابل اعتماد نہیں ہے کہ ان پر بناءِ شرعی رکھی جائے۔ دوسرے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ امام نفل پڑھتا تھا اور مقتدی فرض پڑھا کرتے تھے چنانچہ معاذ والی حدیث میں صاف تصریح ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض ادا کر کے اپنے مقتدیوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے جو یقیناً معاذ کے نفل تھے اور اقتدا کنندگان کے فرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر منع نہیں فرمایا۔ اللہ اعلم (۱ مئی ۱۹۳۸ء) فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۰

سوال :۔ زید ایک مسجد کا متولی ہے اس نے عمرو کو جو کہ بالکل نو عمر ہے اس کی قرأت بھی اچھی نہیں امام مقرر کیا امام موصوف سے کل جماعت کے لوگ ناراض ہیں۔ مگر چونکہ متولی موصوف ایک رئیس آدمی ہیں اور امام صاحب کی تنخواہ وغیرہ کا سب انتظام کرتے ہیں۔ اس لئے لوگ صرف اوپر دل سے ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں اور لحاظ سے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں تو ایسی صورت میں متولی صاحب کو امام مذکور کا رکھنا اور لوگوں کا اس طرح نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟۔

جواب :۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنْ سَرَّكُمْ اَنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ اگر تم چاہتے ہو

کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو اپنے امام اپنے سے بہتر بناؤ (طبرانی) دوسری حدیث میں آیا ہے۔ ثلاثة لا یجاوز صلوتهم اذا نهم. تین آدمی ہیں جن کی نماز ان کے کانوں کے برابر نہیں جاتی۔ فرمایا ان میں سے ایک امام قوم وهم له کارهون (ترمذی) قوم کا وہ امام جس سے مقتدی ناراض ہوں۔

صورت مسئولہ میں متولی کو چاہیے کہ وہ اپنا مافی الضمیر کھلے لفظوں میں ظاہر کریں۔ متولی کو کیا خبر ہے وہ تو ظاہر پر عمل کرے گا۔ اللہ اعلم (۵ راگست ۱۹۳۸ء) فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۹

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدعتی عالم امام کے پیچھے اقتدا کرنا خصوصاً صلوات خمسہ میں کوئی حرج ہے یا نہیں علی ہذا القیاس وعظ و پند اگر بدعتی عالم کا استماع میں لا دین تو کیا مضائقہ کی بات ہے ممکن ہے کہ سامعین جو باتیں کہ وعظ کے اندر خلاف کتاب اللہ و سنت رسول کے ہوں خیال میں نہ لاویں بقیہ باتیں خیال میں لاویں، ورنہ سامعین بدعتی ہوں گے (مرشد) تعجب ہے کہ مومنین کے اندر تفرقہ ڈالنا اور ثواب سے ایسی خیر و برکت کی چیزوں سے محروم رکھنا ہمارے نزدیک منقولہ سے خصم کی نفسانیت صادر ہوتی ہے یا نہیں اس وجہ سے کہ بغیر خوض و فکر کے کسی کو بدعتی بنا دینا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت کہ دستار فضیلت کا فرق مبارک پر رکھا گیا ہوگا من جانب اللہ کلید سقر کی ان کے ید مبارک میں دے دی گئی ہوگی۔ پس اختیار ہے جسے چاہنا دوزخ کے دخول کا حکم دے دینا بھلا غور تو کیجیے کہ لفظ بدعت کا کسی کی شان میں نہ نکالنا گویا اس کے دوزخی ہونے کا ثبوت کرنا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعتی عالم امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے یا نہیں ،اور وعظ و پند میں ہونگے یا نہیں؟

جواب:۔ واضح ہو کہ بموجب حدیث شریف کے بدعتی کو قصداً امام بنانا نہیں چاہیے بلکہ اپنے میں سے جو اچھا شخص ہو اس کو امام بنانا چاہیے عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا ائمتکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواه الدارقطنی کذا فی المنتقی۔ اور بوقت ضرورت اگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے۔ مثلاً وہ حاکم یا رئیس ہے اور اگر اس کا خلاف کرتے ہیں تو فتنہ اور فساد زیادہ ہو جاتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کے باب امامة المفتون والمبتدع میں مذکور ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا انک امام عامة ونزل بک ماتری ویصلی لنا امام فتنة ونتحرج یعنی آپ امام عامہ ہیں اور آپ پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اسے آپ دیکھ رہے ہیں اور

ہم کو امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہم گناہ سمجھتے ہیں اس وقت حضرت عثمان نے فرمایا الصلوٰۃ احسن مایعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم۔ یعنی لوگوں کے سب عملوں سے اچھا عمل نماز ہے جب لوگ نماز پڑھیں تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو۔ یہ اس لئے فرمایا تاکہ فتنہ زیادہ نہ ہو پس جب ایسا موقع ہو تو بدعتی کے پیچھے اگر نماز پڑھ لیں تو درست ہے اور ایسی حالت پہ یہ حدیث محمول ہے۔ الصلوٰۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم براکان او فاجراً۔ یعنی ضرورت کے وقت فاجر کے پیچھے نماز واجب ہو جاتی ہے۔ وعظ کے سننے اور سنانے کا فائدہ یہی ہے کہ ہدایت ہو لوگ شرک و بدعت اور معاصی سے بچیں توحید و اتباع سنت کو لازم پکڑیں اور ظاہر ہے کہ بدعتی مولویوں کے وعظ سے بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلتی ہے ان کے بدعتی وعظ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ سنت کو چھوڑتے ہیں اور طرح طرح کی خرابیاں ہوتی ہیں کما لایخفی۔ رہا یہ خیال کہ ”بدعتی مولویوں کے وعظ کے اندر جو باتیں خلاف قرآن وحدیث ہوں ان کو سامعین خیال میں نہ لاویں اور باقی باتوں کو خیال میں لاویں، صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں کہ کون بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور کون موافق اور جس کو اس کی تمیز ہوا سے خلاف اور ناحق اور منکر باتوں کو سن کر انکار کرنا چاہیئے ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے ہاتھ اور زبان سے انکار کی یہی صورت ہے کہ اس بدعتی واعظ کو بدعتی وعظ سے روکے اور دل سے انکار کی یہ صورت ہے کہ اس کی مجلس وعظ میں شریک نہ ہو۔ الحاصل بدعتی مولویوں کا بدعتی وعظ سننا نہیں چاہیئے واللہ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ ابن عباس رضؓ کی حدیث مذکور جو دارقطنی سے منقول ہوئی ہے وہ ضعیف ہے مگر اس کی تائید انس رضؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے عن انس بن مالک قال کان رجل من الانصار یؤمھم فی مسجد قبا الحدیث وفیہ وکانوا یرونہ افضلھم وکرھوا ان یؤمھم غیرہ الخ۔ اخرجہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن غریب من ہذا الوجہ من حدیث عبید اللہ بن عمر عن ثابت البنانی (جا مع ترمذی صفحہ ۴۲)

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۲۳۹

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ نماز تراویح میں امامت لڑکے نابالغ کی اور اس کے پیچھے تراویح جائز و درست ہے یا نہیں۔

رہے، وہ دو صورت سے متصور ہے، یا بطور نل آہنی کے، یا دو میزاب کا ایک کر دیا جائے، کس واسطے کہ احقر ...... اس موقع کو خود جا کر دیکھ آیا ہے، اس میں توہین مسجد کا تو احتمال ہی نہیں، اگر ہے، تو بدبو کا ہے، اس کو رفع کرنا بحق مسجد جملہ مسلمین کو لازم ہے، اور چونکہ بحکم شرع شریف ہر ذی حق کو اسکا حق دلوانا چاہیئے، تو ہندہ کی حق تلفی کیوں کر جائز ہوگی، کافر کا بھی حق دلوانا شارع علیہ السلام کا کام ہے، پس بفتوے علمار کرام ہندہ پر جبر نہیں پہنچتا، ہاں ہندہ اگر برضا مندی خود اپنا حق چھوڑ دے اور مسجد کی عظمت کا خیال کرکے پر نالہ کیا، بلکہ سارا مکان ہی اپنا قربان کر دے مسجد پر تو عند اللہ ماجور و مثاب ہوگی، جنت میں درجات عالیہ کی مستحق ہوگی، مگر یہ بات دوسری ہے، اور حکم اور ہے۔ اس میں ہندہ کی کیا خصوصیت ہے، ہر مسلمان کو یہی چاہیئے کہ مسجد کی تنظیف و تطہیر میں کوشش کرے اور اس کی ترقی چاہے، مگر اس پر کسی کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا، ایسا ہی ہندہ متساوی الاقدام ہے۔ یہ تشریح ہے عبارات مسطورہ بالا کی جو علمار نے تحریر فرمائی ہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ کرامت اللہ عفا اللہ عنہ الجواب صحیح محمد بشیر عفی عنہ

سید محمد عبد السلام غفر لہٗ | سید محمد ابو الحسن

فتاوی نذیریہ ص ۲۰۷ ج ۱

سوال: جس مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، بلکہ اس کی زمین خراجی ہے اور یہ زمین فی الحال ایک ہندو کے پاس گرو ہے، اور مرتہن نیلام کے لیے مستعد ہے، فقط مسلمانوں کے ڈر سے نیلام نہیں کرتا ہے۔ ایسی زمین میں مسجد درست ہے یا نہیں، اور مسجد کیسی زمین میں ہونی چاہیئے اور وقف کی کیا تعریف ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: زمین مذکورہ میں مسجد بنانا درست نہیں ہے، اس واسطے کہ جس زمین میں مسجد بنائی جاوے اس زمین کا وقف ہونا ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں زمین مذکور وقف نہیں ہے۔ اور وقف کی تعریف یہ ہے:۔ هو حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة ولو في الجملة یعنی حبس کرنا عین کو ملک واقف کے حکم پر اور صدقہ کرنا منفعت کا، اگرچہ فی الجملہ ہو، اور صاحبین کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے:۔ هو حبسها على حكم ملك الله وصرف منفعتها على من احب ولو غنيا فيلزم فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى كذا في الدر المختار یعنی حبس کرنا عین اللہ کے ملک کے حکم پر، اور صرف کرنا اس منفعت کا جس پر چاہے، اگرچہ وہ غنی ہو، پھر جب

اس کے کہا والفاسق لانہ یہتم لامر دینہ ولان فی تقدیم ہؤلاء تنفیر الجماعۃ فیکرہ وان تقدموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف بر وفاجر اور کبیری میں ہے ویکرہ تقدیم الفاسق لتساہلہ بالامور الدینیۃ وان تقدموا جاز یعنی جازت الصلوٰۃ ورا ہم مع الکراہۃ ولا تفسد و فی الفاسق خلاف مالک فان عندہ لاتصح امامۃ والاقتداء بہ وکذا عند احمد فی روایۃ اور یہ بھی اسی میں ہے وفیہ اشارۃ الی انہ لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم اور یہ جو جواز مع الکراہۃ درصورت تقدم ہے مطلق کراہۃ مروی ہے اور مراد اس سے تحریمی ہوتی ہے اور جنہوں نے قید تنزیہی کی لگائی ہے جیسے درالمختار میں ہے ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد و العلۃ ما قدمناہ من تقدم البحر الاصلی اذ الکراہۃ تنزیہۃ و فاسق ان لوگوں نے اس کی علت میں صلوٰۃ سلف کی ظلمہ کے پیچھے جیسے حجاج وغیرہ کی مثال دی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی درصورت ضرورت ہے کہ امام کو بدل نہیں سکتے۔ ترک جماعت کر نہیں سکتے اور دونوں صورتوں میں ظن فتنہ کا ہے۔ اور یہ صورت اس زمانہ میں مفقود اور مطلق صلوٰۃ خلف الفاسق میں قید خوف فتنہ کی لگ گئی ہے اور اگر تحرز ممکن ہو تو اس سے تحرز کرے جیسا کبیری میں ہے لکن قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بہ الا فی الجمعۃ للضرورۃ فیہا بخلاف سائر الصلوٰۃ لتمکن فی التحول الی مسجد آخر فیما سوی الجمعۃ۔ اور آگے بڑھ کر جواز تعدد جمعہ کا ذکر کیا اور اس عذر کو بھی دفع کیا غرضکہ اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ بے ضرورت اور بدون کسی حرج کے نماز فاسق کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے اور اس سے بچنا چاہئے۔ اور بضرورت خوف فتنہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر اتفاقاً کوئی فاسق کہیں امام ہو گیا یا کسی نے جہل کے سبب اس کو امام مقرر کر لیا تو جماعت کو لازم ہے کہ اس کو بدل دیں ورنہ تقدیم فاسق کی ان کے ذمہ لازم ہے اور اگر بدل نہیں سکتے تو کسی اور جگہ جا کر نماز پڑھ لیا کریں جیسا اوپر گذرا۔

محمد یعقوب	مدرس مدرسہ دیوبند عربی
محمد عبدالرب	رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

ماحصل جواب مجیب ثانی کے سے تطبیق دونوں قولوں کی یعنی مکروہ تحریمیہ و مکروہ تنزیہیہ والا کی خوب ثابت ہوئی حق یہ ہے کہ معنے یہ ہے کہ بلا ضرورت اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھیں تو مکروہ تحریمیہ ہے ورنہ تنزیہیہ اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں کچھ ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مسجد میں نہ پڑھے دوسری میں پڑھے اور بھی اہل مسجد کو اختیار ہے کہ امام کو بدل دیں پس باوجود ان سب اختیارات

کے جو کوئی امام فاسق کے پیچھے ہمیشہ نماز پڑھے وہ بلاشبہ مکروہ تحریمہ ہے۔ الجواب صحیح محمد نور اللہ متوطن گلاوٹی۔ ابو الخیرات سید احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی دیوبند۔

اصاب من اجاب محمد محمود دیوبندی عفی عنہ۔ حیدر علی ۱۲۸۴

محصول قول ما حصل کا صحیح ہے کہ فاسق کو امام کرنا کچھ ضرور نہیں متقی شخص ہونے کے واسطے اس کے امام کرنے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے اور واجب ہے مسلمانوں پر اہانت کرنی اس کی از روئے شرع کے چنانچہ یہ بات کتب فقہ سے ثابت ہے کہ امامت غلام اور اعرابی اور فاسق اور نابینا کی مکروہ ہے مگر کہ یہ لوگ سوائے فاسق کے اعلم قوم ہوں۔ اور فاسق اگر اعلم قوم ہو تو بھی اسے امام نہ کرنا چاہئے کہ اس کی امامت میں تعظیم و توقیر ہے۔ اور تحقیق واجب ہے لوگوں پر اہانت کرنی اس کی پس اس مضمون سے کراہت تحریمی صاف معلوم ہوئی جیسے کہ عبارت درالمختار اور طحطاوی حاشیہ اس کے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ عبارتہما الاان یکون ای غیر الفاسق اعلم القوم فہو اولی کذافی الدر المختار قولہ الاان یکون ای غیر الفاسق وہو العبد والاعمی والاعرابی الفاسق الاعلم فلا یقوم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا ومفاد ہذا الکراہۃ کراہۃ تحریم کذافی الطحطاوی فقط حررہ سید عبد الحمید عفی عنہ یکے از طالب العلمان مدرسہ کلکتہ وارد حال مظفر نگر و کھاتولی۔

البتہ نماز پڑھنی پیچھے ایسے شخص کے جو فاسق ہووے اور علانیہ فسق کرتا ہو مثل راگ مزامیر سے یا رنڈی کی زبان سے یا بھنگڑ یا شرابی یا گور پرست یا تعزیہ بنانے والا ہووے یا ان لوگوں میں شامل رہتا ہے یعنی اس میں مدد کرتا ہے البتہ ایسے شخصوں کے پیچھے نماز درست نہیں فتاوی تمرتاشی ۹۸ صفحہ میں ہے ولو کان اماما فاسقا لایجوز اقتداءہ۔ اور فتاوی کاشانی کے ۱۰۹ صفحہ میں ہے ولو کان اہل السکر واہل الفسق لایجوز الصلوٰۃ عقیبہ ہر انسان دیندار کو مناسب ہے کہ امام دیندار اور متقی صاحب ورع کو بناویں حررہ فقیر محمد رمضان ساکن قصبہ بوڑیہ۔ ہذا الجواب صحیح فقیر اللہ داد ساکن قندھار۔

فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۲۹۵

سوال:۔ ایک شخص تاڑی پیتا ہے اور قمار باز اور زناکار و افیون کھاتا ہے۔ اور اپنی عورت کو پردہ میں نہیں رکھتا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب :۔ شخص مذکور تاڑی پینے والا قمار باز زنا کار افیون کھانے والا مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور دیوث اور بے حیا کہ زوجہ اپنی کو پردہ میں نہیں رکھتا الدیوث ہو من لایغار علی امراتہ او محرمہ کذا فی کتب الفقہ والحدیث ۔ اور شخص مذکور کو امام بنانا درست نہیں کہ وہ واجب الاہانت ہے اور امامت میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ تو دیدہ دانستہ امام بنانا اس کا گناہ ہوگا ۔ اما الفاسق فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا ومفادہ کراہتہ التحریم آہ ابو السعود کذا فی الطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور اس کے گھر کا کھانا کھانا ممنوع ہے۔ اس واسطے کہ مال اس کا کسب حرام سے حاصل ہوا اور فاسق معلن ہے پس بسبب ان دو وجہ کے دعوت اس کی یا ہدیہ اس کا درست نہیں۔ ولا یجب دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ وکذا دعوۃ من غالب مالہ حرام مالم یخبر انہ حلال و بالعکس مالم یتبین انہ حرام واکل الربوٰ وکاسب الحرام لو اہدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکل الی آخر ما فی الطحطاوی والعالمگیریۃ وغیرہما من کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب ۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۳۰۱

سوال :۔ شخصے خوانندہ سحر آموز یدو برائے آں نزد بت رفتہ وسجدہ نمودہ وروغن سیاہ وسیندور بر آں بت انداختہ ازاں قشقہ بر پیشانی خود کشیدہ وتا الست ودو روز نزد آں بت معتکف نشستہ و در منتر خوانی مشغول ماندہ چونکہ مسلماناں رابر آں اطلاع گردید او را زجر و ملامت کردند کہ ایں چہ نادانی نمودی گفتہ کہ ہر گناہ از خواندن کلمہ پنجم رفع می گردد خواہم خواند وحال آنکہ مشار الیہ بر ہماں فعل خود ثابت است وبازدیگراں را تعلیم سحر می کند وتحریص بر پرستش بہیرون می کند آیا پس او نماز خواندن درست است یا نہ بینوا توجروا۔

جواب :۔ درصورت مسئول عنہا باید دانست کہ نماز پس آں شخص ہرگز جائز نیست بلکہ او کافر است زیرا کہ کنندہ سحر کافر می شود چنانکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ در تفسیر خود در قام می فرمایند عبارتہ ہکذا باید دانست کہ حکم سحر مختلف است اگر سحر قولی یا فعلی کہ موجب کفر باشد مثل ذکر نام بتاں وارواح خبیثہ بہ تعظیمے کہ شایان حضرت رب العزۃ است مثل اثبات عموم علم وقدرت وغیب دانی ومشکل کشائی یا ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ وغیر ذلک واقع شود

بلاشبہ آن سحر کفر است وصاحب آن مرتد می شود وہمچنیں کسے کہ این نوع سحر برائے مطلبے از مطالب خود بکناند دیدہ ودانستہ کافر می گردد۔ واحکام ارتداد بروجاری است اگر مرد است اوراسہ روز مہلت باید داد تا توبہ کند واز اں قول وفعل تبرا نماید وبعد از سہ روز اگر توبہ از روئے درست نشد اورا باید کشت انتہے مافی فتح العزیز وہمچنیں در تفسیر مدارک نوشتہ است قال الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ القول بان السحر کفر علی الاطلاق خطار بل یجب البحث عن حقیقۃ فان کان فی ذلک رد مالزم فی شرط الایمان فہو کفر والافلاثم السحر الذی ہو کفر یقتل علیہ الذکور دون الاناث ومالیس بکفر وفیہ اہلاک النفس ففیہ حکم قطاع الطریق ویستوی فیہ الذکور والاناث وتقبل توبتہ اذا تاب انتہی مافی مدارک التنزیل و حقایق التاویل قال البغوی السحر وجودہ حق عند اہل السنۃ ولکن العمل بہ کفر کذا فی تفسیر المظہری واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتاوی نذیریہ جلد ص۳۰۵

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابینا اور لڑکے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب:۔ ارباب فہم وذکا پر مخفی نہیں ہے کہ اندھا ہونا قدرتی عیب ہے کوئی شرعی نہیں ہے جس سے اندھا قابل ملامت ہو کیونکہ شرع میں اسی عیب پر ملامت ہوئی ہے جو کسب سے ہو اور یہ عیب کسبی نہیں ہے کما لایخفی فرمایا اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے لہا ماکسبت وعلیہا ما اکتسبت پس اندھا ہونا کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس سے نماز میں کسی قسم کا نقصان ہو کہ اندھا قابل امامت نہ رہے۔ اور نہ فسق ہے کہ نماز اس کے پیچھے ناقص ذاتا یا وصفا ہو تو جب تک کوئی دلیل شرعی اس پر قائم نہ ہو کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس کی امامت کی کراہت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اس کی امامت کو مکروہ کہتے ہیں ان کی دلیل شرعی قائم کرنی چاہئے ورنہ وہ مثل اور مسلمانوں کے رہے گا اور جیسے بصیر مسلمان کے پیچھے نماز درست ہے اس کے پیچھے بھی ہے مکروہ کہنے والوں کی دلیل اوران کا مذہب آئندہ ذکر کروں گا اوراس کی کیفیت بھی حسنا وقبیحا انشاء اللہ آور اگر ان باتوں سے قطع نظر کریں تو بھی امامت اندھے کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اقوال محققین بھی موافق اس کے ہیں حدیثیں تو یہ ہیں عن انس

قال استخلف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم یوم الناس وہو اعمی رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابن مکتوم کو جو اندھے تھے مدینے میں اپنا خلیفہ بنا گیے تھے وہ امامت کرتے تھے جب کسی سفر میں گئے تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ ایسا اتفاق تیرہ بار ہوا۔ حالانکہ اور صحابہ جلیل القدر بھی موجود تھے چنانکہ حضرت علی رض گفتہ اند کہ آن سیزدہ بار بود یک بار از ان وقتیکہ بغزوہ تبوک رفت با آنکہ امیرالمومنین علی رض در مدینہ بود و خلیفہ بود بر اہل و عیال و باعث بر استخلاف ابن ام مکتوم برائے امامت ہمیں بود تا علی رض را اشتغال باہر امامت مانع از قیام بحفظ اہل و عیال نباید کذا فی اشعۃ اللمعات للشیخ عبدالحق دہلوی

وعن محمود بن الربیع عن عتبان بن مالک رض کان یوم قومہ وہو اعمی الحدیث رواہ البخاری والنسائی کذا فی منتقی الاخبار۔ اور ابواسحاق مروزی اور امام غزالی نے کہا ہے کہ اندھے کے پیچھے نماز افضل ہے کیونکہ بہ سبب نہ دیکھنے کسی چیز کے اس کا خیال نہیں بٹتا اور نماز میں دل خوب لگتا ہے۔ وقد صرح ابواسحٰق المروزی والغزالی بان امامۃ الاعمی افضل من امامۃ البصیر لانہ اکثر خشوعا عن البصیر لما فی البصیر من شغل القلب بالمبصرات کذا فی نیل الاوطار۔ اور فقہ حنفیہ میں بھی حدیث کے موافق روایات آئی ہیں و در روایات فقہیہ در مذہب ما نیز آمدہ است کہ اگر اعمی مقتدا قومی باشد جائز است امامت وے و بعض گفتہ اند کہ اگر اعلم باشد پس وے اولے است کذا فی شرح الکنز نقلا عن المبسوط و ہم چنیں است در کتاب اشباہ و نظائر انتہے ما فی اشعۃ اللمعات اور حنفی مذہب میں مکروہ ہے اور دلیل یہ ہے کہ اندھا نجاست سے نہیں بچتا۔ والاعمی لانہ لا یتوقی النجاسۃ کذا فی الہدایۃ۔ ذرا صاحب بصیر غور کریں کہ یہ کیسی دلیل ہے اول تو یہ قاعدہ کلیہ کہ نجاست سے نہیں بچتا مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے کوئی شخص اسکو ثابت نہیں کر سکتا دوسرے اگر مان بھی لیا جاوے تو علت نجاست سے نہ بچنا ہے اندھا ہونا بذاتہ علت نہیں پس مطلقاً یہ حکم لگانا کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے کیونکر صحیح ہوگا جس سے یہ عقیدہ فاسدہ عوام میں راسخ ہو گیا کہ اندھا ہونا خود ایسا عیب ہے جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے بلکہ یہ حکم لگانا چاہئے کہ جو نجاست سے نہ بچے چاہے اندھا ہو چاہے آنکھ والا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے بھلا اے مسلمانوں تمہارا ایمان چاہتا ہے کہ جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا ہو

اس کی امامت کو ایسے ایسے خیالات موہومہ سے مکروہ جانو اور حدیث کا مقابلہ خیالات وہمیہ سے کرو۔ اور اسی طرح لڑکے کی امامت جب وہ ہوشیار قرآن پڑھا ہوا ہو حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ عن عمرو بن سلمۃ فی الحدیث الطویل فقدمونی وانا غلام وعلی شملۃ لی قال فما شہدت مجمعا من جرم الاکنت امامہم الحدیث رواہ ابوداؤد۔ اس کے خلاف میں کوئی دلیل شرعی قایم نہیں ہے من ادعی فعلیہ البیان واللہ اعلم قد نمقہ العبد المہین محمد یسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ۔ جواب ہذا صحیح ہے نابینائی قدرتی پر عیب کرنا خود نابینائی بے علم سے

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | سید محمد نذیر حسین | سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹
محمد عبد الحمید ۱۲۹۹ | ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ | لودیانوی | محمد یوسف ۱۳۰۳ | فیروزپوری
محمد طاہر لم ۱۳۰۰ | سلہٹی

:۔ جواب ہر دو مسئلہ کا بہت ٹھیک ہے اور خلاف اس کا قبیح اور غیر قابل اعتبار خاصکر لڑکے نابالغ کو امام بنانا خواہ فرض ہوں یا نفل جیسے تراویح صحیح و درست ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں آگیا ہے کہ عمرو بن سلمہ صحابی صغیر چھ سات برس کے تھے اور قرآن شریف خوب جانتے تھے کہ امامت کراتے تھے کذا فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث فقط واللہ اعلم حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی

خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ | اصاب من اجاب محمد حسین خان خورجوی

فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۳۱۸

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی نے ایک وقت میں دو جماعت کے ساتھ امامت کرائی نماز جماعت ثانیہ خلف اس کے روا اور صحیح ہے یا نہیں بینوا توجروا

جواب :۔ روا و صحیح ہے بموجب ان حدیثوں کے کہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں فی المشکوۃ عن جابر رضہ قال کان معاذ بن جبل رضہ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یاتی قومہ فیصلی بہم متفق علیہ وعنہ رضہ قال کان معاذ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ العشاء ثم یرجع الی قومہ فیصلی بہم العشاء وہی لہ نافلۃ رواہ البخاری والبیہقی اقول الاظہر الانسب ارجاء الضمیر الی الاقرب فیفہم منہ صحۃ اقتداء المفترض بالمتنفل کما ہو المعول عند المتائل فعلیک بالانصاف فانہ من خیر الاوصاف

قال النووی فی ہذا الحدیث جواز صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل لان معاذاً کان یصلی الفریضۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسقط فرضہ ثم یصلی مرۃ ثانیۃ بقومہ ہی لہ تطوع ولہم فریضۃ وقد جاء ہکذا مصرحا بہ فی غیر مسلم وہذا جائز عند الشافعی وآخرین رحمہم اللہ تعالٰی استدلالا بہذا الحدیث والتاویلات و دعاوی لا اصل لہا فلا یترک بہا ظاہر الحدیث قال صاحب التوضیح صلوٰۃ معاذ لقومہ فیہ دلالۃ علی صحۃ صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل الخ فی المرقاۃ قال القاضی الحدیث یدل علی جواز اقتداء المفترض بالمتنفل فان من ادی فرضا ثم اعاد یقع المعاد نفلا قال ابن المبارک وبہ قال الشافعی الخ فی المشکوۃ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بالناس صلوٰۃ الظہر فی الخوف ببطن نخل فصلی بطائفۃ رکعتین ثم سلم ثم جاء طائفۃ اخری فصلی بہم رکعتین ثم سلم رواہ فی شرح السنۃ فی المرقاۃ لا اشکال فی ظاہر الحدیث علی مقتضے مذہب الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فانہ محمول علے حالۃ القصر وصلی بالطائفۃ الثانیۃ نفلا الخ قال النووی وکان صلی اللہ علیہ وسلم متنفلا فی الثانیۃ وہم مفترضون بہ استدل الشافعی واصحابہ علے جواز صلوٰۃ المفترض خلف المتنفل وحکوہ عن الحسن البصری انتہے موجزا اقول وہکذا افادہ السید فی شرح المشکوۃ وہذا ہو المرام لما فی الصحیحین وغیرہما فی المقام فکانت لہ صلے اللہ علیہ وسلم اربع رکعات وللقوم رکعتان کما یظہر صریحا من سنن ابی داؤد وغیرہ وتکمیل تفصیل المقال لا یلیق بتحلیل تقلیل المجال والتضییق واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۳۲۱

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام تنہا مسجد کے سائبان میں دا سے پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب صحن مسجد میں نیچے کھڑے ہوں تو اس قدر بلندی اور پستی امام و مقتدی کی مانع اقتدا ہے یا نہیں حدیث اور فقہ سے جواب دیجئے اور اختلاف احادیث اور ائمہ اجتہاد جو اس میں ہوں اس سے مطلع فرمائیے بینوا توجروا۔

جواب:۔ اس باب میں حدیثیں مختلف وارد ہوئی ہیں اور علمائے اجتہاد کے اقوال بھی مختلف ہیں لیکن احادیث اور اقوال ائمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت اقتدا اور امامت کی سب کے نزدیک جائز ہے۔ اما الاحادیث فعن سہل بن سعد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم جلس علی المنبر فی اول یوم وضع فکبر وہو علیہ ثم رکع ثم نزل القہقری فسجد وسجد الناس معہ ثم عاد حتی فرغ

فلما انصرف قال ایہا الناس انما فعلت ذلک لتأتموا بی ولتعلموا صلوتی متفق علیہ۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ امام اگر اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں تو اقتدا اور امامت اور نماز درست ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اپنی کتاب صحیح میں وہ اسی جواز کے قائل ہوئے ہیں اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان کے اتباع اور موافقین بھی ہیں اور ان کے نزدیک بھی یہی حدیث اس کے جواز کی حجت ہے۔ وعن ہمام ان حذیفۃ ام الناس بالمدائن علی دکان فاخذ ابو مسعود بقمیصہ فجبذہ فلما فرغ من صلوتہ قال الم تعلم انہم کانوا ینہون عن ذلک قال بلی قد ذکرت ذلک حین مددتنی رواہ ابو داؤد وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم وقواہ الحافظ فی التلخیص وعن ابن مسعود قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شئی والناس خلفہ یعنی اسفل منہ رواہ الدارقطنی لکن المرفوع ضعیف پس یہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ امام اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں تو یہ امر ناجائز اور ممنوع ہے اور یہی مذہب حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کا اور یہی حدیثیں ان کی دلیل ہیں پس یہی ہے خلاصہ مذاہب اور ادلہ اس مسئلہ کا۔ تطبیق بین الاحادیث۔ حدیث صلوۃ علی المنبر کی محمول ہے تھوڑی سی بلندی کے جواز پر اور حدیث نہی عن الرفع کی محمول ہے زیادہ بلندی پر جس کی تقدیر میں علمائے اپنی اپنی رائے الگ قائم کی ہے۔ پس دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات قائم ہوئی کہ ارتفاع قلیل امام کے لئے جائز ہے اور ارتفاع کثیر ممنوع ہے۔

تطبیق بین اقوال الائمۃ رحمہم اللہ تعالیٰ

امام بخاری اور ان کے موافقین و اتباع رحمہم اللہ نے جو امام کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا جائز کہا ہے تو اس سے بلندی ایسی مراد ہے جس سے امام کا حال مقتدیوں سے مخفی نہ ہے اور حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ وغیرہ علمائے مطلق بلندی کو ناجائز کہا ہے سو ان لوگوں کا قول محقق نہیں ہے۔ فی نیل الاوطار وذہب الشافعی الی انہ یعفی قدر ثلاث مائۃ ذراع وقال عطاء لا یضر البعد فی الارتفاع مہما علم الموتم بحال الامام وقال فی الدر المختار (ویکرہ) انفراد الامام علی الدکان للنہی وقدر الارتفاع بذراع ولا باس بما دونہ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وہو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ وکرہ عکسہ فی الاصح وقال فی العالمگیریۃ ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان وکذا القلب فی ظاہر الروایۃ کذا فی الہدایۃ وان کان بعض القوم معہ فالاصح انہ لا یکرہ کذا فی محیط السرخسی ثم قدر الارتفاع قامۃ ولا باس بما دونہا ذکرہ

الطحاوی وقیل انہ مقدر بما یقع بہ الامتیاز وقیل مقدار الذراع اعتبارا بالسترۃ وعلیہ الاعتماد کذا فی التبیین و غایۃ البیان وہوا لصحیح کذا فی البحر الرائق۔ پس اب واضح ہوگیا کہ احادیث اور اقوال رجال امت اگرچہ باہم بظاہر مختلف معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ درحقیقت سب کے سب ادائے معنی میں متحد ہیں اور احادیث کا مفاد بھی یہی ہے کہ امام کا تنہا اکیلا تھوڑی سی بلندی پر کھڑا ہونا مضر نہیں ہے بلکہ درست اور جائز ہے اور زیادہ بلندی پر کھڑا ہونا ممنوع اور ناجائز ہے اور رجال امت کے اقوال کا مفاد بھی یہی ہے کہ غایۃ الامر علماء نے تقدیر بلندی و پستی جائز و ناجائز میں اختلاف کیا ہے۔ نتیجہ کلام کا یہ ہوا کہ امام اکیلا مسجد کے سائبان میں دالسے پر کھڑا ہو اور سب مقتدی صحن مسجد میں نیچے کھڑے رہیں تو حدیث کے رو سے یہ امر جائز ہے اور علمائے حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ محققین رحمہم اللہ کے سب کے نزدیک یہ امر جائز ہے جیسا کہ تطبیق احادیث اور اقوال بالا سے واضح ہوگیا ہے اور امام المحدثین جناب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین واتباع رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے ہذا ما ظہر لنا واللہ اعلم بالصواب ومنہ الاصابۃ فی کل باب حدیث بخاری سے جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ صورت اگر ناجائز ہوتی تو ناجائز صورت سے تعلیم نہ کرتے اس سے ابن دقیق العید کے اعتراض کا جواب بھی ہوگیا ہاں اولےٰ و افضل یہی ہے کہ امام بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو اور حدیث نہی محمول خلاف اولےٰ پر ہے کما ہو داب العلماء کا فتر نے التطبیق بین الاحادیث واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز ابوعبدالرحمٰن محمد عفی عنہ مصحح مطبع انصاری الامر کما قال سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صـ ۳۲۱

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین در حق کسے کہ رافضی است و مذہب خود را پیش مردماں شیعہ اقرار واظہار می کند وتناکح وتناسل ورشتہ وقرابت با رافضی کما ینبغی می دارد آیا نماز پس ایں چنیں رافضی جائز است جواب مطابق مذہب حنفی تحریر کردہ شود۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ در صورت مرقومہ حسب مذہب حنفی نماز پس رافضی غیر جائز و ناروا است۔ قال المرغینانی یجوز الصلوٰۃ خلف صاحب ہوی وبدعۃ ولا تجوز خلف الرافضی والجہمی والقدری والمشبہۃ ومن یقول بخلق القرآن کذا فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرہا من کتب الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صـ ۳۳۲

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد اپنے ماں باپ کو مار پیٹ گالی گلوچ وغیرہ کرتا ہے کیا وہ معافی لینے کے بعد امامت کے لائق ہو سکتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب :۔ ماں باپ کی نافرمانی عقوق مار پیٹ کبیرہ گناہ ہے واقعی ایسا شخص قابل امامت نہیں جو اس کبیرہ پر مصر ہو اگر وہ توبہ کرے اللہ تعالےٰ سے بھی سچے دل سے معافی چاہے تادم آئندہ کے لئے ان کی اطاعت پر عازم اور ان سے بھی معافی طلب کرے اور وہ معاف بھی کر دیں تو پھر بحکم حدیث نبوی اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لاَذَنْبَ لَہٗ الحدیث۔ اس کی امامت جائز ہے اور جس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبلہ رخ تھوکتے دیکھ کر آئندہ امامت سے منع کیا صرف پہلے منع کی تصدیق کی تھی کہ ہاں میں نے منع کیا ہے یعنی ان لوگوں کی تصدیق جنہوں نے رسول اللہ کا فرمان اس کو سنایا تھا کہ آپ نے منع کیا ہے بس صرف آپ نے ان کی تصدیق کی ہاں میں نے منع کیا تھا اور اِنَّکَ قَدْ اٰذَیْتَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ علت منع تھی اور بعد توبہ صحیحہ باقی نہیں رہتی بحکم حدیث مذکور۔ فقط والسلام ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی

جواب درست ہے ۔ ابوالفضل عبدالمنان ایڈیٹر اہل حدیث گزٹ دہلی۔

الجواب صحیح ۔ عبداللہ بستوی سعیدی مدرس مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی ۔

الجواب صحیح ۔ حررہٗ احمد اللہ سلمہٗ از مدرسہ زبیدیہ نواب گنج دہلی مورخہ ۸ اصفر ۱۳۵۸ھ

عبدالسلام غفرلہ (مولوی فاضل) مدرس مدرسہ علی جان دہلی

الجواب صحیح ۔ محمد یونس غفرلہ مدرس اول حضرت میاں صاحب دہلی

امام مذکور اگر اس فعل قبیح سے توبہ کرے اور والدین کو راضی کرے تو وہ لائق امامت ہے ورنہ اس کو امامت سے علیحدہ کر دینا چاہیئے ۔ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی

اطاعت والدین فرض ہے اور ان کی مخالفت گناہ کبیرہ ہے چہ جائیکہ والدین کو گالیاں دینے والا ایسے مرتکب گناہ کو تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرے نمازیوں کو چاہیئے کہ اس کو امامت سے دست بردار کر دیں ۔ حررہٗ محمد بشیر مدرس مدرسہ فیاضیہ دہلی

الجواب صحیح ۔ عبدالرزاق بستوی سعیدی مدرس مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی

الجواب ۔ بیشک امام مذکور قابل عزل ہے تاوقتیکہ خالص توبہ نہ کرے عہدۂ امامت پر فائز نہ کیا جائے

کیونکہ امام مذکور مرتکب کبائر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تھوڑی سی بات پر یعنی نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے پر ایک امام کو امامت سے علیحدہ فرما دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تو نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی ہے۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد میں باسناد مروی ہے۔ فقط ہذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ امین والا۔

ماکتبہ السید المولوی محمد شریف صاحب فہو الحق والحق احق ان اتبع۔

کتبہ عبد القادر عفی عنہ از الہ آباد مورخہ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۵۸ھ

الجواب۔ ماں باپ کا نافرمان مرتکب گناہ کبیرہ ہے امامت وغیرہ کے کبھی لائق نہیں۔ حررہٗ محمد عبد الجلیل عفا اللہ عنہ الخلیل۔

الجواب۔ الحمد للہ رب العالمین۔ ایسا شخص مرتکب کبائر ہوتا ہے اسلئے ایسا شخص نماز میں امام بنانے کا اہل نہیں، اگر غلطی سے بنایا گیا تو کسی مفتی سے فتویٰ حاصل کریں۔

اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ فَاِنَّھُمْ وَفْدُکُمْ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ (رواہ دارقطنی)

دارقطنی میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ نے کرو اپنا امام اپنے بہتر اپنے۔ پس تحقیق وہ قاصد ہیں درمیان اس چیز کے جو کہ درمیان تمہارے اور درمیان رب تمہارے کے ہے۔

اور حاکم نے روایت کی ہے اِنْ سَرَّکُمْ اَنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُکُمْ فَلْیَؤُمَّکُمْ خِیَارُکُمْ فَاِنَّھُمْ وَفْدُکُمْ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ۔

ترجمہ۔ مرثد غنوی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی یعنی اگر خوش لگے تم کو یہ کہ قبول کی جاوے نماز تمہاری پس چاہیئے امامت کرادیں تمہیں بہتر تمہارے پس تحقیق وہ قاصد ہیں درمیان تمہارے اور درمیان رب تمہارے کے۔

سوم۔ امام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ایک امام کو اس جرم میں معزول فرمایا کہ اس نے مسجد کی قبلہ کی طرف کی دیوار پہ تھوکا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ تھوک کھرچ دیا اور اس جگہ خوشبو لگادی پھر وہ شخص رسول اللہ کے حضور میں حاضر ہو کر دریافت کرتا ہے کہ بیشک آپ نے مجھے معزول کر دیا ہے آپؐ نے فرمایا ہاں تو نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کو دکھ دیا ہے۔ ف معاذ اللہ ماں باپ کا مار پیٹ کرنا گالی گلوچ دینا کبیرہ گناہ ہے ایسے شخص کو فوراً معزول کر دیا جاتے

ایسا شخص اگر توبہ بھی کرلے تو شبہ ہے کہ اس نے دنیاوی فائدہ سے کی ہو جب تک اس میں پوری صلاحیت نہ دیکھی جاوے اور کوئی متقی اور مفتی عالم فتوی نہ دیوے۔ ایسے شخص کو اپنے عہدہ پر بحال نہ کیا جائے کیونکہ یہ رسول اللہ کا تخت ہے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ ۲۲/۱۲/۳۸

کمترین محمد شریف از گریالہ ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور بقلم خود

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں کہ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام ہے جس نے اپنی ہمشیرہ کی منگنی کے بعد کچھ روپے وغیرہ لے کر پھر نکاح کیا اور یہ بھی کہا کہ جب تک مجھے فلاں فلاں چیز نہ دوگے تب تک نکاح نہیں دونگا جب اس نے وہ چیز اس کو دی تب اس نے نکاح دیا ہے کیا ایسا شخص امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (عبداللہ بقلم خود)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جواب:۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اگر اس نے مہر میں وہ چیزیں لی ہیں اور لے کر ہمشیرہ کے سپرد کردی ہیں تو اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ مہر منکوحہ لڑکی کا حق ہے ولی کا حق نہیں ولی اس پر مامور ہے کیونکہ ناکح سے وصول کرکے لڑکی کے سپرد کردینا ہے۔ ۲۲ ۱۲/۳۸

کمترین محمد شریف گھریالوی بقلم خود

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد ہے اور اسی گاؤں میں دو مذہب اہل حدیث و حنفی اور دو امام اب انہیں میں ہمیشہ مذہبی تنازع رہتا ہے یہاں تک کہ خونریزی کی نوبت پہنچتی ہے۔ اب اہلحدیث جماعت چاہتی ہے کہ علیحدہ مسجد بنالیں کیا ان کے لئے شرع محمدی سے جائز ہے کہ وہ علیحدہ مسجد بنالیں۔ بینوا وتوجروا۔ محررہ سائل محمد عبداللہ موجوی پنجابی بتاریخ ۱۵ شوال۔

الجواب واللہ ھو الموفق للصواب:۔ صورت مذکورہ میں اگر فتنہ وفساد کی صورت ہے نماز پڑھنے کو روکتے ہیں یا امور سنت کے ادا کرنے میں مانع ہوتے ہیں ایسی صورت میں دوسری مسجد کے

بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ مسجد جدید بنانا درست ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ۔ رواہ ابوداود۔ نماز باجماعت اور جمعہ اس مسجد میں پڑھنا درست ہے۔ فقط والسلام واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ احمد اللہ غفرلہ از مدرسہ زبیدیہ محلہ نواب گنج مورخہ ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ

جواب صحیح ہے بہ نیت صالح برائے دفع شر فاصلہ پر مسجد بنانی جائز ہے۔

ابوسعید شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی ۳ ذیقعد ۱۳۵۶ھ

دونوں حق پر ہیں جہاں تک ہو اہلحدیث اس مسجد میں نماز پڑھیں پڑھائیں۔ قانوناً بھی ان کا حق ہے اسلاماً بھی حق ہے۔ تاہم اگر اپنی مسجد علیحدہ بنائیں تو بنا سکتے ہیں اور وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور پڑھا سکتے۔ واللہ اعلم محمد از دہلی دفتر ماتوہ۔ محدث ۳ ذیقعد ۱۳۵۶ھ

جب نوبت خونریزی کی پہنچ رہی ہے تو اہل حدیث کو ضروری ہے کہ مسجد الگ بنا کر نماز وغیرہ ادا کریں اور فتنہ سے الگ ہو جائیں قال اللہ تعالیٰ والفتنۃ اشد من القتل۔

محمد یونس غفرلہ مدرس اول مدرسہ حضرت میاں صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی

۱۲ ذیقعد ۱۳۵۶ھ

جہاں تک ممکن ہو اصلاح کی کوشش کی جائے اور ایک ہی مسجد میں نماز ادا کی جائے اپنا قبضہ مسجد میں ضرور رکھا جائے ہاں اگر بفرض محال کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو پھر مجبوری ہے مگر جدید مسجد اسی جگہ پہ بنانا چاہیئے جہاں آبادی قریب ہو اور گاؤں کے اکثر لوگ نمازیں پنج وقت حاضر ہو سکیں۔ مسجد کو آباد کرنے کا خیال ہو نیت صرف احکام الٰہی جاری کرنے کا خیال ہو تو اس صورت میں مسجد بنا سکتے ہیں۔

واللہ اعلم حررہ محمد بشیر مدرس مدرسہ فیاضیہ دہلی۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک لڑکے کے ماں باپ نے گانا سہرہ وغیرہ رسوم بدعت کے ساتھ شادی کی اس کے بعد وہ امام بنایا گیا کیا وہ امامت کے لائق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

عبداللہ موجوی

جواب:۔ سہرہ گانا بجانا مروجہ زمانہ ناجائز ہے ممنوع ہے ان امور کا مرتکب بدعتی یا فاسق ہے

بشرطیکہ وہ خود بھی ان امور کا مجوز ہو اور اگر اوروں نے کئے اور اس نے ان کو منع کیا مگر وہ نہ مانے تو پھر وہ اس میں داخل نہیں گو یا یہ اس کی کمزوری اور برائی ہے اور پھر وہ بھی بعد توبہ صادقہ وصحت عمل قابل امامت ہو سکتا ہے۔ بحکم حدیث مذکور (اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ)

ابو سعید شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد کا سالا ایک عورت کو اغوا یعنی نکال کر اس کے پاس لے آیا۔ امام مذکور اور اس کا سالا دونوں لئے پھرتے ہیں۔ وہ امام اس عورت کے پاس اکیلا رہتا کبھی دونوں رہتے ہیں لیکن امام کی اس آلودگی کا ہم کو کچھ علم نہیں۔ وہ امام ان کی رہائش کے لئے کوشش کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو کسی جگہ چھوڑ آیا اب بھی اس کو ان کی رہائش کا علم ہے کیا ایسا شخص لائق امامت ہے یا نہیں؟ جواب از ادلہ قرآن وحدیث تحریر فرمادیں۔ سائل عبداللہ خیر پوری ساکن موجیوالا ضلع فیروزپور (پنجاب)

جواب:۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ امام سخت گنہگار ہے اور حد درجہ فاسق ہے اس کو فوراً امامت سے علیحدہ کر دیا جائے اور جب تک یہ توبہ نہ کرے اور عورت کو اس کے خاوند کے پاس واپس نہ کرے اور اس میں صلاحیت کے آثار پیدا نہ ہوں اس وقت تک نہ اس سے تعلق رکھا جائے اور نہ اس کو امامت پر مقرر کیا جائے واللہ اعلم۔ فقیر محمد یوسف دہلوی مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سوال:۔ ایک پیش امام نے زمین رہن لے رکھی ہے کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر وہ زمین کی آمدنی کھا رہا ہے اور اسے اصل رقم میں وضع نہیں کرتا تو اسے بتایا جائے کہ یہ سود ہے اور حرام ہے اگر پھر بھی باز نہ آئے تو نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہو گی۔ احادیث سے یہی ثابت ہے۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۶

سوال:۔ جو شخص داڑھی منڈاتا ہو کیا وہ امامت کرا سکتا ہے۔ محمد یوسف

جواب:۔ اسے خود شرم ہونی چاہیئے اور امامت سے الگ رہنا چاہیئے۔ کسی فاسق فاجر کو امام بنانا جائز نہیں ہے حضورؐ فرماتے ہیں اِجْعَلُوا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ امام نیک وصالح ہونا چاہیئے
اہل حدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۷

سوال:۔ محترم مولانا ہمارے ہاں عرصہ سے انجمن اہل حدیث قائم ہے اس کی زیر نگرانی مسجد اہل حدیث میں امامت خطابت اور درس قرآن وحدیث ہوتا ہے اور کسی نہ کسی اہل حدیث کا تقرر انجمن اہلحدیث کی طرف سے عمل میں لایا جاتا ہے موجودہ عالم جن کے تقرر کو دو سال کا عرصہ گذر چکا ہے جماعت اسلامی کے رکن ہیں اور اس اثنا میں وہ جماعت اسلامی کی ترقی اور اس کے لٹریچر کی اشاعت میں سرگرمی میں حصہ لیتے رہے ہیں جس کی وجہ سے جماعت اہل حدیث میں دو فریق ہو گئے ایک فریق ان کا حامی ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے انہیں الگ کر کے کسی ایسے اہلحدیث عالم کا تقرر عمل میں لانا چاہیئے جو جماعتی خدمات سرانجام دے۔ مولانا تنخواہ تو ہم سے لیتے ہیں مگر کام جماعت اسلامی کا کرتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے اپنے امیر جماعت ہند مولانا ابو اللیث کا بیان موجود ہے جس پر عمل لازم ہے۔ ہمارے بہت سے رفقاء ایسے ہیں جن کا تعلق جماعت میں داخل ہونے سے پہلے مسلمانوں کے مختلف قسم کے مذہبی یا سیاسی اداروں سے رہا ہے اور وہ ان ہی سے کٹ کر جماعت میں آئے ہیں مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے جماعتی مزاج سے اپنے کو ہم آہنگ بنانے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ لیکن ان ہی کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن میں ابھی غیر شعوری طور پر ان جماعتوں سے تعلق کچھ نہ کچھ اثرات موجود ہیں یہ چیز غلط بھی ہے تحریک کے لئے مضر بھی اس لئے اسی طرح کے رفقا کو پورا اہتمام کام میں لا کر اپنے کو ان اثرات سے پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جب آپ جماعت اسلامی میں داخل ہو چکے ہیں تو آپ کی تمام دلچسپیوں کا محور صرف جماعت کے مقاصد ہونے چاہئیں اس لئے اپنی عصبیت خاص کیجئے اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں اور جن کے لئے آپ جدوجہد کرتے رہے ہیں یک لخت چھوڑ دیجئے (رسالہ زندگی رام پورہ مطبوعہ ۱۹۵۱ء) پس ان حالات میں اب آپ فرمائیں ہمیں کیا کرنا چاہیئے امام صاحب کو الگ کر دینا چاہیئے یا نہیں۔ عبدالواحد سیکرٹری انجمن اہلحدیث

جواب:۔ جماعت اسلامی سے کد و مخالفت نہیں ہے جس حد تک وہ صحیح چلتے ہیں ہم انکے

ہمنوا ہیں اور جہاں وہ بدک جاتے ہیں یا صراط مستقیم خسک جاتے ہیں ہم انہیں وہیں ٹوکتے اور روکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں مگر موجودہ صورت میں جبکہ سوال میں انکی عصبیت نمایاں ہو رہی ہے اگر امام صاحب جماعت اہل حدیث سے جماعت اسلامی کی جماعت کو مقدم رکھتے ہوں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ خود ہی الگ ہو جائیں ورنہ اہل حدیث کو آنا بے حس نہیں ہونا چاہیئے تنخواہ تو وہ دیں اور کام دوسروں کا ہو اہل حدیث میں کچھ نہ کچھ عصبیت ہونی چاہیے۔ دینی خدمات اور کام کے لحاظ سے اہل حدیث کسی سے کم نہیں ہیں کہ وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو دوسروں میں مدغم کریں جو اہلحدیث اہل حدیث رہ کر جماعت اسلامی کی رکنیت وہ بے پیندے کے بدھنے ہیں اور اس بھٹکتے ہوئے راہی کی مثل ہیں جو کہتا ہے ع

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

سوال:۔ اگر امام قراءۃ میں بھول جائے تو اسے لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ احناف کہتے ہیں اگر امام تین آیت سے آگے بڑھ جائے تو لقمہ دینا جائز نہیں۔ اگر امام لقمہ لے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

محمد اسمٰعیل کپوروی

جواب:۔ امام کو لقمہ دینا جائز ہے احناف کا یہ قول شرح وقایہ میں ہے بلا دلیل ہے اس کیلئے قابل قبول نہیں۔ ابوداؤد میں لقمہ دینے کے متعلق کئی حدیثیں موجود ہیں جس کے تحت صاحب عون المعبود نے بالتحقیق یہ ثابت کیا ہے کہ لقمہ دینا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ممانعت کی کوئی روایت بھی نہیں۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ شمارہ ۴۸

سوال:۔ بعض حنفی امام سورۂ فاتحہ اتنی جلدی اور تیز پڑھتے ہیں کہ پیچھے پڑھنے والے کو وقفہ ہی نہیں دیتے کہ وہ پڑھ سکے پس ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ ایسی صورت میں امام کے ساتھ ہی پڑھا جائے جائز ہے۔

عبدالمجید سوہدروی۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید بیمار اور معذور ہے نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ تشہد میں ٹھیک بیٹھ ہی سکتا ہے سجدہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیا اس صورت میں زید کو امام بنایا جا سکتا ہے ؟ اور زید کی اقتداء میں نماز درست ہو گی ؟ یہ بات پیش نظر ہے کہ زید عالم، متقی اور پرہیز گار ہے۔

جواب :۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر زید عالم و متقی ہے اور ہمیشہ سے کسی مسجد کا امام ہے تو وہ شرعاً بوجہ ضرورت کے امامت کرا سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی اور عالم اور متقی شخص جو صحیح و سالم تندرست ہو اور ارکان نماز کو پورے طور سے ادا کر سکتا ہو تو اس کو امام بنانا بہتر ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود نماز کے ضروری رکن ہیں جب وہ ان سے قاصر ہے تو دوسرے عالم صحیح و سالم کے ہوتے ہوئے اس کو امام نہ بننا چاہیئے۔ حدیث دار قطنی وغیرہ میں آیا ہے اِجْعَلُوا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ الحدیث پس جہاں خوبیت نماز بذریعہ قرأت و تقویٰ ہوتی ہے وہاں خوبیت نماز بذریعہ ادائیگی ارکان نماز و تعدیل ارکان بھی ضروری ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب امام صلوٰۃ کر دیا تھا کیونکہ آپ بوجہ مرض کے امامت صلوٰۃ نہیں کرا سکتے تھے اور مریض شخص بوجہ مرض کے نہ تعدیل ارکان صلوٰۃ کر سکتا ہے اور نہ ارکان صلوٰۃ کو ادا کر سکتا ہے چنانچہ زید مسئول تشہد اور سجدہ ہی نہیں کر سکتا تو وہ ایسی حالت میں ادائیگی فریضہ صلوٰۃ سے قاصر ہے اس کو اپنا نائب دوسرے صحیح و سالم شخص کو بنا لینا چاہیئے۔

از مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی ۔ الاعتصام جلد ۷ شمارہ ۴۲

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید چھ سال سے ایک مسجد میں نماز تراویح میں قرآن مجید سنا رہا تھا الحمد للہ زید نماز روزہ کا پابند تھا قرآن مجید بھی ٹھیک طرح پڑھتا ہے۔ سامعین اس سے خوش ہیں لیکن مسجد کے ایک متولی صاحب کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ زید آئندہ سے مسجد میں قرآن مجید نہ سنائے بلکہ کوئی دوسرا سنائے کیا شرعاً ان کو زید کو روکنے کا حق ہے۔ اگر متولی جبراً زید کو روکے تو عند اللہ اس کو پکڑ ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ جبکہ زید مذکور صوم و صلوٰۃ کا پابند اور حافظ قرآن اور قاری و نیک سیرت اور

شرع ہے اور عرصہ سے یہ نماز پڑھاتا ہے اور آج تک اس کی امامت کے بارے کسی نے اعتراض نہیں کیا بلکہ تمام نمازی اس کے تراویح پڑھانے سے خوش ہیں اور سوائے ایک کے تمام متولی اور نگران مسجد راضی ہیں تو یہی زید مذکور تراویح پڑھانے کا مستحق ہے اور جو ذاتی عناد کی وجہ سے اسے نماز تراویح پڑھانے سے اور آیت کریمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا میں داخل ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا کی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کے درپے ہو۔

علامہ شوکانی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ فرماتے ہیں والمراد بمنع المسٰجد اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اِسْمُ اللّٰہِ مَنَعَ مَنْ یَّاتِیْ اِلَیْھَا لِلصَّلٰوۃِ وَالتِّلَاوَۃِ وَالذِّکْرِ تَعْلِیْمِہٖ الخ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مسجدوں میں نماز پڑھنے سے اور قرآن مجید کی تلاوت سے اور ذکر الٰہی سے اور قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے سے لوگوں کو روکتا ہے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں متولی مذکور کو زید کو نماز تراویح پڑھانے سے روکنے کا کوئی شرعاً حق نہیں ہے اور اگر روکے گا تو آیت مذکورہ میں داخل ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔

از مولانا عبد السلام صاحب بستوی۔ ترجمان دہلی ۶ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ

سوال: مسبوق کی اقتدار میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مسبوق کی اقتدار میں نماز پڑھنے کا کسی حدیث میں ثبوت نہیں ہے۔

از مولانا عبد السلام صاحب بستوی۔ ترجمان دہلی ۲۷ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمار دین و حامیان شرع متین دربارہ مسئلہ ہذا زید ایک ٹانگ سے معذور ہے بیٹھ کر نماز پڑھاتا ہے تمام مقتدیوں سے علم شریعت زیادہ جانتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: امام اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھاتا ہے تو کوئی حرج نہیں مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں مشکوٰۃ شریف میں ہے عَنْ عَائِشَۃَ رض قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

جَاءَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوا اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامِ ثُمَّ اَنَّ النَّبِيَّ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ بِالْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْ بَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا يَتَاَخَّرُ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْ بَكْرٍ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِيْ بَكْرٍ الحديث بَابُ مَا عَلَى الْمَامُوْمِ ص ۱۰۲

بلال رض نماز کے لئے آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کو کہدیں کہ وہ نماز پڑھائیں چنانچہ بیماری کے ایام میں حضرت ابوبکر رض نماز پڑھاتے رہے پھر آنحضرتؐ نے جب افاقہ محسوس کیا تو دو آدمیوں کے سہارے سے پاؤں گھسیٹتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے ابوبکر رض نے جب آپ کے آنے کی آہٹ سُنی تو پیچھے ہٹنے لگے تو آپ نے پیچھے نہ ہٹنے کا اشارہ فرمایا حضرت ابوبکر رض کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے تھے اور آپ ابوبکر رض کے بائیں طرف بیٹھ گئے آنحضرتؐ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کی اقتدار کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رض کی اقتدار کر رہے تھے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے يُسْمِعُ اَبُوْ بَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ یعنی ابوبکر رض لوگوں کو تکبیر سُنا رہے تھے۔ حررہٗ محمد صدیق سرگودہا

"تنظیم اہل حدیث جلد ۲۱ شمارہ ۱۷"

سوال: زید مجرد زندگی بسر کرتا ہے اس کی عمر ساٹھ سال کی ہے اس کی شادی ہو ہی نہ سکی کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ علم شریعت جانتا ہے۔

جواب: زید نکاح کا منکر نہیں ہے کوشش کے باوجود نکاح نہیں ہو سکا اس لئے زید کا اپنا کوئی قصور نہیں ہے امامت کے شرعی اوصاف سے وہ متصف ہے تو اس کی امامت جائز ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد صدیق سرگودہا

"تنظیم اہل حدیث جلد ۲۱ شمارہ ۱۵"

سوال :- جو امام مسجد زنا کے جرم میں پکڑا گیا ہو۔ یا خود اس نے اپنے لئے اس جرم کے ارتکاب کا اقرار کیا ہو۔ یا وہ شراب نوشی قمار بازی یا بھنگ چرس وغیرہ اشیاء کے استعمال کا عادی ہو۔ یا سودی کاروبار کرتا ہو۔ یا تعویذوں اور گنڈوں کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان لڑائی ڈلوا کر اور جدائی کرا کر عورتوں کو اپنے نکاح میں یا کسی دوسرے کے نکاح میں لانے کا پیشہ ور مجرم ہو۔ یا کبھی کبھار اس سے یہ جرم سرزد ہوا ہو۔ یا جھوٹی شہادتیں عدالت میں پولیس یا نمبرداروں یا ذیلداروں کے کہنے سے یا کسی فریق کی حمایت میں دیتا ہو۔ یا کوئی اور فسق و فجور کی عادت اس میں ہو۔ اس کی امامت کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے

جواب :- یہ شخص امامت مسجد کے ہرگز قابل نہیں۔ ایسے شخص کو امامت سے معزول کر کے کسی صالح اور متدین امام کو مقرر کرنا چاہئے اور ایسی حالت میں کہ اس کا وجود جماعت میں افتراق اور جھگڑے کا باعث ہو تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کو معزول کر کے کسی اور شخص کو امام مقرر کیا جائے جس کو تمام نمازی یا نمازیوں کی اکثریت پسند کرتی ہو۔

اس بارہ میں جو احادیث مروی ہیں ان میں سب سے پہلے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جائے جو سب جماعت میں نیک اور عالم ہو۔ مثلاً مسند مستدرک حاکم میں مرثد غنوی سے یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم۔

مسلمانو! تم اگر چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو تم سے بہتر لوگ تمہاری امامت کریں اس لئے کہ امام تمہارے اور تمہارے رب (عزّ وجل) کے درمیان ایلچی ہیں۔

اور یہ تو صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

یؤم القوم اقرؤھم لکتاب اللّٰہ فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا۔

جو شخص تمام قوم میں سے زیادہ قرآن مجید کا عالم ہو وہی امامت کرائے۔ اگر قرآن کریم کے علم میں سب برابر ہیں تو پھر جو ان میں سے حدیث زیادہ جانتا ہو۔ اگر حدیث کے علم میں

سب برابر ہوں تو پھر جس نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔ اور اگر ہجرت میں سب برابر ہیں تو پھر عمر میں جو سب سے بڑا ہے۔

غرض علم اور عمل میں جو سب سے بڑا ہے وہی امامت قوم کا حق رکھتا ہے۔

سنن ابی داؤد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک امام مسجد نے قبلہ کی طرف تھوک پھینکا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا۔ آپ نے نمازیوں کو حکم دیا کہ اس امام کو معزول کر دیا جائے۔ چنانچہ جس وقت وہ شخص نماز پڑھانے کے لئے آیا۔ نمازیوں نے اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مطلع کیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:۔

نعم انك اذیت الله ورسوله۔ ہاں! اس لئے کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قبلہ کی طرف تھوکنے سے ایک شخص کو امامت سے معزول کر دیا تو جو شخص فسق و فجور کے کاموں میں سے کسی ایک میں مبتلا پایا جائے۔ وہ کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟

امام ابن تیمیہ سے ایک امام مسجد کے متعلق جو بھنگ پیتا تھا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

لایجوز ان یولی فی الامام بالناس من یاکل الحشیشة اویفعل من المنکرات المحرمة مع امکان تولیة من هوخیرمنه وفی الحدیث من قلد رجلا عملا علی عصابة وهویجد فی تلك العصابة من هوارضی لله فقد خان الله وخان رسوله وخان المومنین۔ وفی حدیث اخراذاام الرجل القوم وفیهم من هوخیرمنه لم یزالوا فی اسفال۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۰)

جو شخص بھنگ کا استعمال کرتا ہے یا دہ محرمات کا ارتکاب کرتا ہے اسے ہرگز امام نہ بنایا جائے حدیث میں ہے جس شخص نے کسی کو جماعت کے ایسے کام کے لئے متعین کیا کہ وہ اس جماعت میں اس سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ آدمی مل سکتا ہے تو اس مقرر کرنے والے نے اللہ کی خیانت کی، اور اللہ کے رسول کی خیانت کی۔ اور مسلمانوں کی خیانت کی، اور دوسری حدیث میں ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ تنزل اور تسفل وادبار میں رہیں گے کہ جو اچھے آدمی کے ہوتے ہوئے کسی ادنیٰ کو امام بنائیں گے۔

اس کے بعد امام ابن تیمیہؒ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں جن کو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے بعد امام موصوف فرماتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق عام طور پر جو یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ صلوا خلف کل بر و فاجر (کہ ہر نیک اور فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو) فرماتے ہیں:۔

ان ھذا الحدیث لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل فی سنن ابن ماجہ لا یومن فاجر مومنا الا ان یقھرہ بسوط او عصا۔ کہ یہ حدیث تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ فاجر مومن کا امام نہ بنے۔ سوائے اس کے کہ حاکم کا ڈر ہو یا لاٹھی اس کو مجبور کر دے۔
(فتاوی ابن تیمیہ جلد ۱ ص ۱۰۸)

پھر اس کے بعد امام موصوف فرماتے ہیں کہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف صحت میں، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق تو سرے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے لیکن مکروہ ہوتی ہے۔

اسی طرح قاضی شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:۔

واعلم محل النزاع انما ھو فی صحۃ الجماعۃ بعد من لا عدالۃ لہ واما انہا مکروھۃ فلا خلاف فی ذلک۔ اختلاف صرف فاسق کے پیچھے نماز صحیح ہونے کے متعلق ہے، باقی رہا یہ امر کہ غیر عادل کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ اس میں تو اختلاف ہی نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ اسی فتوے کے آخر میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ فاسق امام کے ہٹائے جانے کی مخالفت کرتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ازاں بعد سنن ابی داؤد کی حدیث ذکر کرتے ہیں۔

من حالت شفاعتہ فی حد من حدود اللہ فقد ضاد اللہ فی امرہ ومن خاصم فی باطل وھو اعلم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینتزع۔ جس شخص کی شفاعت اللہ کی حدود میں حائل ہوئی اس نے اللہ کے حکم سے دشمنی کی۔ اور جس نے کسی باطل معاملہ میں جھگڑا کیا یہ جانتے ہوئے کہ یہ باطل ہے وہ ہمیشہ اللہ کے غصے اور اسکے

عتاب میں رہے گا تاآنکہ وہ اس سے نکل آئے۔

پس مذکورہ احادیث اور علمائے اسلام کی تصریحات کے مطابق جو شخص مسجد میں زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو۔ اور خود اس نے اس کا اقرار بھری مجلس میں کرلیا ہو۔ وہ کیونکر مسلمانوں کا امام اور پیشوا ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کو دوسرے گاؤں سے بلاکر امام بنانے والے ایسی حالت میں جبکہ اس سے زیادہ نیک اور صالح امام اس گاؤں میں موجود ہیں یا تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں۔ حدیث نبوی کے مطابق اللہ کی خیانت، اللہ کے رسول کی خیانت اور مسلمانوں کی خیانت کرنے والے ہیں۔ اور دوسری حدیث کے مطابق یہ مسلمانوں کو تسفل اور تنزل کے گڑھے میں گرانے والے ہیں۔

باقی رہا یہ معاملہ کہ وہ اب توبہ کررہا ہے۔ تو معلوم رہنا چاہئے کہ زنا کی توبہ حد شرعی ہے۔ جو کنوارے کے لئے سو دُرّے اور ایک سال کے لئے جلاوطنی اور رنڈوے کے لیے سنگساری ہے۔ اس ملک میں چونکہ شرعی حد قائم نہیں ہوتی۔ اس لئے کم سے کم جو سزا اس امام کو دی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بعد ایک سال کے لئے اس کو گاؤں سے نکال دیا جائے۔ اس عرصہ میں اگر اس کا چال چلن اچھا رہا۔ اور کسی قسم کا شک وشبہ اس پر نہ ہوا اور توبہ وزاری کرتا رہا اور اس کی گفتگو، نشست، وبرخاست اور عام چال چلن میں خوف وخشیت الٰہی ظاہر ہوتی رہی۔ اور برے لوگوں کی مجلس سے اور غیر محرم عورتوں سے ملنے جلنے اور ان سے خلا ملا کرنے سے باز رہا۔ تو اس قابل ہوسکتا ہے کہ اس کو امام بنایا جائے۔

لیکن یہ حکم ہر حالت میں مقدم ہے کہ جماعت میں جو سب سے زیادہ نیک اور عالم ہے وہی شخص امام ہوسکتا ہے۔ الاعتصام جلد ۱۱ شمارہ ۲۶

سوال:۔ کیا امام جماعت کراتے وقت قرآن مجید دیکھ کر پڑھ سکتا ہے؟ جواب میں حوالجات ضرور درج فرمائیں۔

میں نے بخاری شریف میں دیکھا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے غلام ذکوان کے پیچھے (جو کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا تھا) نماز ادا کی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب امامۃ العبد والمولیٰ" میں اس کو درج کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

کانت عائشۃ یؤمّھا عبدھا ذکوان من المصحف (الحدیث)

نصر الباری ترجمہ صحیح بخاری کے حاشیہ پر مولانا عبدالواحد غزنوی نے لکھا ہے کہ نمازی قرآن مجید دیکھ کر قرأت پڑھے تو جائز ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابو داؤد، کتاب المصحف میں اس بات کو موصولاً لایا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اگر سنن ابی داؤد میں یہ حدیث ہو تو باب اور صفحہ سے آگاہ فرمائیں تا کہ دیکھنے میں آسانی ہو۔

مجھے یہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا ابو سعید محمد حسین مرحوم تراویح کی جماعت کراتے وقت جب قرأت بھول جاتے تو قرآن مجید سے دیکھ لیتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ بات کہاں تک درست ہے؛ لیکن جب میں نے اس بات کی تحقیق مولوی صاحب کی صاحبزادی سے کی تو معلوم ہوا کہ تہجد کے وقت وہ نوافل پڑھتے وقت قرآن مجید دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ میں نے صحیح بخاری کی مندرجہ بالا احدیث کو مد نظر رکھ کر نماز تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھانا شروع کیا تو لوگوں میں چرچا ہوا کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؛ میں نے جواب دیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کا عمل مجھے محبوب ہے۔

آپ چونکہ بفضلِ خدا محدث ہیں لہٰذا مجھے اچھی طرح حوالہ جات بھیجیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ فعل نبویؐ نہیں کیونکہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ تو حافظ قرآن تھے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ ام المؤمنین جو امّت کی مسلّمہ علّامہ فہامہ تھیں۔ یہ ان کا فعل ہے جس کو میں بُرا نہیں کہہ سکتا۔

اس مسئلہ میں اگر کسی کتاب میں کسی امام کا قول درج ہو تو وہ لکھ بھیجیں۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔ فقط عبدالجبار خاں انگلش ماسٹر بر مکان مولانا محمد حسین مرحوم بٹالہ (ضلع گورداسپور) (۲۱/۱۱/۳۹)

الجواب بعون الوھاب:۔ بخاری شریف کے حوالہ سے جو روایت آپ نے ذکر کی ہے وہ سنن ابی داؤد جو صحاح ستہ سے ہے، اس میں نہیں بلکہ کتاب المصاحف میں ہے جو سنن کے علاوہ ہے۔ نیز یہ روایت مسند امام شافعی رح مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۳ ص ۳۸۷ و منتقی مع نیل الاوطار جلد ۳ ص ۱۵۸

اس کے علاوہ قیام اللیل کے صـ۹۷ میں امام محمد بن نصر مروزی نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور

اس کے علاوہ اور روایتیں بھی ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ سئل ابن شھاب عن الرجل یوم الناس فی المصحف قال ما زالوا یفعلون ذٰلك منذ كان الاسلام كان خيارنا يقرؤن فی المصاحف۔

ابن شہاب زہری تابعی سے سوال ہوا کہ قرآن مجید میں دیکھ کر امامت کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ہمیشہ علماء جب سے اسلام ہوا قرآن مجید دیکھ کر امامت کراتے رہے۔ جو ہمارے بہتر تھے وہ قرآن مجید دیکھ کر امامت کراتے۔

۲۔ ابراهيم بن سعد عن ابيه انه كان يامره ان يقوم باهله فی رمضان ويامره ان يقرأ لهم فی المصحف ويقول اسمعنی صوتك۔

ابراہیم بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس کو حکم دیتے کہ اپنے اہل کو لے کر ماہ رمضان میں قیام کرے اور حکم دیتے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھے اور فرماتے کہ اتنا بلند آواز سے پڑھے کہ مجھے تیری آواز سنائی دے۔

۳۔ قتادة عن سعيد بن المسيب فی الذی یقوم فی رمضان ان كان معه ما يقرأ به فی ليلة والا فليقرأ من المصحف فقال الحسن ليقرأ بما معه ويردده ولا يقرأ من المصحف كما تفعل اليهود قال قتادة وقول سعيد اعجب الی۔

قتادہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں جو شخص رمضان میں قیام کرے اگر اس کو اتنا قرآن مجید یاد ہو کہ ایک رات کے لئے کافی ہو تو بہتر۔ ورنہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھ لے حسن بصری نے کہا جو کچھ تھوڑا بہت یاد ہو اس کو بار بار پڑھا جائے اور یہود کی طرح دیکھ کر قرآن مجید نہ پڑھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک سعید بن مسیب کا قول زیادہ پسندیدہ ہے۔

۴۔ ایوب عن محمد۔ انه كان لا يری باسا ان يؤم الرجل القوم فی التطوع يقرأ فی المصحف۔

یعنی ایوب، محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نوافل میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے میں

کوئی ہرج نہیں سمجھتے تھے۔

۵۔ وقال عطاء فی الرجل یؤم فی رمضان من المصحف لا باس بہ۔

عطاء کہتے ہیں قرآن مجید میں دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی ہرج نہیں۔

۶۔ وقال یحیی بن سعید الانصاری لا اری بالقرأۃ من المصحف فی رمضان باسا یرید القیام۔

یعنی یحیی بن سعید انصاری کہتے ہیں کہ رمضان میں قیام کی حالت میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے میں، میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔

۷۔ ابن وھب سئل مالک عن اھل قریۃ لیس احد منھم جامعا للقرآن اتری ان یجعلوا مصحفا یقرأ لھم رجل منھم فیہ فقال لا باس بہ فقیل لہ فالرجل الذی قد جمع القرآن اتری ان یصلی فی المسجد خلف ھذا الذی یقوم بھم فی المصحف او یصلی فی بیتہ فقال لا لیصل فی بیتہ۔

یعنی ابن وہب کہتے ہیں امام مالک سے سوال ہوا کہ ایک گاؤں میں کوئی حافظ قرآن نہیں۔ کیا آپ کے نزدیک درست ہے کہ وہ قرآن مجید آگے رکھیں اور ان میں سے ایک قرآن مجید دیکھ کر امامت کرائے۔ فرمایا، کوئی ہرج نہیں۔ پھر کہا گیا۔ حافظ، قرآن میں دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدار کرے یا گھر میں نماز پڑھے۔ فرمایا گھر میں نماز پڑھے۔

۸۔ عن احمد فی رجل یؤم فی رمضان فی المصحف فرخص فیہ فقیل لہ یؤم الفریضۃ قال ویکون ھذا۔

امام احمد سے روایت ہے کہ کوئی شخص رمضان میں قرآن مجید دیکھ کر امامت کرائے تو رخصت دی۔ کہا گیا کہ فرضوں میں بھی امامت کرا سکتا ہے فرمایا، فرضوں میں یہ ہوتا ہے یعنی فرضوں میں لمبے قیام کی کیا ضرورت ہے۔ ایک آدھ سورۃ ہی کافی ہے۔

۹۔ وعنہ ایضا وقد سئل ھل یؤم فی المصحف فی رمضان قال ما یعجبنی الا ان یضطر الی ذالک وبہ قال اسحاق۔

یعنی امام احمد سے سوال ہوا کہ کیا قرآن مجید دیکھ کر امامت کرائے۔ فرمایا! مجھے پسند نہیں

مگر غیر ضرورت کے لئے جائز ہے اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

قیام اللیل میں یہ روایات قرآن مجید دیکھ کر امامت کرانے کے متعلق ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد بعض تابعین وغیرہ سے کراہت نقل کی ہے۔ جن سے ابراہیم نخعیؒ کا قول ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں علماء قرآن سے دیکھ کر امامت کرانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے۔

۲۔ سلیمان بن حنظلہ رحؒ ایک قوم کے پاس سے گذرے ایک شخص قرآن مجید سرہانی پر رکھ کر رمضان میں ان کی امامت کرا رہا تھا۔ سلیمان بن حنظلہ رحؒ نے قرآن مجید پرے رکھ دیا۔

۳۔ عامر شعبیؒ نے بھی اس بات کو مکروہ سمجھا کہ نماز کی حالت میں امام قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھے

۴۔ سفیان رحؒ نے کہا۔ رمضان ہو یا غیر رمضان۔ قرآن مجید دیکھ کر امامت مکروہ ہے اس میں کتاب کی مشابہت ہے۔

۵۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ سے روایت ہے کہ جو قرآن مجید دیکھ کر امامت کرائے اسکی نماز فاسد ہے اور امام ابو حنیفہ رحؒ کے شاگردوں نے امام ابو حنیفہ رحؒ کی اس میں مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی ہاں یہ فعل مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ کے قول کی بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ قرآن مجید میں دیکھنا یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ دیکھنا قرأت کی خاطر ہے اور قرأت نماز میں داخل ہے اور دیکھنا بالطبع ہے جیسے اور اشیاء پر نظر پڑتی ہے۔ پس جو شخص اس قسم کا ہلکا فعل کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ فعل کے مشابہ ہو۔ یا اس کے قریب ہو۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اگر حد سے گذر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور دیکھ کر پڑھنا ثابت شدہ فعل کے قریب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ علم دار لوئی میں نماز پڑھی۔ آپ کا خیال لوئی کی طرف چلا گیا۔ آپ نے نماز ہی میں اتار دی۔ چونکہ یہ فعل نماز ہی کی خاطر تھا جس سے نماز کا بڑا جز خشوع قائم رکھنا مقصود تھا۔ اس لئے اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آیا۔ پس امام ابو حنیفہ رحؒ کا نماز کو فاسد کہنا اس کی کوئی وجہ نہیں۔ جس نے مکروہ جانا اس نے صرف اہل کتاب کی مشابہت سے مکروہ جانا ہے۔

یہ امام محمد بن نصر مروزی کی تحقیق کا خلاصہ ہے انہوں نے دونوں فریق کے اقوال سامنے رکھ دئے ہیں اور امام ابوحنیفہ رح کے قول میں چونکہ کچھ زیادہ بُعد تھا اس لئے اس کی تردید کر دی۔ یہود کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ کہنا بھی کمزور ہے۔ کیونکہ یہود کی مشابہت سے نہی اس بارے میں صراحتہً نہیں آئی صرف ایک عام اصول؛

من تشبہ بقوم فھو منھم۔ کے تحت داخل کر کے اس سے نہی کی جاتی ہے۔ مگر جب اس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ نماز کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی تفصیل کی ہے کہ کسی حکم کی اتنی تفصیل نہیں کی۔ ذرا ذرا سی بات بتا دی۔ جس بات میں یہود وغیرہ کی مخالفت کی ضرورت تھی، وہ بھی بتا دی مثلاً:۔

سدل کرنا۔ یعنی سر پر یا کندھوں پر چادر ڈال کر اس کی دونوں طرف لٹکی ہوئی چھوڑ دینا۔

نماز میں پہلو پر ہاتھ رکھنا۔

جُوتوں میں نماز پڑھنا وغیرہ۔

تو اگر قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے میں بھی مخالفت شارع (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقصود ہوتی تو شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کے لئے بھی ہدایت ہوتی۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اس عام اصول کے تحت داخل نہیں خاص کر نوافل میں۔ خاص کر ضرورت کے وقت۔ کیونکہ یہود کا یہ فعل عام ہے جس کی وجہ سے ان میں حفظِ تورات کا رواج نہیں۔ پس جب یہ اس عام اصول کے تحت داخل نہ ہوا تو اس وجہ سے اس کو مکروہ کہنا بھی ٹھیک نہ ہوا۔

اسی لئے قتادہ نے باوجود حسن بصری سے فعل یہود ہونا نقل کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میرے نزدیک سعید بن مسیبؒ کا قول زیادہ پسند ہے۔

اس کے علاوہ جواز کے قائلین میں حضرت عائشہؓ ہیں جو جلیل القدر صحابیہؓ ہیں اور مکروہ کہنے والے صرف تابعین وغیرہ ہیں۔ پس اس وجہ سے بھی ترجیح جواز ہی کو ہے۔

مولوی محمد حسین مرحوم کا مندرجہ سوال مجھے بھی پہنچا ہے غالباً وہ اسی بنا پر ہوگا۔

پھر مشکوٰۃ باب الترجل فصل اول ص ۳۷۲ میں ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ "جس بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حکم نہ ہوتا۔ آپؐ اس میں اہل کتاب کی

موافقت دوست رکھتے "۔

پس اب اپنے طور پر اہل کتاب کی مخالفت تجویز کرنا کیونکر درست ہوگا۔

پس ترجیح اسی کو ہے کہ دیکھ کر پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی۔ دیکم دسمبر ۱۹۳۶ء)

تنظیم اہل حدیث جلد ۲۲ شمارہ ۳۴

محترم حافظ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حسب ذیل سوالات کے جوابات بہت جلد ارسال فرمائیں :۔

۱۔ لاؤڈ سپیکر کی آواز سن کر نماز فرض ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

۲۔ اگر مسجد گاؤں کے درمیان میں ہو اور لاؤڈ سپیکر کا انتظام ہو تو کیا مرد عورتیں اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں ؟ بعض امام کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔

زمیندار اپنے کھیتوں میں لاؤڈ سپیکر کی آواز سن کر نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں یا نہیں

قرآن وحدیث سے حوالہ دیں۔

احمد علی صدر مدرس مدرسہ دار القرآن والحدیث چک ۲۳۳ گ۔ب

ڈاکخانہ تاندلیانوالہ۔ (ضلع لائلپور)

جواب ۱ :۔ لاؤڈ سپیکر کی آواز پر نماز فرض پڑھی جا سکتی ہے اس لئے کہ امام کی آواز کو مقتدیوں تک پہنچانے کا وہ ایک آلہ ہے۔ ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

جواب ۲ :۔ لاؤڈ سپیکر کی آواز پر مسجد کو ترک کر کے گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی کھیتوں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ مقتدیوں اور امام کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح صفوں کے درمیان بھی زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیئے۔

حدیث میں ہے :۔ عن ابی سعید الخدری قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اصحابہ تاخرا فقال لھم تقدموا واتموا بی ولیأتم بکم من بعدکم (الحدیث)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دیکھا کہ وہ بہت پیچھے کھڑے ہیں۔ فرمایا۔ آگے ہو، اور میری اقتداء کرو، پچھلے لوگ تمہاری اقتداء کریں۔

دوسری حدیث میں ہے:۔ رصوا صفوفکم وقاربوا بینہا۔

یعنی سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنی صفیں بناؤ اور صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رکھو۔ ان ہر دو احادیث سے ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو زیادہ پیچھے کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ میرے قریب ہو کر کھڑے ہو اور صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رکھو۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو اپنے اپنے گھروں میں یا کھیتوں میں لاؤڈ سپیکر کی آواز پر امام کی اقتداء میں نماز پڑھنی جائز نہیں اس لئے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہے گویا کہ امام اور مقتدیوں کا آپس میں اقتداء کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ عورتیں اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں تو کوئی ہرج نہیں اس لئے کہ ان کے لئے مسجد میں حاضری فرض نہیں، بلکہ مسجد کی نسبت انکا اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ تنظیم اہل حدیث جلد ۲۲ شمارہ ۳۶

سوال:۔ ہمارے محلہ میں نزدیک ترین مسجد کا امام بریلوی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیئے یا علیحدہ پڑھنی چاہیئے۔

جواب:۔ بریلویوں کے بعض عقائد کفریہ ہیں اگر یہ امام بھی عام بریلویوں کی طرح ان کے کفریہ عقائد رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے اور اگر وہ تمام کفری عقائد سے پاک ہے تو اسکے پیچھے نماز جائز ہے لیکن قصداً اس کو امام نہیں بنانا چاہیئے ارشاد ہے۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم۔ محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۲

سوال:۔ اگر پیش امام اپنے نابالغ بچے کو اپنے ساتھ دائیں طرف تعلیم کی غرض سے کھڑا کر کے نماز پڑھے تو کیا اس کو دو امام قرار دیا جائیگا اور کیا ایسا کرنے سے مقتدی کی نماز میں خلل واقع ہو گا اور کیا امام گنہگار ہو گا۔ عبدالحلیم پٹنہ

جواب:۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی حضرت امامہ بنت زینب کو فرض نماز پڑھانے کی حالت میں دوش اقدس پر اٹھا رکھا تھا جب رکوع اور سجدہ کے لئے جھکتے تو انکو دوش مبارک سے زمین پر اتار دیتے (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں بیٹھ کر اس طرح فرض نماز پڑھائی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ آپ کے پہلو میں دائیں جانب کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء کر رہے تھے اور بقیہ مقتدی آپ کے پیچھے تھے (بخاری مسلم وغیرہ) معلوم ہوا کہ امام کے اپنے ساتھ نابالغ بچہ کو کندھے پر اٹھائے رکھنے سے یا بغرض تعلیم دائیں جانب کھڑا کرنے سے یا کسی بالغ مقتدی کو اپنے پہلو میں کھڑا رکھنے سے مقتدیوں کی نماز میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا اور نہ امام گنہگار ہوتا ہے اور نہ ان کو دو امام قرار دیا جائے گا۔ ہاں مناسب یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو مردوں کی صف کے پیچھے کھڑا کیا جائے۔ عن عبد الرحمن بن غنم قال قال ابو مالك الاشعری الا احدثكم بصلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم قال فاقام الصلوٰة فصف الرجال وصف الغلمان خلفهم ثم صلی بهم فذكر صلوٰته ثم قال هكذا صلوٰة امتی (مسند احمد وابوداؤد)

محدث دہلی جلد ۸ شمارہ ۳

سوال:۔ پیش امام دوسری رکعت کے بعد بیٹھنا بھول گیا تو تیسری رکعت پڑھ کر تشہد کیلئے بیٹھے یا نہیں؟ یا چوتھی رکعت پوری کر کے تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کا کر کے سلام پھیرے؟ مقتدی نے تیسری رکعت میں لقمہ دیا تب بھی امام نہیں بیٹھا اور چوتھی رکعت ختم کر کے سلام کے بعد کہا کہ تیسری رکعت میں بیٹھنا کچھ ضروری نہیں ہے۔　　سائل مذکور۔

جواب:۔ امام جب چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت کے بعد بیٹھنا بھول جائے تو تیسری رکعت کے بعد نہ بیٹھے کیونکہ یہ قعدہ کا محل نہیں ہے۔ چوتھی رکعت پوری کر کے تشہد اور درود و دعا پڑھ کر دو سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔ مقتدیوں کا تیسری رکعت میں امام کو قعدہ کرنے کے لئے لقمہ دینا درست نہیں ہے۔ قعدہ اولیٰ واجب ہے، بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں قعدہ اولیٰ بھول گئے تو تیسری رکعت کے بعد قعدہ

نہیں کیا بلکہ چوتھی رکعت پوری کر کے دو سجدہ سہو ادا فرما کر سلام کیا۔ (بخاری مسلم وغیرہ)

محدث دہلی جلد ۸ شمارہ ۳

سوال:۔ بریلوی عقیدہ رکھنے والے حنفی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ ایک امام دیوبندی عقیدہ رکھتا ہے لیکن قومہ اور جلسہ میں دعا نہیں پڑھتا اور اس کے پیچھے اہلحدیث مقتدی اس کی کچھ عجلت کی وجہ سے قومہ اور جلسہ کی دعائیں نہیں پڑھ سکتے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

جواب:۔ کسی بریلوی حنفی کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ ان کے بعض عقائد و اعمال شرکیہ اور کفریہ ہیں (مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کا یہ عقیدہ کہ آپ کو غیب کا کلی علم تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور اولیاء اللہ کائنات میں تصرف کی قوت رکھتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں اور اہل قبور کو حاجت روا سمجھ کر ان سے استمداد و استعانت اور قبروں اور پیروں کو سجدہ وغیرہ ذلك من العقائد الکفریۃ) اور شرک و کفر کرنے والوں کے پیچھے قطعاً نماز جائز نہیں ہے۔ فانہ لافرق بین الکفرۃ من الیھود والنصاری والھنادك وبین ھولاء القبوریین۔ اگر یہ دیوبندی امام رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور سجدہ کے لئے سر جھکانے سے پہلے کچھ توقف کر کے سجدہ میں جاتا ہے اور پہلے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد سیدھا بیٹھ جاتا ہے اور قدرے توقف کر کے دوسرے سجدہ میں جاتا ہے تو اس کے پیچھے اہل حدیث کی نماز ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ امام بجز تحمید کے قومہ اور جلسہ بین السجدتین کی دعا نہ پڑھے۔ اور نہ اس کی اس قدر عجلت کی وجہ سے اہل حدیث مقتدی کو پڑھنے کا موقع ملے۔ قومہ میں سیدھا کھڑا ہونا اور سجدہ کے لئے جھکنے سے پہلے اطمینان اور قدرے توقف کرنا اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا اور اطمینان اور کچھ توقف کرنا فرض ہے بغیر اس کے نماز صحیح نہیں ہو سکتی اور ان دونوں مقاموں میں دعا و ذکر ضروری نہیں بلکہ سنت ہے لیکن تعجب ہے ان لوگوں پر جو اپنے تئیں اہل سنت والجماعت کہلوانے کے باوجود ان صحیح حدیثوں پر عمل نہیں کرتے جن میں قومہ اور جلسہ بین السجدتین کا رکوع و سجدہ کے قریب ہونا اور ان دونوں مقاموں میں دعا و ذکر مخصوص مروی اور مذکور ہے۔ (بخاری ومسلم عن انس و براء بن عازب ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ عن ابن عباس۔ احمد عن ابی ہریرۃ۔ ترمذی ابوداؤد نسائی عن رفاعۃ الزرقی۔ بخاری

ومسلم عن ابی ہریرۃ مسلم نسائی عن ابن عباس مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی ابن حبان دارقطنی عن علی)
اوران حدیثوں کی دعاؤں کو بلا دلیل نفل نماز کے ساتھ مخصوص کرکے فرائض میں قصداً ودیدہ ودانستہ اس سنت ثابتہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لکنہ لیس باول قارورۃ کسرت فلا عجب فانہ قد سول لھم قرینھم رد السنن الصحیحۃ الثابتۃ حتی صار ذلک عادتھم فلا یبالون بما یفعلون باحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر یہ دیوبندی امام قومہ میں سیدھا کھڑا ہوئے اور کچھ توقف کئے ہوئے بغیر سجدہ میں گر پڑتا ہے اور پہلے سجدہ کے بعد سیدھا بیٹھنے اور قدرے توقف کرنے کے بغیر دوسرے سجدہ میں چلا جاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۸

سوال :۔ ایک آدمی جان بوجھ کر ڈاڑھی منڈاتا ہے ایسے آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ یہ شخص فاسق ہے اور فاسق کو قصداً امام نہیں بنانا چاہیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اجعلوا ائمتکم خیارکم اگر وہ نماز پڑھا رہا ہو اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں فتنہ کا خوف نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے اور اگر کوئی پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۰

سوال :۔ امام نے جماعت کرائی نماز ختم کرنے کے بعد اس کو خیال آیا کہ اس نے بے وضو نماز پڑھائی ہے ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں صرف امام نماز دہرائے یا مقتدی بھی؟

جواب :۔ اس مسئلہ میں ائمہ مختلف ہیں۔ امام مالکؒ وامام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگئی ان کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ صرف امام کی نماز باطل ہوئی اس لئے فقط وہی نماز دہرائے۔ یہ تینوں امام اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطئوا فلکم وعلیھم (احمد وبخاری) قال فی المنتقی وقد صح عن عمر انہ صلی بالناس وھو جنب ولم یعلم فاعاد ولم یعیدوا وکذلک عثمان وروی عن علی من قولہ رضی اللہ عنہ

انتہی قال الحافظ وفی روایۃ لاحمد فان اصابوا الصلوٰۃ لوقتہا واتموا الرکوع والسجود فہی لکم ولہم فہذا یبین ان المراد ما ہو اعم من اصابۃ الوقت قال ابن المنذر ہذا الحدیث یرد علی من زعم ان صلوٰۃ الامام اذا فسدت فسدت صلوٰۃ من خلفہ قال الشوکانی قولہ وان اخطئوا ای ارتکبوا الخطیئۃ ولم یرد الخطأ المقابل للعمد لانہ لا اثم فیہ واستدل بہ البغوی علی انہ یصح صلوٰۃ المامومین اذا کان امامہم محدثا وعلیہ الاعادۃ قال فی الفتح واستدل بہ غیرہ علی اعم من ذلک وہو صحۃ الائتمام بمن یخل بشیٔ من الصلوٰۃ رکنا کان او غیرہ اذا اتم المامومۃ وہو وجہ للشافعیۃ بشرط ان یکون الامام الخلیفۃ او نائبہ والاصح عندہم صحۃ الاقتداء الا لمن علم انہ ترک واجبا و منہم من استدل بہ علی الجواز مطلقا قال الشوکانی وہو الظاہر من الحدیث و یؤیدہ مارواہ المصنف عن الثلاثۃ الخلفاء انتہی (نیل الاوطار ج ۳ ص ۵۳) اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کی نماز باطل ہو گئی دونوں کو نماز دہرانی چاہیے دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ الامام ضامن والموذن موتمن (احمد ابوداؤد ترمذی ابن حبان ابن خزیمۃ حاکم عن ابی ھریرۃ) میرے نزدیک ائمہ ثلثہ کا مسلک راجح اور قوی ہے؛ محدث دہلی جلد ۸ شمارہ ۸

سوال:۔ امام مسجد بوقت جماعت حاضر نہیں ہے اور حاضرین میں ڈاڑھی والے جاہل ہیں۔ اور ایک پڑھا لکھا شخص موجود ہے لیکن اس کے ڈاڑھی نہیں ہے۔ کیا اس بے ڈاڑھی والے کے پیچھے نماز درست ہے؟ (محمد شفیع از فرید کوٹ)

جواب:۔ امام ایسے نیک شخص کو بنانا چاہیے جس کو نماز کے ضروری احکام کی واقفیت کے ساتھ تمام مصلیوں میں قرآن سب سے زیادہ یاد ہو اور اگر سب حاضرین کو تقریبًا برابر یاد ہو تو ان میں سے سب سے زیادہ علم شریعت سے واقفیت رکھنے والا امامت کا حق دار ہے اگر اس صفت میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے بڑی عمر والا امامت کا حقدار ہے اگر بے ڈاڑھی والے سے یہ مراد ہے کہ ابھی اس کے ڈاڑھی آئی ہی نہیں ہے اور قریب البلوغ ہے اور پڑھا لکھا ہونے سے

یہ مراد ہے کہ وہ مسائل شرعیہ سے زیادہ واقف ہے۔ تو بلاشبہ اس صورت میں وہی امامت کا مستحق ہے کیونکہ امامت کے لئے بلوغ شرط نہیں کما یدل علیہ حدیث عمرو بن سلمۃ الجرمی اور اگر بے ڈاڑھی سے یہ مراد ہے کہ وہ ڈاڑھی منڈا ہے تو اس کو ہرگز امام نہیں بنانا چاہیے کہ وہ فاسق ہے۔ (مولانا عبیداللہ رحمانی شیخ الحدیث و مفتی مدرسہ)

محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۲

سوال:۔ حنفی امام نے ظہر کی نماز پڑھائی یعنی امام بنا بعدہ کہنے لگا کہ فرض نماز نہ ہوئی کیونکہ اس نے پہلی چار یا دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ اس کے متعلق حدیث کا کیا حکم ہے۔ کیا وہ سنتوں کو فرضوں کے بعد نہیں پڑھ سکتا ہے کیا واقعی نماز نہیں ہوتی۔

جواب:۔ پنجگانہ نمازوں سے پہلے اور بعد کی سنتوں میں سے کوئی سنت فرض اور واجب نہیں ہے اور نہ قبل کی سنتوں کے پڑھنے پر فرض نماز کی ادائیگی اور صحت موقوف ہے یہ مسئلہ چاروں اماموں اور تمام محدثین کرام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس صورت مسئولہ میں امام کا فرض ظہر سے فارغ ہو کر یہ کہنا کہ فرض نماز نہ ہوئی کیونکہ اس نے فرض سے پہلے چار یا دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں باطل لغو اور جاہلانہ خیال ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ہاں وہ اپنی چھوٹی ہوئی سنتیں بعد فرض پڑھنے کے قضا کر سکتا ہے۔ محدث دہلی جلد ۲ شمارہ ۱

سوال:۔ دیوبندی۔ بریلوی امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ کیا یہ مسلمان ہیں یا نہیں ان سے رشتہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ نسبتیں دیوبند اور بریلی کے مدرسوں کی وجہ سے ہیں امامت کا تعلق اعمال صالحہ سے اور عقائد صالحہ سے ہے مستقل امام تو چن چھان کر انہیں صفات کا عامل منتخب کرنا چاہیے مجبوری اور عارضی اقتدار کے لئے اتنی تحقیق کی ضرورت نہیں ہوا کرتی نماز باجماعت ادا کر لینی چاہیے یہ لوگ اہل اسلام سے ہیں رشتہ ناطہ میں کوئی حرج نہیں جو حق سے اعراض کرے حکمت بالغہ و موعظت حسنہ سے اسے تبلیغ کرتے رہنا چاہیے۔ الجدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۲۰

سوال :۔ اصل امام کے ہوتے ہوئے بلا اجازت عیدین کے موقع پر کیا دوسرے امام کو کھڑا کرنا جائز ہے ؟ ۔

جواب :۔ ایسی گستاخی اور بدمزگی نہیں پیدا کرنا چاہیئے اصل امام سے اجازت لینا چاہیئے ورنہ نماز نہ ہوگی ۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۳۰

سوال :۔ جو امام رفع الیدین نہ کرے یا کوئی اور سنت چھوڑ دے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ پابند سنت صالح امام کا درجہ فائق ہے متذکرہ امام کے پیچھے نماز ہو جائے گی ۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۴، ۵

سوال :۔ ایک دیہات میں دو حافظ قرآن ہیں مگر علم سے پورے ناواقف اور مروجہ بدعتی رسومات کے شدت سے پابند ہیں ۔ دوسرے صاحب ایک عالم دین اور متبع سنت ہیں عوام نے عالم کو امام مقرر کیا ہوا ہے جو بارہ سال سے یہ خدمت کر رہے ہیں اب جاہل حافظوں نے جہلا کو ابھار کر خود امامت حاصل کرنا چاہتے ہیں فیصلہ یہ ہوا تین نمازیں حافظ صاحب اور دو نمازیں عالم صاحب پڑھایا کریں اب کیا عالم کی نماز ان کے پیچھے ہو جائے گی جبکہ حافظ صاحب کے اعمال پر گاؤں کی اکثریت معترض ہے ۔

جواب :۔ عالم باعمل کا درجہ بہت بڑا ہے امامت کے لئے وہی موزوں تھے اہل دیہہ کو ضد تعصب چھوڑ کر عالم پر اتفاق کر لینا چاہیئے جبکہ اکثریت بھی عالم صاحب پر راضی ہے متبع سنت کی نماز دائمی ابدی طور پر فاجر بدعتی کے پیچھے نہیں ہوتی ۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۱۹

سوال :۔ دیوبندی مذہب کس نے ایجاد کیا ۔ اسی مذہب والے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ۔ امام رفع یدین نہ کرے تو کیا مقتدی کر سکتا ہے ۔ (حبیب احمد موضع کدھر گجرات)

جواب :۔ دیوبندی در اصل سیدنا امام ابو حنیفہ رح کے مقلد ہیں یہ کوئی الگ اور نیا مسلک نہیں ہے

دیوبند شہر (انڈیا) میں اب بھی دینی مدرسہ ہے جو طلباء وہاں سے فارغ ہوتے ہیں وہ فاضل کہلاتے ہیں جو لوگ دیوبند علماء کرام سے تعلق رکھتے ہیں دیوبندی کہلاتے ہیں یہ فرقہ خود کو حنفی سنی کہلاتا ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیئے رفع یدین کرنی چاہیئے اور آمین بھی اونچی کہہ لینی چاہیئے امام کی اطاعت اس کے حسب حکم پیچھے پیچھے رکوع و سجود وغیرہ کرنے میں ہے تلاوت ادعیہ تسبیحات بسا اوقات کچھ امام پڑھ رہا ہوتا ہے مقتدی کچھ پڑھتا ہے کیونکہ نماز میں کئی قسم کے اذکار مسنون ہیں۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۵ شمارہ ۱۹

سوال:۔ امام مسجد اگر وقت کی پابندی نہ کرے اور اس وجہ سے نمازیوں میں انتشار پیدا ہو جائے تو ایسے امام کی امامت جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ محض وقت کے اختلاف پر کسی کی امامت کے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا البتہ کوشش ہونی چاہیئے امام اپنے مقرر کردہ وقت کی پابندی کرے وقت کے تقرر میں درحقیقت امام مختار ہے مقتدیوں کو صبر و شکیبائی سے کام لینا چاہیئے اور پانچ پانچ اور دس دس منٹ اختلاف پر انتشار پیدا نہیں کرنا چاہیئے بیشک اول وقت نماز کا اجر بہت بڑا ہے مگر اتفاق و اتحاد قائم رکھنے کا اجر بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۱۴

سوال:۔ ایک امام مسجد کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے مگر وہ عورت اس پر رضا مند نہیں ہے عورت منکوحہ ہے امام اسے ورغلاتا ہے اور ہر طرح سے کوشش کرتا ہے کہ وہ پہلے خاوند کو چھوڑ دے۔ چنانچہ اس پر فساد ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص امامت کے قابل ہے یا نہیں؟ محمد عبید اللہ رنگپور

جواب:۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یقیناً ایسا امام امامت کے قابل نہیں ہے کیونکہ امامت کے متعلق چونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے اِجْعَلُوا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ لَا يُؤُمَّنَّكُمْ فَاجِرٌ فاسق و فاجر کو امام نہ بناؤ یہ کام جو امام مذکور کر رہا ہے شرعاً ناجائز ہے۔ اور کھلا ہوا فسق ہے۔ اسلئے وہ امامت کا اہل نہیں ہے ابو داؤد میں ہے حضورؐ کا ارشاد ہے لیس منا من خبب امراۃً

علیٰ زوجہا جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف ابھارے ورغلائے اور اس سے جدا کرنا چاہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۱۶

سوال:۔ ہمارے ہاں ایک امام نے عید پڑھائی اور دوسرے شخص نے خطبہ دیا کیا اس طرح جائز ہے۔ بابو فدا محمد

جواب:۔ عند الضرورت جائز ہے کوئی ہرج نہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۸

سوال:۔ امام نے عید کا خطبہ ایک ہی پڑھا دوسرا نہیں پڑھا کیا خطبہ ہو گیا۔

جواب:۔ مسنون یہی ہے کہ خطبے دو ہوں مگر بھول کر ایک ہی پڑھا گیا ہو تو کوئی ہرج نہیں۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۸

سوال:۔ امام نے خطبۂ عید میں مصلے چھوڑ کر دوسری جگہ خطبہ پڑھا نیز بہت لمبا خطبہ پڑھا جس سے لوگ اکتا گئے کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ جگہ بدل لینے میں کوئی ہرج نہیں مگر خطبہ میں اتنی طوالت کہ لوگ اکتا جائیں ممنوع ہے خطیب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۸

سوال:۔ اگر امام دو تین منٹ اپنے مصلے پر نہ آئے تو تکبیر پڑھ دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ محمد یوسف

جواب:۔ تکبیر امام کی آمد یا کسی کی اجازت پر ہونی چاہیئے اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۹

سوال:۔ اگر امام قرارۃ میں بھول جائے اور کوئی مقتدی لقمہ دے تو کیا امام پر سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے؟

جواب:۔ لقمہ سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۳۲

سوال :۔ امام جماعت کرا رہا ہو اس کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے ؟ کیا جماعت کھڑی رہے اور وہ وضو کرے پھر وہیں آ کھڑا ہو اور وہیں سے نماز شروع کر دے ۔

جواب :۔ اگر کوئی آدمی اس جگہ امامت کے فرائض سرانجام دے سکے تو دے سکتا ہے ورنہ اس کے ساتھ ہی سب مقتدی سلام پھیر دیں اور پھر امام صاحب وضو کر کے از سر نو نماز شروع کریں ۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۹ شمارہ ۱۴

سوال :۔ مشرک یا بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ غلام رسول ڈسکہ

جواب :۔ حدیث شریف میں ہے فلیؤمکم خیارکم صالح عمل انسان امامت کرائے اس لئے مستقل امام پابند سنت چاہیئے مشرک و بدعتی درست نہیں اگر اس کا اشراک ابتدار سے واضح ہے تو پھر اس کی اقتدار ہرگز نہ چاہیئے نماز نہ ہو گی ۔ ہاں اگر کبھی کبھار اتفاقی طور پر ایسے امام سے پالا پڑ جائے تو طوعاً کرہاً اقتدار کر لینی چاہیئے حدیث پاک میں ہے صلوا خلف کل بر وفاجر ۔ ہر ایک نیک و بد فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو یہ گاہے ماہے کے لئے اجازت ہے ۔

اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۱۴

سوال :۔ امام اگر نماز میں کوئی لفظ بھول جائے تو اس کو لقمہ دینا درست ہے یا نہیں ؟ اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں مروی ہے کہ آپ نماز فرض میں بھول گئے ہوں اور صحابہؓ نے حالت اقتدار میں آپ کو لقمہ دیا ہو ؟ احناف اس کو ناجائز سمجھتے ہیں اور منع کرتے ہیں ۔ اور ان کے ہاں امام اگر بھول جائے تو صرف سجدہ سہو کر دینا کافی سمجھتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے ؟

جواب :۔ امام کو لقمہ دینا درست ہے ۔ چنانچہ ابوداؤد بحوالہ عون المعبود جلد اول صفحہ ۳۳۱ باب الفتح علی الامام فی الصلوٰۃ میں حدیث ہے ۔

۱ ۔ عن یحیی الکاھلی عن المسور بن یزید المالکی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یحیی ربما قال شھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فترک شیئا لم یقرأہ فقال لہ رجل یا رسول اللہ ترکت آیۃ کذا وکذا فقال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ھلا ذکرتنیھا۔

"یعنی مسور بن یزید مالکی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نماز میں قرأت فرماتے تھے۔ آپ نے درمیان سے کچھ چھوڑ دیا، نماز کے بعد ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی۔ اس پر آپؐ نے اس کو فرمایا کہ تو نے کیوں نہ یاد دلایا۔"

۲۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فیھا فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعک۔

"عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے۔ آپؐ پر قرأت مشتبہ ہو گئی یعنی بھول گئی یا آگے پیچھے ہو گئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی بن کعب حافظ القرآن کو فرمایا کہ تو نے میرے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں! آپؐ نے فرمایا تو نے مجھ کو لقمہ کیوں نہ دیا۔ کس چیز نے منع کیا۔

صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:۔

والحدیثان یدلان علیٰ مشروعیۃ الفتح علی الامام وتقیید الفتح بان یکون علی امام لم یرد الواجب من القرأۃ و باخر رکعۃ مما لادلیل علیہ۔

"یعنی دونوں حدیثیں جواز لقمہ پر دلالت کرتی ہیں، اور جواز لقمہ کو مقید کرنا اس شرط کے ساتھ کہ جب امام بقدر واجب من القرأۃ بھول گیا ہو۔ اور رکعت اخیری ہو یہ قول بلادلیل ہے"[1]

پھر صاحب عون فرماتے ہیں:۔

والادلۃ قد دلت علی مشروعیۃ الفتح مطلقا فعند نسیان الامام الأیۃ فی القراءۃ الجہریۃ یکون الفتح علیہ بتذکیرہ تلک الأیۃ کما فی حدیث الباب وعند نسانہ لغیرھا من الارکان یکون الفتح بالتسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔

"یعنی احادیث سے جواز لقمہ مطلقاً ثابت ہوتا ہے۔ خواہ بقدر واجب من القرأت میں بھولے یا زیادہ میں۔ اور فتح کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک جہری نماز میں اگر امام بھول جائے تو مقتدی خواہ

---

[1] غالباً جس نے یہ شرط لگائی ہے اس نے خیال کیا ہو کہ نماز شروع ہو تو نئے سرے سے پڑھنی سہل ہے اخیر نماز ہو تو نئے سرے سے نماز پڑھنے میں دقت ہے۔ اسلئے شروع نماز میں لقمہ کی اجازت نہیں، اخیر میں اجازت ہے۔ مگر ایسے قیاسات کا شرع میں کوئی

عورت ہو یا مرد۔ امام کو بھولی ہوئی آیت بتلادے (۲) اگر قرارت کے علاوہ مثلاً سجدہ یا قعدہ وغیرہ بھول جائے تو مقتدی مرد امام کو اطلاع دینے کے لئے سبحان اللہ کہے۔ اور عورت اطلاع دینے کیلئے تالی بجائے یعنی ہاتھ پہ دوسرا ہاتھ رکھ کر ایک مرتبہ مارے ۔"

فقہا بھی منع نہیں کرتے، بلکہ وہ بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح وقایہ جلد اوّل صفحہ ۱۵۴ مطبع یوسفی باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا۔

وفتحہ علی غیر امامہ قال بعض المشائخ اذا قرأ امامہ مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ او انتقل الی آیۃ اخریٰ ففتح تفسد صلوٰۃ الفاتح وان اخذ الامام منہ تفسد صلوٰۃ الامام ایضًا وبعضہم قالوا لا تفسد فی شیء من ذٰلک وسمعت ان الفتویٰ علیٰ ذٰلک۔

"یعنی مصلی اگر غیر امام کو لقمہ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر مصلی اپنے امام کو لقمہ دے تو جائز ہے۔ نماز فاسد نہ ہوگی۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ امام اگر تین آیتیں پڑھ کر بھول گیا، یا دوسری آیت شروع کر دی اس صورت میں لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگی۔ اگر امام نے لقمہ لیا تو امام کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ کسی کی بھی فاسد نہ ہوگی۔"

عبید اللہ بن مسعود تاج الشریعۃ صاحب شرح وقایہ کہتے ہیں کہ:۔

"ہم نے اپنے استادوں اور مشائخوں سے سنا ہے کہ فتوای اسی آخری قول (کسی کی بھی فاسد نہ ہوگی) پر ہے۔"

شرح وقایہ کے حاشیہ پر بھی مولانا عبد الحی محشی کتاب حنفی عالم جید نے بھی ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"لقمہ دینا جائز ہے۔"

دلیل ۲ ہدایہ مع نہایہ جلد اول مطبوعہ احمدی ص ۲۳۲ میں ہے۔

وان فتح علیٰ امامہ لم یکن کلامًا۔ "یعنی اگر امام کو لقمہ دیا جائے تو وہ کلام میں شمار نہیں تاکہ نماز فاسد نہ ہو جائے۔"

اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے کہ قولہ وان فتح علیٰ امامہ لم یکن کلامًا واطلاق ھٰذا دلیل علیٰ ان ما اذا قرء الامام مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ وبہ اذا لم یقرء ا

لا تفسد الفاتح ولا صلوٰۃ الامام بالاخذ۔

"یعنی شارح کہتے ہیں کہ مصنف کا کلام مطلق ہے اور یہ مطلق اس بات کی دلیل ہے کہ خواہ امام مقدار مایجوز بہ الصلوٰۃ کے پڑھنے کے بعد یا اس سے کم میں بھولے۔ ہر دو صورتوں میں اگر مقتدی لقمہ دے اور امام لقمہ قبول کرے نہ تو امام کی نماز فاسد ہوگی نہ مقتدی کی۔

احناف کا یہ کہنا کہ:۔

امام اگر بھول جائے تو اس کو لقمہ نہ دیا جائے صرف سجدہ سہو کرنا کافی ہے۔

اس کی دلیل کتب فقہ میں کہیں نہیں ہے۔ یہ ان کا زبانی قول بلا دلیل مردود ہے۔ کتب فقہ اس کے خلاف ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا۔

اعتراض اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابوداؤد میں باب الفتح علی الامام کے بعد باب النہی عن التلقین میں حدیث ہے:۔

عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی لا تفتح علی الامام فی الصلوٰۃ۔

"یعنی ابواسحاق سے روایت ہے وہ حارث سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! امام کو نماز میں لقمہ نہ دے"۔

تو اس کے کئی جواب ہیں:۔

جواب اوّل:۔ اس حدیث کی سند میں حارث ہے اس کی بابت صاحب عون فرماتے ہیں:۔

ھو ابوزھیر الحارث بن عبد اللہ الکوفی الاعور قال المنذری قال غیر واحد من الائمۃ انہ کذاب۔

"یعنی حدیث کی سند میں جو حارث ہے اس کی کنیت ابوزہیر ہے۔ باپ کا نام عبد اللہ ہے کوفہ کا رہنے والا ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ اکثر اماموں نے حارث کو کذّاب کہا ہے"۔

لہٰذا یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں۔

جواب دوم:۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے۔

قال ابوداؤد ابواسحاق لم یسمع من الحارث الا اربعۃ احادیث لیس ھذا منہا۔

"یعنی ابوداؤد نے کہا کہ ابواسحاق نے اپنے استاد سے سوائے چار احادیث کے اور کوئی حدیث نہیں سُنی۔ اور یہ حدیث (علی رضؓ والی) ان چاروں میں سے نہیں ہے۔"

لہٰذا یہ حدیث منقطع ہوئی، مرفوع متصل صحیح کے ہوتے ہوئے منقطع قابلِ حجت نہیں۔

جواب سوم:۔ عون المعبود میں ہے، قال الامام ابوسلیمان الخطابی وقد روی عن علی نفسہ انہ قال اذا استطعمکم الامام فاطعموہ من طریق ابی عبدالرحمٰن السلمی

"یعنی امام ابوسلیمان خطابی ؒ نے کہا ہے کہ عبدالرحمٰن سلمی روایت کرتے ہیں حضرت علیؓ سے کہا کہ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں جب امام تم سے لقمہ طلب کرے، تو اس کو لقمہ دو۔ مطلب یہ کہ جب امام بھول جائے یا پڑھنے سے رک جائے تو بتادو۔"

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الجبیر کے صنا میں فرماتے ہیں:۔

روی الحاکم عن انس کنا نفتح علی الائمۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"یعنی حاکم نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اماموں کو لقمہ دیا کرتے تھے۔"

وقد روی عبدالرزاق فی مصنفہ من طریق الحارث عن علی مرفوعا لاتفتح علی الامام وانت فی الصلوٰۃ والحارث ضعیف وقد صح عن ابی عبدالرحمٰن السلمی قال قال علی اذا استطعمك الامام فاطعمہ۔

"یعنی مسند عبدالرزاق میں حارث حضرت علی رضؓ سے مرفوعاً روایت کرتا ہے کہ اے علی رضؓ! امام کو اس حالت میں کہ تو نماز میں ہو لقمہ نہ دے اور حارث ضعیف ہے۔ اور عبدالرحمٰن سلمی رضؓ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ اے عبدالرحمان! اگر امام تجھ سے لقمہ کا طالب ہو تو تو لقمہ دے اور یہ روایت صحیح ہے۔"

جواب چہارم:۔ حارث کی ایک روایت لا تفتحن علی الامام وانت فی الصلوٰۃ ہے۔ اگرچہ لفظوں کا فرق مضر صحت حدیث نہیں ہے۔ اور جہاں فی الصلوٰۃ ہے وہاں وانت مقدر مان سکتے ہیں مگر یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ جب روایت صحیح ہو، جب روایت ہی صحیح نہیں تو تاویل کیسی؟

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ جس روایت میں صرف فی الصلوٰۃ ہے یہ قید صرف امام کی ہو۔ یعنی اے علی!
جب تو نماز میں نہ ہو اور کوئی امام قرارت میں بھول جائے تو، تو لقمہ نہ دے۔
چنانچہ اسی مطلب کو مدنظر رکھتے ہوئے امام ابوداؤد نے اسی جملے یا علی لا تفتح علی الامام
فی الصلوٰۃ سے نہی عن التلقین کا باب باندھا ہے، جس سے مطلب یہ ہے کہ غیر مصلی کا
امام کو لقمہ دینا جائز نہیں ہے انتہی۔
خلاصہ یہ کہ ان دلائل جواز کے باوجود بھی کوئی حنفی منع کرے تو وہ نہ حنفی ہے نہ اہل حدیث،
اگر حنفی ہوتا تو منع نہ کرتا کیونکہ کتب فقہ میں منع نہیں ہے، اور اگر اہل حدیث ہوتا تو منع کرنے پر
جرات نہ کرتا، کیونکہ حدیث میں منع نہیں ہے۔
تنظیم اہل حدیث جلد ۱۳ شمارہ ۳۷

سوال:۔ جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟
جواب:۔ جو شخص مرثیہ خوانی کرے اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، سو ایسا شخص اگر نماز پڑھا رہا ہو،
اور کوئی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاوے تو اس کی نماز ہو جاوے گی مگر ایسے شخص کو بالقصد
امام نہیں بنانا چاہیئے، اور نماز پڑھانے کے لئے آگے نہیں کرنا چاہیئے اس واسطے کہ مرثیہ خوانی
اور تعزیہ داری بلاشبہ فسق و فجور کے کام ہیں، اور فسق و فجور کے کام سے جو راضی ہو، اور
اس کی محفل میں جاوے، وہ بھی فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز تو ہو جاتی ہے مگر اس کو بالقصد
امام نہیں بنانا چاہیئے۔ حررہ عبدالرحیم اعظم گڈھی کوپوی۔ سید محمد نذیر حسین
فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۲۷۵

سوال:۔ افضل رتبہ والا آدمی ہوتے ہوئے کم رتبہ والا ڈاڑھی منڈا تاش باز کو امام بنانا جائز
ہے یا نہیں؟
جواب:۔ نہیں، جو قرآن زیادہ جانتا ہو اور متقی پرہیزگاری بھی ہو اس کو امام بنانا چاہیئے۔
يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ - اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ۔
فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص ۸۰

سوال:۔ ڈاڑھی منڈانے یا کترانے والے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اتفاقی طور پر ایسا امام کہیں نماز پڑھا رہا ہو یا عارضی طور پر امام بنا دیا گیا ہو تو اقتدا کر لینی چاہیئے تاکہ ملت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ ہاں مستقل طور پر سنت کے خلاف چلنے والے کو امام نہ بنانا چاہیئے اور نہ ہمیشہ کے لئے اسکی اقتدا کرنی چاہیئے۔ توانین فطرت جلد ۷ شمارہ ۸

سوال:۔ ایک امام مسجد سلام پھیرتے وقت اتنا طول کرتے ہیں کہ مقتدی پہلے ہی فارغ ہو جاتے ہیں کیا الفاظ سلام کو اتنا کھینچنا شرعًا جائز ہے۔ اور جو مقتدی پہلے سلام پھیر لیں وہ مجرم ہیں یا نہیں۔

جواب:۔ مقتدی کو امام سے پہلے سلام میں فراغت حاصل نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایک دو بار غلطی ہو گئی ہے تو استغفار کریں اور آئندہ کے لئے احتیاط امام کی روش سے پختہ مقتدی چند ایک نمازوں میں واقف ہو سکتا ہے امام صاحب اس وجہ سے سلام میں آواز کھینچتے ہوں گے کہ مقتدی دعاؤں وغیرہ سے جلدی فارغ ہو کر ساتھ مل جائیں۔ عام تلاوت کے مطابق تمدن آواز ہو تو ہرج نہیں اگر ضرورت اور اندازہ سے زیادہ آواز طول وطویل کی جاتی ہے تو معیوب ہے۔ بہرحال اس چھوٹے سے مسئلے کی ضد میں امام و مقتدی کو خدا کا گھر جھگڑے کا اکھاڑا نہیں بنانا چاہیئے۔

توانین فطرت سوہدرہ جلد ۸ شمارہ ۹

سوال:۔ اگر مقتدیوں اور امام کے عقیدہ میں فرق ہو تو کیا نماز ہو جاتی ہے۔

جواب:۔ سوال میں عقیدہ کی وضاحت مرقوم نہیں اس لئے جواب مشکل ہے اگر عقیدہ میں اصولی اختلاف ہو یعنی کفر و اسلام کا فرق ہو تو نماز نہیں ہو گی اور اگر عقیدہ میں فروعی مسائل کا اختلاف ہو جیسے حنفی، شافعی۔ مالکی فرقوں میں فرق ہے تو نماز ہو جاتی ہے۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۸ شمارہ ۳۷

سوال:[1] ....

جواب: معلوم کرنا چاہئے، کہ مستفتی نے جتنی حدیثیں تقبیل عینین کے بارے میں لکھی ہیں، ساری محض بے اصل اور موضوعات ہیں، شیخ جلال الدین سیوطی نے تیسیر المقال میں لکھا ہے۔[2] الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللہ علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات انتهی وقال الملا علی القاری فی رسالة الموضوعات لا اصل لها اور محمد طاہر صاحب مجمع البحار اور علامہ شوکانی نے لکھا ہے، کہ تقبیل عینین کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں اسی واسطے مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنے فتوے تقبیل العینین میں فرمایا ہے، کہ تقبیل عینین اگر سنت جان کر کرے، تو بدعت ہے، کیونکہ حدیث صحیح اس باب میں ائمہ اربعہ و محدثین کبار سے نہیں پائی گئی، اور مولانا حسن علی محدث لکھنوی نے بھی اسی طرح اپنے فتوے تقبیل العینین میں لکھا ہے کہ ان حدیثوں کا کچھ اصل نہیں اس لئے کہ ائمہ اربعہ و محدثین و متقدمین کبار سے اس کی کچھ اصل ثابت نہیں، اور جو حدیث تقبیل عینین کی ابوبکر صدیقؓ سے مقاصد حسنہ میں فردوس دیلمی سے نقل کی ہے، اس حدیث کے راوی مجہول ہیں، جن کا حال معلوم نہیں، کہ وہ کیسے ہیں، اور جب تک کسی حدیث کے راوی کا حال معلوم نہ ہو، وہ حدیث پایہ اعتبار سے ساقط ہے نزدیک محدثین کے، جیسا کہ کتب اصول حدیث شرح نخبہ، اور جواہر الاصول اور تدریب الراوی وغیرہ میں مذکور ہے، اور کتاب فردوس دیلمی میں واہیات اور موضوعات توہ توہ مذکور ہیں، جیسا کہ مولانا شاہ عبد العزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں "درکتاب[3] فردوس دیلمی موضوعات و واہیات توہ توہ مذکور است" انتہی کلامہ اور شیخ زادہ شارح وقایہ کا لکھنا یا در فتاویٰ میں ذکر کرنا اس کا معتبر اور مقبول نہیں، جب تک حدیث ائمہ اربعہ اور محدثین متقدمین کبار مثل صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ترمذی اور ابو داؤد

---

[1] اس سوال کی عبارت نہیں ملی، اس وجہ سے صرف جواب لکھا گیا ہے، لیکن اس کی شق دوم مع جواب کے آگے آرہی ہے۔

[2] وہ تمام احادیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مؤذن سے سن کر یا کلمہ شہادتین میں سننے پر انگلیوں کے چومنے اور پھر آنکھوں پر لگانے کے بارے آئی ہیں، وہ سب موضوع ہیں، ملا علی قاری نے بھی رسالہ موضوعات میں لکھا ہے، کہ ان کا کوئی اصل نہیں ہے۔

[3] مسند فردوس دیلمی میں بے شمار موضوع اور واہیات روایات پائی جاتی ہیں۔

نسائی و ابن ماجہ اور مسند دارمی اور مسند شافعی و مسند ابو داود الطیالسی و مسند امام اعظم و مسند امام احمد و مسند ابو یعلی موصلی و مسند ابو عوانہ و سنن کبریٰ بیہقی کہ دس جلد میں ہے و مسند مسلم[1] و سنن سعید بن منصور و مصنف عبد الرزاق و مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ میں کہ دیوان ثقات معتبرین سے نہ پائی جاوے قابل تمسک اور عمل کے نہیں جیسا کہ کتب اصول حدیث وغیرہ میں مذکور ہے، اور ظاہر ہے کہ حدیث تقبیل العینین کی کتب مذکورہ بالا میں منقول و مذکور نہیں اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جو حدیث میری مسند میں نہ پائی جاوے، وہ حدیث قابل حجت کے نہیں، اور مدار حدیث کا اوپر نقل محدثین نقاد کی کتاب معتبر معمول بہ میں ہے کہ صدر اول سے لے کر آخر تک مشہور ہوئی ہو، اور حدیث تقبیل العینین کی صدر اول اور ثانی اور ثالث میں پائی نہیں گئی، اگر پائی جاتی تو محدثین کی کتب مرقومہ بالا میں مذکور ہوتی اور مسند رویانی میں بھی اکثر واہیات مذکور ہیں جیسے کہ موضوعات کبیر و تذکرہ نور الدین سے واضح ہوتا ہے وجناب مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ در رسالہ عجالہ نافعہ می فرمانید کہ

"مراد از قبول حدیث آن است، کہ نقاد حدیث آن کتاب را اثبات کنند و بر آن اعتراض نہ کنند، و حکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آن کتاب را تصویب و تقریر نمایند و فقہا بآن حدیث تمسک نمایند بے اختلاف و بے انکار، و طبقہ چہارم احادیثے کہ نام و نشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نہ بود، و متاخران آن را روایت کردند، پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و آنہا را اصلی نہ یافتند، تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند و در آن قدحے و علتے دیدند کہ باعث ہمہ آنہا را بر ترک روایت آنہا شد و علی کل تقدیر این احادیث قابل اعتماد نیستند، و درین قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند برخے را بشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان و تصانیف حاکم و فردوس دیلمی وغیرہ انتہے ما فی بستان المحدثین

[1] مسند مسلم لابن ابی بکر محمد بن عبد اللہ الجوزقی المتوفی ۳۸۸ھ وھو المسند الصحیح علی کتاب مسلم ختصرہ یعقوب بن اسحاق وابو عوانۃ الحافظ کذا فی کشف الظنون، کتبہ ابو الطیب عفی عنہ

[2] شاہ عبد العزیز "عجالہ نافعہ" میں فرماتے ہیں قبول حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ نقادان حدیث اس کتاب کو معتبر سمجھیں، اور صاحب کتاب کے حدیث کے متعلق فیصلہ کو صحیح سمجھیں، فقہا اس سے تمسک کریں، اور کوئی اختلاف و انکار نہ کریں چوتھے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں جن کا قرون اولیٰ میں نام و نشان نہ تھا اور پچھلے لوگوں نے ان کو روایت کیا، یہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو سلف صالحین کو اس کا کوئی اصل نہ ملا، کہ ان کی روایت میں مشغول ہوتے، یا اگر کوئی اصل ملا تو اس میں ایسی علتیں دیکھیں کہ ان کو چھوڑ دیا دونوں صورتوں میں یہ روایتیں قابل اعتماد نہیں ہیں اور اس قسم کی حدیثیں کئی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن میں سے حبان کی کتاب الضعفاء اور حاکم و فردوس دیلمی کی تصانیف ہیں۔

اور جو حدیث مسند حاکم سے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مسند حاکم کی نہیں ہے بلکہ مستدرک حاکم کی ہے، اور جو حدیث اس سے نقل کی ہے درباب پڑھنے قل ہو اللہ کے کلوخ پر اور رکھنے قبر میں مردہ کے ساتھ وہ بھی محض واہی اور بے اصل ہے، کیونکہ یہ حدیث کتب معتبرہ میں ثابت نہیں ہوئی۔ اور صدر اول وثانی وثالث میں درمیان فقہا و مجتہدین اور محدثین محققین کے شہرت نہ پائی، اور مستدرک حاکم میں بقدر ربع احادیث کے واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں، اسی واسطے تمام مستدرک حاکم کی معیوب ہوئی، جیسے کہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ نے بستان المحدثین میں لکھا ہے، اور جو کتاب نور العین وغیرہ سے نقل کی ہے، وہ بھی صحیح اور قابل تمسک کے نہیں، کیونکہ ائمہ اربعہ اور محدثین اور متقدمین اور متاخرین سے ثابت نہیں اور قرون ثلاثہ میں درمیان فقہاء اور محدثین کے شہرت نہیں ہوئی اور محدثین نقاد نے اپنی کتاب میں بسند صحیح راویان ثقات سے نقل نہیں کی ہے اور حدیث کی صحت کا مدار اوپر سند صحیح راویان ثقات سے ہے، کتب معتبرہ متعداولہ میں غرباً وشرقاً جیسے کہ اصول حدیث اور فقہ میں مفصلاً مذکور ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

نعم التحقیق وحبذ التوفیق والحق ان ھذا لشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب

محمد عبد الرب	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد اسد علی	اسلام آبادی

سوال: بعض لوگ ناواقف علم حدیث جن کو صحیح اور سقیم اور ضعیف اور موضوع اور غیر موضوع میں کچھ امتیاز نہیں ہے، مؤذن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ کے سننے کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں، اور اس فعل کو چند احادیث کتب طبقہ رابعہ سے حجت لا کر سنت جانتے ہیں، اس باب میں کتب معتبرہ سے جو صاف صاف حکم ہو ارشاد فرماویں، بینوا توجروا۔

جواب: - اس مقدمہ مذکور میں جتنی حدیثیں کہ مذکور ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح وثابت نہیں، اور نہ ان کا کسی معتمد کتاب میں پتہ ونشان پایا جاتا ہے، محققین ونقاد احادیث نے ان سب احادیث میں کلام کر کے تصریح غیر صحیح اور موضوع ہونے کی کر دی ہے، تفصیل اس اجمال اور تشریح اس مقال کی یہ ہے، کہ اول تو یہ سب حدیثیں کتب احادیث طبقہ رابعہ سے ہیں، اور اس طبقہ کی احادیث اس قابل نہیں، کہ کسی عقیدہ اور عمل کے ثابت کرنے میں ان پر اعتماد کیا جاوے، اور

ان کو متمسک بہ ٹھہرایا جاوے، چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عجالہ نافعہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"طبقہ رابعہ[1] احادیثے کہ نام و نشاں آنہا در قرون سابقہ معلوم نہ بود متاخرین آنرا روایت کردہ اند، پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند آنہا را اصلی نہ یافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا فتند و دران قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را بر ترک روایت آنہا و علی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عمل بآنہا کردہ شود" انتہی کذا فی بصارۃ العینین۔

دوسرے یہ کہ علامہ شمس الدین ابو الخیر محمد بن وجیہ الدین عبد الرحمٰن سخاوی مقاصد حسنہ میں اور شیخ الاسلام مترجم بخاری اور حسن بن علی ہندی اور ابن ربیع شافعی اور زرقانی مالکی اور محمد طاہر فتنی حنفی نے ان احادیث کو لایصح لکھا ہے، اور لفظ لایصح کا بمعنے ثابت نہ ہونے کے آتا ہے، چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔ قولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم وانما ھو اخبار عن عدم الثبوت انتہی یعنی قول ہمارا لایصح نہیں لازم آتا ہے اس سے اثبات نہ ہونے کا، اور نہیں ہے وہ قول مگر خبر دینا ہے نہ ثابت ہونے سے، اور شیخ الاسلام نے ترجمہ بخاری میں لکھا ہے کہ

"در فردوس[2] از حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ آوردہ کہ وے چوں می شنید، قول مؤذن اشہد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وگفت ہم چنیں و بوسید باطن انملہ دو انگشت

---

[1] چوتھے طبقہ کی وہ حدیثیں ہیں، جن کا پہلے زمانہ میں نام و نشان تھا، اور متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے، ان کا حال دو حیثیتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو سلف نے ان کو پرکھا اور ان کا کوئی اصل نہ مل سکا، کہ ان کی روایت کرتے یا کوئی اصل تو تھا، لیکن ان میں سے ایسے نقص دیکھے ان کو چھوڑ دینا ہی مناسب معلوم ہوا، بہر حال وہ حدیثیں کسی طرح بھی اس قابل نہ تھیں، کہ ان پر عقیدہ و عمل کی بنیاد رکھی جاتی ۱۲

[2] مسند فردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، کہ جب وہ مؤذن اشہد ان محمدا رسول اللہ سنتے تو اپنی دونوں سبابہ انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اپنی انگلیوں پر لگا لیتے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی میری طرح کریگا اس کے لئے شفاعت واجب ہو جائے گی اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، جو آدمی مؤذن سے یہ کلمہ سنکر کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ، اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے، تو وہ کبھی نابینا نہ ہوگا، اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی، اور محدثین کے نزدیک یہ دونوں روایتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں۔

سبابہ را او مسح کرد بدان دو چشم خود را پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسے کہ بکند مانند تو شفاعت براو واجب شدہ واز حسن بن علی رض آرند ہر کہ بگوید نزد سماع این کلمہ از مؤذن مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وببوسد دو ابہام خود را وبگذ ارد آنرا بر دو چشم خود نابینا ودرد چشم نشود وہرگز صحیح نہ شدہ نزد محدثین چیزے ازان انتہی ۔

اور حسن بن علی ہندی صاحب سبیل الجنان نے تعلیقات مشکوٰۃ المصابیح میں لکھا ہے۔ کل ماروی فی وضع الابھامین علی العینین عند سماع الشھادۃ من المؤذن لم یصح انتہی یعنے جو کچھ روایت کیا گیا ہے مؤذن سے رکھنے انگوٹھوں میں آنکھوں پر وقت سننے کلمہ شہادت کے ثابت نہیں ہوا، اور محمود احمد عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں بیچ باب مایقول اذا سمع المنادی کے لکھا ہے یجب علی السامعین ترک عمل غیر الاجابۃ انتہی ملخصا یعنے اذان کے سننے والوں پر ہر کام کا چھوڑ دینا، اور جواب اذان دینا واجب ہے اور یہ بھی شرح مذکور کے اسی باب میں لکھا ہے ینبغی ان لا یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یقرأ القرآن ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشغل بشئ من الاعمال سوی الاجابۃ انتہی یعنی لائق یہ ہے، کہ نہ کلام کرے سننے والا درمیان اذان اور اقامۃ کے اور نہ پڑھے قرآن اور نہ سلام کرے، اور نہ جواب سلام کا دے اور نہ مشغول ہر ساتھ عمل کے سوا جواب دینے اذان کے۔

اور محمد یعقوب بنبانی نے خیر جاری شرح صحیح بخاری میں بعد نقل عبارت عینی کے لکھا ہے واعلم انہ یستفاد من کلام العینی المذکور فیہ منع وضع الابھامین علی العینین عند سماع اشھد ان محمد ارسول اللہ یعنے جان تو تحقیق مستفاد ہوتا ہے کلام عینی سے جو یہاں مذکور ہے منع ہونا رکھنے انگوٹھوں کا آنکھوں پر وقت سننے اشہدان محمد رسول اللہ کے اور علامہ ابو اسحاق بن عبد الجبار کابلی نے شرح رسالہ عبد السلام لاہوری میں لکھا ہے قد تکلموا فی احادیث وضع الابھامین علی العینین فلم یصح شئ منھا بروایۃ ضعیفۃ ایضا صرح بعضھم بوضع کلھا انتہی یعنے تحقیق کلام کیا ہے علمائے محدثین نے حدیثوں میں رکھنے انگوٹھوں کے آنکھوں پر پس ثابت نہیں ہوا ہے کچھ ان میں سے ساتھ روایت ضعیفہ کے بھی اور اسی واسطے تصریح کی ہے بعض محدثین نے ساتھ موضوع ہونے کل ان احادیث کے

چنانچہ امام ابوالحسن عبدالغافر فارسی صاحب مفہم شرح صحیح مسلم اور مجمع الغرائب نے کتاب اقوال الاکاذیب میں لکھا ہے، بعد نقل احادیث فردوس و دیلمی کے جو اس باب میں وارد ہیں لکھا ہے والروایات فی ھذا الباب کثیرۃ لا اصل لھا بسند ضعیف ایضا وقال ابو نعیم الاصفہانی ماروی فی ذلک کلہ موضوع انتہی یعنے روایات چومنے انگوٹھے اور ان کے آنکھوں پر رکھنے کی بہت ہیں، مگر نہیں ہے کچھ اصل ان کی سند ضعیف سے بھی، اور فرمایا حافظ ابو نعیم اصفہانی نے، کہ اس میں جو روایت کیا گیا، سب موضوع ہے۔

اور امام جلال الدین سیوطی نے کتاب تیسیر المقال میں لکھا ہے۔ والاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلھا موضوعات انتہی۔ یعنے جو حدیثیں مؤذن سے کلمہ شہادت سننے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر انگلیاں چومنے، اور پھر ان کے آنکھوں پر پھیرنے کے بارہ میں روایت کی گئی ہیں، سب موضوع ہیں اور ایسا ہی امام مذکور نے کتاب الدرۃ المنتشرہ فی احادیث المنتشرہ میں لکھا ہے، انتہی مافی بصارۃ العینین ملخصاً مختصراً۔

پس اس سب سے معلوم ہوا۔ کہ علمائے محدثین معتبرین کے نزدیک فعل مذکور ثابت و صحیح نہیں ہوا اور کل احادیث جو اس باب میں مذکور ہیں۔ سب موضوع ہیں، اور فعل مذکور ہر گز ہر گز سنت و مستحب نہیں ہے، بلکہ بدعت و ممنوع ہے، چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے میں ارقام فرماتے ہیں۔

در[1] وقت اذان سوائے جواب کلمات اذان چیزے ثابت نہ شدہ و در وقت ذکر نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوائے فرستادن درود و سلام بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز چیزے دیگر ثابت نہ شد وایں عمل از روئے احادیث معتبرہ زمانہ آں حضرت صلی اللہ

[1] اذان کے وقت جواب کلمات اذان کے سوا اور کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر ان پر درود و سلام بھیجنے کے سوا اور کوئی چیز درست نہیں، اور یہ انگوٹھے چومنے کا عمل خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہیں تھا پس بوقت اذان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر ایسا کرنا سنت اور مستحب نہیں ہے بلکہ بدعت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اور فقہ کی بعض کتابوں میں جو اس کے جواز کے متعلق لکھا ہے وہ کتابیں معتبر نہیں ہیں ۱۲ واللہ اعلم بالصواب۔

علیہ وسلم وزمانہ خلفائے راشدین نبودہ، پس این عمل را بوقت اذان یا بوقت شنیدن نام آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت یا مستحب دانستہ کردن بدعت است وازین امر احتراز باید وآنچہ در بعضے کتب فقہ می نویسند آن کتب چندان اعتبارے ندارند انتہی بلفظہ ملخصاً۔

اور محدث لکھنوی مرزا حسن علی صاحب بھی اپنے فتویٰ میں اسی طرح لکھتے ہیں کہ این عمل ممنوع است واز قبیل بدعت، وآنچہ درین باب حدیثے از جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درعمل کردن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نقل کنند موضوع است کذا ذکرہ الشیخ جلال الدین سیوطی وغیرہ من المحدثین وبحسب روایات فقہ معتبرہ ہم اصلا ثبوت ندارد انتہی بلفظہ ہکذا فی بصارۃ العینین واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ اذان میں جب اشہد ان محمد ارسول اللہ کہا جاتا ہے، یا جمعہ کے خطبہ میں جب اللّٰھم[۲] انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے، تو انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں یہ فعل کیسا ہے، کتب احادیث وفقہ یا قول ائمہ سے پایا جاتا ہے یا نہیں، اور اگر کہیں سے اس کا جواز ثابت نہیں، تو اس کے کرنے والے کیسے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس فعل سے آنکھ کی روشنی تیز ہوتی ہے، اور اس کو فرمودہ رسول بتاتے ہیں اس کا پتہ بھی کچھ حدیث وفقہ میں کہیں لگتا ہے۔ یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب وہو الموفق للصواب صورت مرقومہ میں معلوم کرنا چاہئے کہ دنیا فانی ہے چند روز کی زندگانی ہے، مرنا برحق ہے جہاں تک ہوسکے اتباع جمیع امور میں سنت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا چاہئے، کیونکہ فلاح دارین اسی میں ہے اور اپنی طرف سے ایجاد ہرگز نہ کرنا چاہئے اگرچہ وہ عند الطبع مرغوب ومستحسن ہو جیسے کہ یہی امر یعنی تقبیل ابہام وغیرہ جہاں عوام کالانعام بلکہ بعض بعض خواص کے نزدیک بھی بہتر واحسن معدود وشمار کیا جاتا ہے حالانکہ یہ امر یعنی چومنا انگوٹھوں وغیرہ کا عند التاذین یا عند قول الخطیب اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ

---

[۱] ایسا کرنا منع ہے اور بدعت، اور وہ جو ابوبکر رضہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے وہ حدیث موضوع ہے، اور فقہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ [۲] اے اللہ اس کی مدد کر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرے، اور اس کو ذلیل کر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ذلیل کرے ۱۲۔

صحابہ کرام نے مع[1] انہ لم یکن شخص احب الیہم منہ صلی اللہ علیہ وسلم کما جاء فی الحدیث اور نہ کسی امام نے ائمہ اربعہ میں سے کیا، اور جو فعل نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ ائمہ اربعہ سے، تو وہ کام بدعت اور مردود ہوتا ہے قال الامام الجلیل السیوطی الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل و جعلہا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشہادۃ کلہا موضوعات انتہی ما فی الرسالۃ المسماۃ بتیسیر المقال للامام الکبیر الشیخ جلال الدین السیوطی یعنی جس قدر حدیثیں دوبارہ چومنے انگوٹھوں وغیرہ کے لوگ نقل کرتے ہیں، سب کی سب موضوع اور بناوٹی جھوٹی ہیں، اور ماہر فن لکھتے چلے آتے ہیں، کہ یہ حدیثیں بے اصل ہیں، اور پایہ صحت کو نہیں پہنچیں۔ کذا قال الشیخ محمد طاہر الحنفی و الملا علی القاری الحنفی و الشیخ الشوکانی المحدث وغیرہم فی کتبہم المشہورۃ المنسوبۃ الیہم اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتوے تقبیل العینین میں فرماتے ہیں، کہ جو شخص اس فعل کو سنت جا کر کرے، وہ مبتدع اور کرنا اس کا بدعت ہے اور بہت علمائے ماہرین اس فعل کو بدعت کہتے ہیں، بخوف طول ترک کیا، اور مولانا الشیخ یعقوب چرخی نے خیر الجاری شرح صحیح البخاری میں صاف صاف اس فعل کو بدعت لکھا ہے الغرض یہ فعل ہرگز درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

اقول:۔ افسوس صد افسوس مسلمان دینداروں پر کہ جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود تعلیم فرمایا، کہ یہ اذان کے وقت یا اس کے بعد کہا کرو، اس کو ترک کیا اور اپنی طرف سے بہت سی باتیں ایجاد کرلیں، حضرت نے فرمایا ہے، کہ جیسے مؤذن کہتا ہے، ویسے ہی کہو، تمام گناہ صغائر معاف ہو جائیں گے، بعد ختم اذان کے درود شریف پڑھے، اور یہ دعا[2] اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودن الذی وعدته بس یہاں تک پڑھے، حضرت کی شفاعت اس کے لئے واجب ہو جائے گی، اور بعض لوگ وعدته کے پیچھے اور چند کلمات پڑھتے ہیں وہ درست

---

[1] حالانکہ کوئی شخص بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہے۔

[2] اے اللہ اس پوری دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو مقام محمود پہ پہنچا، جس کا آپ سے تو نے وعدہ کیا ہے ۱۲۔

وثابت نہیں ہیں، کیونکہ کسی صحیح حدیث شریف میں نہیں آئے، اور جو بعض لوگ اذان کے بعد یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ زیادہ کر کے پڑھتے ہیں، یہ بھی نادرست ہے، یعنی محمد رسول اللہ قرآن شریف وغیرہ میں آیا ہے ولیکن خاص اس محل میں شارع سے ثابت نہیں ہوا جو امر شارع سے ثابت ہو وہی کرنا چاہیئے، نہ یہ کہ اپنی طرف سے ایجاد کر لینا یہ بہت مذموم ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جب عطاس یعنی چھینک کوئی لیوے، تو کہے الحمدللہ اور سننے والا یرحمک اللہ کہے، یہ شارع کا حکم تھا، تو صحابہ کرام کے وقت ایک شخص نے عطاس سے کر الحمدللہ السلام علیکم کہا، تب سالم صحابی نے کہا وعلیک وعلی امک یعنی تیری ماں پر اور تجھ پر سلام ہو، پس وہ شخص کچھ خفا سا ہوا، تب سالم نے فرمایا، کہ بھائی خفا کیوں ہوتے ہو میں نے کچھ بے جا کلمہ نہیں کہا، اسی طرح حضرت کے پاس ایک شخص نے کہا تھا، جیسا کہ تم نے چھینک کے بعد کہا، تو حضرت نے بھی ایسا ہی کہا، جیسا کہ میں نے کہا، تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ محل سلام کہنے کا نہیں ہے، ھکذا فی الترمذی و ابی داؤد والمشکوۃ وغیرھا من کتب الحدیث۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضہ کے پاس ایک شخص نے چھینک لی بعدہ اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ تو عبداللہ بن عمر رضہ نے فرمایا، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ سب تعریف اللہ پاک کو ہے اور درود رسول پر ہے ولیکن یہ محل درود وغیرہ کا نہیں ہے جس طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی ہے یعنی الحمدللہ[1] کہنا چاہیئے۔ ویسا ہی کرو اور یہ اس محل پر ہم کو حضرت نے تعلیم نہیں کیا، کذا فی المشکوٰۃ۔

اب ارباب فطانت پر مخفی نہ رہے، کہ معاذ اللہ کچھ محمد رسول اللہ کا انکار نہیں ہے ولیکن عرض یہ ہے، کہ اس کا یہ محفل نہیں ہے، اس محل میں ادعیہ و اذکار جو وارد ہیں، ان کا کہنا چاہیئے اور شیخ عبدالحق حنفی دہلوی نے بھی لکھا ہے، کہ محمد رسول اللہ کا یہ محل و موقعہ نہیں ہے کہنا نا درست ہے، کذا فی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ للشیخ عبدالحق دہلوی، انتہی۔

اب معلوم کرنا چاہیئے، کہ مسنون طریقہ بعد اذان کے یہ ہے، اول تو جس طرح مؤذن کہے اللہ اکبر تو سننے والا بھی اسی طرح کہے، جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو وہ بھی یوں ہی کہے، جب مؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے، تو سننے والا

[1] سب تعریف اللہ کے لئے، اور رسول اللہ پر سلام ہو۔

بھی اشھد ان محمد ارسول اللہ کہے اور انگوٹھے وغیرہ نہ چومے، کیونکہ یہ بدعت ہے کما مر، اور جب مؤذن حی الصلوٰۃ کہے تو سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے، تو سننے والا کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور بعض بوقت سننے ان ہر دو کلمہ کے یعنی حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح کہتے ہیں ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن یہ نادرست اور بے اصل بات ہے ہکذا فی شرح الشیخ عبدالحق حنفی الدہلوی اور جب مؤذن اللہ اکبر کہے، تو سننے والا بھی اللہ اکبر کہے، اور جب مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو سننے والا بھی لا الہ الا اللہ کہے، بس اور محمد رسول اللہ نہ بلاوے، کیونکہ یہ محل نہیں ہے بلکہ بدعت ہے، افسوس جہالت نے ایسا زور پکڑا ہے کہ جو حق بات ہے، وہ ناحق اور باطل متعدود کی جاتی ہے، اور جو بات باطل اور بے اصل ہے، وہ مروج اور دائرہ حق میں شمار کی جاتی ہے، سچ فرمایا ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جب سنت کی جگہ بدعت اور بے اصل بات قائم کی جائے، تو سنت تو نیست ونابود ہو جاتی ہے، اور بے اصل بات گڑ اور جم جاتی ہے کذا فی المشکوٰۃ حقیقت میں یہی حال ہے، کہ سنت متروک اور بدعت مروج ہو رہی ہے اور جب تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ (نماز کھڑی ہوگئی) کہے تو سننے والا اقامہا اللہ وادامہا (اللہ اسے کھڑا رکھے اور ہمیشہ رکھے) کہے اور کچھ نہ کہے، اور باقی کلمات کا جواب جیسا اوپر مذکور ہوا ویسا ہی کہے، اور جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز سونے سے بہتر ہے) کہے، تو سننے والا بھی الصلوٰۃ خیر من النوم کہے، اور کچھ نہ کہے یعنی صدقت وبررت وغیرہ نہ کہے، کیونکہ اس کا ثبوت، حدیث میں نہیں ہے۔ پس بعد فراغت جواب مؤذن درود شریف اور مذکورہ بالا دعا پڑھے، اور اپنے یا غیر کے لئے جو دعا مانگے قبول ہو گی یہ مسنون طریقہ ہے، باقی بدعت ہے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العاجز ابو محمد عبدالوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اواخر شہر المحرم سنہ ۱۳۰۶ھ

سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹	ابو محمد عبدالحق لودیانوی ۱۳۰۵
خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰	عبدالجبار بن عبدالعلی	عبدالجبار حیدر آبادی
		عبدالرؤف

الجامعۃ السعیدیہ خانیوال

رفقاء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ "جامعہ سعیدیہ" ایک مشہور جماعتی علمی مدرسہ ہے جہاں سے قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر ارضِ پاکستان کو سیراب کر رہے ہیں، جس کی بنیاد شیخ زماں حضرت العلام مولانا محمد شرف الدین صاحب محدث دہلوی رح نے ۱۳۵۰ھ پل بنگش دہلی میں رکھی، ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب تک سینکڑوں علمائے کرام فیض یاب ہوئے، دورانِ انقلاب آپ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ کی بنیاد چک میں رکھی، تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور کارکنان کے خلوص وایثار سے "جامعہ سعیدیہ" ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا متفرق شعبہ جات میں تقسیم ہوا حفظ القرآن اور پرائمری کے علاوہ درس نظامی کے فارغ التحصیل علمائے پاکستان کے مرکزی مقامات پر درس وتدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں "برقِ اسلام" "اسلامی شکل وصورت" اور "تہذیب النسواں" جیسی بڑی اور چھوٹی کتابوں کی اشاعت کی۔ چنانچہ مجموعہ "فتاویٰ علمائے حدیث" کتاب الزکوٰۃ کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ حصہ اول شائع ہو چکے ہیں اور کتاب الصلوٰۃ حصہ دوم زیر طبع ہے جامعہ سعیدیہ ایک شاخ خانیوال میں ہے جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جنوب مشرق خانیوال ایک وسیع میدان میں سات کمرے اور ان کی چاردیواری مکمل ہو چکی ہے، بجلی اور پنکھے اور پانی کی موٹر کا بھی انتظام ہو چکا ہے۔

مدرستہ البنات جامعہ سعیدیہ کی بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے، مدرسہ کا سالانہ حساب شائع کیا جاتا ہے، جامعہ سعیدیہ کا تعمیری حصہ کافی حد تک باقی ہے، مسجد، مہمان خانہ لائبریری اور اساتذہ کے تعلیمی کمرے اصحابِ ثروت کی توجہ کے منتظر ہیں۔ الراقم

(مولانا) علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدی خانیوال (ملتان)

(کتبہ محمد نذیر گیلانی)